خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

صفر 1439ھ، نومبر 2017ء

حجاب نمبر کے انعام یافتہ قلم کار

تیرے قرب کی حسرت

مشہور عامل مولانا قاری رشید احمد سے ملاقات

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

صفر 1439ھ، نومبر 2017ء

سرپرست

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

مفتی اعظم پاکستان

مجلس ادارت

مدیر مسئول ـــــ محمد ساجد میمن

مدیرہ ـــــ حیا حریم

تزئین و آرائش ـــــ محمد عامر

مجلس مشاورت

- مولانا عبدالرزاق اسکندر
- مولانا محمد حنیف جالندھری
- مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی
- مولانا عبدالقیوم حقانی
- مولانا مفتی غلام الرحمٰن
- مفتی احسان ایاز
- مفتی معتز باللہ

سالانہ زرتعاون پاکستان 1100 روپے

فی شمارہ 80 روپے

سعودی عرب، عرب امارات، چین، یورپ، بھارت، انڈونیشیا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، امریکا 70 ڈالر

صدر دفتر: میزانائن فلور، فریئر بزنس سینٹر، فریئر روڈ، نزد فریئر مارکیٹ کراچی 74200

خط و کتابت کا پتہ: ادارہ ماہنامہ حیا کراچی، پی او بکس نمبر 15009، جی-پی-او، صدر کراچی

Hya.diegest@gmail.com

Cell:03131165569
(رابطہ: دوپہر 1 تا 4)

تقسیم کار برائے پاکستان و بیرون ملک

نیشنل نیوز ایجنسی،
اسد چیمبر، گراؤنڈ فلور، صدر کراچی
92 21 35688828
92 21 35681520
nnagency1@hotmail.com

نمبر اشتہارات

کراچی شیخ اجمل احمد
0321-2111320

لاہور ثاقب بخاری
0323-5352523
0307-4400851

حافظ محمد عمر
03214856108

ٹائٹل ڈیزائنر: محمد فیضان
موبائل: 0345-6415123
m.faizangraphics@hotmail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ناشر: مسعود باللہ   پبلشر: ابن حسن پریس   مقام اشاعت: کراچی

قارئین سے گزارش

☆ خطوط کے ساتھ جواب طلب امور کے لیے جوابی لفافہ یا ڈاک ٹکٹ ضرور ارسال کریں۔

☆ اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھیں۔

☆ رسالہ بذریعہ وی۔پی طلب نہ کریں۔

مضمون نگار خواتین و حضرات سے گزارش

☆ اپنے مضامین صاف اور خوش خط ایک سطر چھوڑ کر صفحے کی ایک جانب لکھیں۔

☆ مضامین مختصر، اہم اور جامع ہوں۔

☆ مضمون کی اصل کاپی بھیجیں، زیروکس کاپی قابلِ قبول نہ ہوگی۔

☆ اگر کوئی انتخاب یا ترجمہ بھیج رہے ہوں تو حوالہ ضرور لکھیں۔

☆ ناقابلِ اشاعت مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

☆☆☆

سالانہ خریداروں سے گزارش

ماہنامہ حیا ڈائجسٹ کے سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ جن کا سالانہ زرِتعاون ختم ہو رہا ہے وہ ازراہِ کرم آئندہ سال کے لیے زرِتعاون کی رقم فوری طور پر روانہ کریں۔ زرِتعاون کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ یا ایزی پیسہ کے ذریعے روانہ کریں۔ عدمِ ادائیگی کی صورت میں ادارہ رسالے کی ترسیل سے معذرت خواہ ہوگا۔

ادارہ

ماہنامہ حیا کراچی

قارئین کے لیے

ماہنامہ حیا کراچی کی سالانہ خریداری پر زبردست رعایت

یہ کوپن پر کیجیے اور سرکولیشن منیجر ماہنامہ حیا کراچی کے ایڈریس پر ارسال کیجیے

ایڈریس: ادارہ حیا پی او بکس 15009 جی پی او صدر کراچی

92 21 35688828 92 21 35681520

نام ______________________

پتہ ______________________

فون نمبر __________ فیکس __________

میں منی آرڈر ارسال کر رہی ہوں / کر رہا ہوں

جی ہاں __________ میں حیا کراچی کا سالانہ خریدار ماہ __________ سے بذریعہ __________ بک پوسٹ __________ رجسٹرڈ ڈاک __________ بننا چاہتی ہوں / چاہتا ہوں۔

★	بارہ شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ بدل اشتراک
مل پوسٹ	960 روپے	300 روپے	1260 روپے	160 روپے	1100 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورِ نبوت

زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ماہ صفر کی آمد پر برا شگون لیتے تھے اور اسے آفات اور مصائب کے وقوع کے اعتبار سے خاص قرار دیتے تھے، پس اسلام نے آ کر اس جہالت پر حق کی کاری ضرب لگائی اور اس کا سدِ باب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "مرض کے متعدی ہونے، صفر اور غول کی کوئی حقیقت نہیں۔" (الصحیح لمسلم)

حدیث میں "لا صفر" کا لفظ واقع ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صفر کا مہینہ بھی دوسرے مہینوں کی طرح ہے، یعنی وقوع شر کے ساتھ یہ مختص نہیں ہے ایک اور مقام پر حدیث میں وارد ہوا کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بدشگونی کچھ نہیں ہے، اس سے بہتر فال نیک ہے، صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! فال کیا ہے؟ فرمایا "اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنے"۔ (صحیح البخاری)

''فال'' (اچھی توقع کرنا) کہتے ہیں کہ آدمی کوئی کلمہ یا بات سنے اور اس سے کوئی نیک معنی مراد لے اور "طیرۃ" اس کے برعکس ہے، یعنی برا شگون لینا، شریعت نے ہمیں بدشگونی سے روکا اور نیک فالی کی اجازت دی ہے۔ ایک تو اس سے عقل وعقیدے میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا، دوسرا اس میں مصلحت بھی ہے، مثلاً کسی مریض کو کہا جائے کہ "آپ تو صحت مند ہیں" اور اس سے مراد لیا جائے کہ مریض جلد اپنی بیماری سے چھٹکارا پا کر صحت مند ہو جائے گا۔ اگر غور کیا جائے تو نیک فالی سے ثابت ہونے والے فوائد آپ کو نظر آئیں گے، مثلاً دل میں خوش گواری اور بشاشت کا پیدا ہونا، عزائم میں قوت اور حوصلوں میں بلندی، نیک مقاصد کے حصول میں ہمتوں کی زیادتی، نیز غموں میں کمی کا واقع ہونا اور بہت کچھ اس کے فوائد میں سے ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

ترجمہ: "اور اگر خدا تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورہ یونس: 107)

ماہ صفر المظفر کا آغاز ہو چکا ہے اور اس بابرکت مہینے کے ایام اپنی رحمتیں بکھیرنے کے واسطے منتظر ہیں۔ اس مہینے کے شروع ہوتے ہی لوگوں کے تاثرات میں بدشگونی اور بدفالی کی لہریں موج زن ہونے لگتی ہیں، اس ماہ کی ابتدا سے ہی لوگوں کے اقوال وافعال سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس قدر جہالت کی تقلید کرتے ہوئے اس مہینے کو منحوس گردانتے ہیں اور اس کے اختتام پر آپس میں اس طرح خوش خبریاں سناتے پھرتے ہیں گویا کوئی بہت بڑی مصیبت ٹل گئی ہو اور خوشی کی انتہا کہ پھولے نہیں سماتے۔ ان حضرات کا یہ حال ان کے غلط عقیدے کی وجہ سے ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اس ماہ میں سخت مصائب کا سامنا ہوتا ہے، پریشانیوں اور دکھوں کا نزول اور آزمائش وآفات کا وقوع ہوتا ہے، اسی طرح کی اور بھی بہت سی بے بنیاد باتیں ہیں، یہ سراسر باطل عقیدہ ہے اور جاہلیت کی باقیات میں سے ہے، اس طرح کی ہر لغو سوچ وفکر کی قید سے حق سبحانہ وتقدس کی ذات عالی نے نعمتِ اسلام ودولتِ ایمان سے ہمیں نواز کر آزاد فرما دیا ہے۔

اللہ کی تقدیر و تاثیر میں زمانے کو کوئی دخل نہیں، لہٰذا صفر کا مہینہ بھی دیگر مہینوں کی طرح ہے۔ پس ہمیں اسلامی عقائد اور اسلامی اصول سیکھ کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور جو بات دین میں نہ ہو اسے دین کی طرف منسوب نہ کیا جائے، نیز نفع ونقصان کے اختیار کا سوفی صد یقین اللہ کی ذات سے ہونا چاہیے کہ جب وہ خیر پہنچانا چاہے تو کوئی شر نہیں پہنچا سکتا اور اگر وہ کوئی مصیبت نازل کر دے تو کوئی اس سے رہائی نہیں دے سکتا۔

آوازِ حیا

Pakistanipoint
Waqar Azeem

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، آپ سب کی خیریت کی فکر رہتی ہے، کیونکہ

تیز رفتاری کی رو میں ہم اس قدر تیزی سے بہتے جا رہے ہیں کہ اپنی ذات کی بھی خبر نہیں رہی۔ اس کی اہم وجہ یہی ہے کہ جدید آلات کے شکنجے میں صرف ہمارے جسم ہی نہیں جکڑے بلکہ ہمارے ذہن بھی قید ہو چکے ہیں۔

ایک ہجوم کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ہم تنہا ہیں۔ سوشل میڈیا کی مصروفیات اور مشاغل اس قدر ہیں کہ ہم کچھ نہ کرتے ہوئے بھی بے حد مصروف ہیں۔

یہ بجا ہے کہ سوشل میڈیا دلچسپی کی ایک رنگا رنگ زندگی ہے...... اس نے تنہائی کا شکار لوگوں کو وقت گزاری مہیا کی ہے...... اس نے تحقیقات کرنے والوں کو آسانیاں فراہم کر دی ہیں...... اس نے ہر قسم کی تحریک کی آواز اٹھانا...... اپنی بات دوسروں تک پہنچانا بے حد آسان کر دیا ہے...... روابط سہل ہوئے ہیں...... مشن آسان ہوئے ہیں...... لیکن تشنگی ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے، حرماں نصیبی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔

کیونکہ ان آلات نے جہاں کارآمد چیزیں مہیا کی ہیں وہیں بے تحاشا فضولیات اور لغویات میں انسان کو الجھا دیا ہے۔ لذت انگیز، بے کار اور سامانِ گناہ فراہم کر دیا ہے۔ علم و تحقیق کا ذوق ختم کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں بے تحاشا انتشار پھیل رہا ہے۔ تفرقہ بازی اور اختلافات کی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔

ہر بے سند بات کو دین سے جوڑا جاتا ہے اور اسے دین کا حصہ بنا کر کنفیوژن اور الجھن پھیلا دی گئی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر سوشل میڈیا پر زیادہ متحرک اور سرگرم رہنے سے جسمانی اور ذہنی بیماریاں بھی پھیل رہی ہیں...... نظر کی کمزوری، نیند کی کمی اور فرائض کی عدم ادائیگی اور ان سے غفلت ہمیں ترقی کے بجائے نقصان کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

اس لئے اپنا جائزہ لیجئے...... علم سیکھیں...... آگے بڑھیں...... جدید آلات کا استعمال سیکھیں...... لیکن!! اس سے فائدہ حاصل کریں، اس کی حدود مقرر رکھیں، وگرنہ کل پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

والسلام
آپ کی بہن
حیا حریم

آئینہ حیا

گوشہ خاص

ماہِ صفر	عبدالوکیل	15
بے مثال محبت کا اعلیٰ نمونہ	بنت خالد	17
لڑکیوں کی پرورش	سمیہ سلطانہ	20
حسنِ اخلاق	بنت ضیاء الرحمٰن	24
ماں تیری عظمت کو سلام	بنت ڈاکٹر عبدالقدیر	28
فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب	اسماء اجمل	33
قرن کا چرواہا	صداقت حسین ساجد	42

مستقل سلسلے

انٹرویو	صبا یونس قریشی	62
یورپ میں (۸) ہفتے	صاحبزادہ نعمت اللہ	78
آپ کے مسائل	محمد ساجد میمن	195
حجامہ	ڈاکٹر شایان احمد	200
خواتین اسلام کی درخشاں تاریخ	ادارہ	205
گلدستہ حیا	ادارہ	210
حیا کی محفل	ادارہ	220

کہانیاں

الٰہی تیری چوکھٹ پہ	کرن سلطان	88
بارش	عظمٰی ظفر	105
احساس ذمہ داری	حیا حریم	109
تراشیدہ پتھر	[illegible]	116
صنف نازک	عفاف گل	127
صراطِ مستقیم	صبا یونس قریشی	130
تیری رہبری کا سوال ہے	بنت مفتی عبدالباری	142
سرداؤد کی کلاس	[illegible]	145
قرض کی نحوست	[illegible] حجازی	149
درد اور دوا	[illegible] موسیٰ	152
تیرے قرب کی حسرت	[illegible]	156
[illegible]	[illegible]	169
ایمان اور گمان	عفاف عبدالباری	170
فیصلہ	بنت سیف اللہ	172
سجدۂ ندامت	خدیجہ میر	176
فلپانا	عبدالحلیم شرر	181

خواتین کے بے شمار ڈائجسٹوں میں ایک منفرد ڈائجسٹ

ماہنامہ حیا کراچی

☆......ایک ایسا ماہ نامہ جو ہر قسم کی بے حیائی اور تصاویر کی لعنت سے پاک

☆......ایک ایسا ماہ نامہ جس کو حاصل ہے پاکستان کے تمام ممتاز اور جید علماء کرام کی سرپرستی......

☆......ایک ایسا رسالہ جسے بلا جھجک پڑھ سکے گھر کا ہر فرد......ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی حیا کا امین......

☆......دلچسپ مضامین، حیرت انگیز سفرنامے، معلوماتی فیچر، دل کو موہ لینے والی سبق آموز کہانیاں، پاکیزہ غزلیں اور لطائف، دینی، نفسیاتی و معاشرتی مسائل اور ان کا حل، روحانی علاج، طب وصحت، آرائشِ جمال، باورچی خانہ اور آپ کے محبت بھرے خطوں سے سجی سجائی حیا کی محفل......اور بہت سے مستقل سلسلے

......وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں......

شرعی اصولوں کے عین مطابق

آپ کا اپنا ''حیا''

تالیفات مفتی محمد ساجد میمن
مدیر مسئول ماہنامہ حیا کراچی

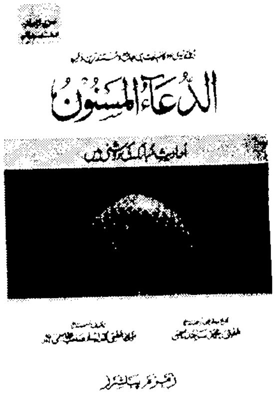

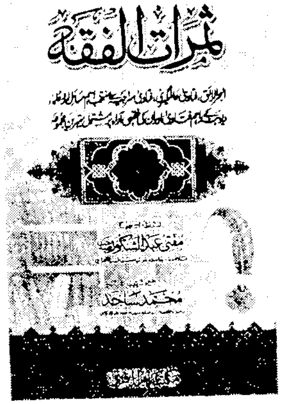

ملنے کا پتہ:

زمزم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

آپ بھی لکھیے

اگر آپ قلم کار ہیں اور با مقصد، ستھرا ادب لکھنے کی شوقین بھی...... تو کاغذ قلم تھام لیجیے اور آج ہی لکھیے،

ماہنامہ حیا ڈائجسٹ آپ کا قدردان ہے!

آپ کی اچھی اور معیاری تحاریر شائع ہونے پر معقول انعام بھی دیا جائے گا......

میزانائن فلور، فریئر بزنس سینٹر، فریئر روڈ، نزد فریئر مارکیٹ کراچی 74200

خط و کتابت کا پتہ: ادارہ ماہنامہ حیا کراچی، پی او بکس نمبر 15009 جی پی او صدر کراچی

Cell:03131165569 Hya.diegest@gmail.com

92 21 35688828

92 21 35681520

hayamonthly

ماہِ صفر سے متعلق عقیدہ نحوست

معاشرے میں پائی جانے والی غلط ذہنیت کی تردید

عبدالوکیل متوکل

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ "صفر المظفر" شروع ہو چکا ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں یہ مشہور تھا اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ "صفر" کا مہینہ مصیبتوں کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں آسمان سے آفتیں نازل ہوتی ہیں، اس وجہ سے وہ اس مہینے میں کسی قسم کی کوئی تقریب (شادی، بیاہ وغیرہ) منعقد نہیں کرتے تھے اور وہ اس مہینے کو منحوس سمجھتے تھے، حالاں کہ کوئی چیز بذات خود منحوس نہیں ہوتی، بلکہ نحوست انسان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے آتی ہے، اس کا سبب کسی مہینے، جانور، ستارے، یا کسی بے جان چیز کو قرار دینا جہالت ہے، یہ بات اگر صرف دورِ جہالت تک محدود ہوتی تو اتنی بات نہ تھی، یہ غلط عقیدہ تو اس زمانے سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے اور آج بھی بعض سادہ لوح مسلمان اس غلط عقیدے کا شکار ہیں، جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے اور اسلام اس قسم کے غلط عقیدوں کو یکسر مسترد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے غلط عقائد کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ چناں چہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نحوست کا سبب بداعمالیوں کو بتایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں (حضرت صالح علیہ السلام نے جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست کا (سبب) اللہ کے علم میں ہے، بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جب ایمان کی دعوت دی تو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا "جب سے تم لوگ آئے ہو، ہم پر قحط و سختیاں آ گئی ہیں، یہ نحوست تم لوگوں کی وجہ سے ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرما کر بتا دیا کہ تم پر جو آفت پڑی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب

ہے، اس کا سبب تو اللہ تعالیٰ کی علم میں ہے کہ وہ بد اعمالیاں ہیں۔(النمل، آیت: 47)

اور اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط عقیدے کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، چناں چہ "صحیح مسلم" کی ایک روایت میں ہے:

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ بیماری کا متعدی ہونا ہے (زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو شخص بیمار کے ساتھ کھاتا پیتا ہے تو اس کی بیماری اس کو بھی لگ جاتی ہے) اور نہ بدفالی ہے (عرب کی عادت بدشگونی کی تھی، جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں جانب جاتا تو نیک شگون لیتے، اگر وہ بائیں جانب جاتا تو بدشگونی لیتے) اور نہ ہامہ ہے (یہ پرندے کا نام ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا زعم باطل یہ تھا کہ یہ مقتول کی ہڈیوں سے پیدا ہوتا ہے اور فریاد کرتا ہے، میری پیاس بجھادو، یہاں تک کہ اس کا قاتل مارا جائے) اور نہ صفر (ماہ صفر کے بارے میں عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ اس میں حوادث وآفات کا نزول ہوتا ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے)۔

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ اسلام میں ایسے غلط عقائد کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ سب باتیں لغو ہیں۔

ماہ صفر کے بارے میں ایک موضوع حدیث کی حقیقت

"جس نے مجھے ماہِ صفر کے نکلنے کی خوش خبری سنائی میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔"

طرز استدلال اس حدیث سے یوں ہے کہ صفر کا مہینہ نحوستوں کا مہینہ ہے، تب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نکلنے کی خوش خبری سنانے والے کو جنت کی بشارت دیتے ہیں!! لیکن یہ استدلال اور طرزِ استدلال دونوں باطل ہیں، اس لیے کہ جب حدیث ہی موضوع ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے (جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا) تو استدلال کا بطلان تو امر بدیہی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس مہینے سے متعلق مذکورہ حدیث ہو یا دوسری کوئی موضوع حدیث ہو اور اسی طرح ہر وہ موضوع حدیث جو کسی دن یا مہینے سے متعلق ہو، یا کسی بھی موضوع سے متعلق ہو، ہمیں خود بھی اس کو بیان کرنے سے اور اس کے مضمون کے مطابق عقیدہ رکھنے سے بچنا چاہیے اور دوسرے مسلمان جو کم علمی کی وجہ سے اس قسم کے خرافات کے شکار ہیں، انہیں بھی سمجھا کر اس طرح کے عقائد سے توبہ تائب ہونے کی ترغیب دینی چاہیے۔

اور آخر میں بارگاہ لم یزل میں بندہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین متین پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین اسلام کے دشمنوں کی سازشوں اور شرارتوں سے پوری اُمت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

خالد عبدالحلیم

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی زندگی کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کیلئے سب سے اچھا ہو اور میں اپنی بیویوں کیلئے تم میں سے سب سے اچھا ہوں"۔

اس کی عملی تصدیق اس سے ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی ۹ برس تک قائم رہی لیکن اس طویل مدت میں واقعہ ابلاء کے علاوہ کوئی واقعہ باہمی غیر معمولی کشیدگی کے پیش نہیں آیا، ہمیشہ لطف اور محبت اور باہمی ہمدردی اور خلوص کی معاشرت قائم رہی، خصوصاً جب یہ تصور کیا جائے کہ خاندان نبوت کی دنیاوی زندگی کس قدر عسرت اور فقر افلاس سے گزری تھی تو اس لطف ومحبت کی قدر اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

بیوی سے محبت......

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور یہ بات تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی معلوم تھی چنانچہ لوگ قصداً ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی ہوتی اور ازواجِ مطہرات کو اس کا ملال ہوتا لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آمادہ کیا وہ پیام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سخت جگہ جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہوگی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے اتنا ہی کافی تھی کہ وہ چپ چاپ اُٹھ کر واپس چلی گئیں۔ ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں آخر ان لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بیچ میں ڈالا وہ نہایت سنجیدہ تھیں انہوں نے موقع پا کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ''اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں دِق نہ کرو کیونکہ عائشہ علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی''۔

ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف بھاگا تو آپ ﷺ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار اُن کی زبان سے یہ نکل پڑا کہ ''ہائے میری دلہن!''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شوہر سے محبت......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ سے نہ صرف محبت تھی بلکہ شغف اور عشق تھا، اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا چنانچہ باہم ازواج مطہرات میں اس کا بڑا خیال تھا، کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوتیں تو آپ ﷺ کو اپنے پہلو میں نہ پاتی تو بے قرار ہوجاتیں ایک بار ایک شب آنکھ کھلی تو آپ ﷺ نے کو نہ پایا تو اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگیں کیونکہ اس زمانے میں چراغ نہیں ہوتے تھے آخر ایک جگہ آپ ﷺ کا قدم مبارک ملا دیکھا کہ آپ ﷺ سربسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔

ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو شک ہوا کہ شاید آپ ﷺ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں، دیکھا تو آپ ﷺ تسبیح اور تہلیل میں مشغول ہیں اپنے قصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل پڑا کہ ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں''۔

ایک دفعہ شعبان کی رات کو سرورِ دو عالم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نکلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک ہوا کہ آپ ﷺ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں، انہوں نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ ﷺ جنت البقیع میں دعا کر رہے ہیں، وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئیں اور دوڑتی ہوئی حجرے میں واپس آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سانس پھولا ہوا تھا جب آپ ﷺ واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تو مجھ پر شک کرتی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کہ میں آپ جیسے انسان کے بارے میں کیسے شک نہ کروں۔ ایک سفر میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، آپ ﷺ بلا ناغہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتے رہتے تھے تو ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا لاؤ ہم اپنا اپنا اونٹ بدل لیں رات ہوئی تو حسب معمول آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں تو

آپ ﷺ سلام کرکے بیٹھ گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف آوری کی منتظر تھیں جب قافلے نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنے کجاوے سے اتر پڑیں اور دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور بولیں: ''اے خدا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی تو بچھو یا سانپ بھیج جو آکر مجھے ڈس لے''۔ دیکھئے اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

ایک دفعہ کسی بات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے تکرار کر رہی تھیں اتفاق سے اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کیلئے ہاتھ اُٹھایا، آپ ﷺ آڑے آگئے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں کیسا بچایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ ﷺ کا دعوت قبول نہ کرنا......

ایک مرتبہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ ﷺ کی دعوت کی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت ہے تو اس پر پڑوسی نے کہ نہیں آپ نے دوسری دفعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے اس سے تیسری دفعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ جی ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت ہے اس کے بعد آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دعوت پر تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ ایک دفعہ باہر سے تشریف لائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں بہت زیادہ درد تھا، آپ نے فرمایا کہ ہائے میرا سر، اسی وقت آپ ﷺ کی بیماری بھی شروع ہوگئی اور یہی آپ ﷺ کی مرضِ وفات کا سبب بنی، آپ ﷺ بار بار مرض وفات میں دریافت فرمارہے تھے کہ آج کون سا دن ہے لوگ سمجھ گئے کہ آج حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار ہے، چنانچہ آپ ﷺ کو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حجرے میں لے گئے اور آپ ﷺ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات پائی۔

نیز آپ ﷺ کی زندگی انسانی معاشرے کیلئے بہترین نمونہ تھی، اس بنا پر کہ صرف اس تعلیم کیلئے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کیلئے کس طرح کوشش کرنی چاہیے۔

قارئین حضرات! یہ تھی میرے نبی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مختصر مثالی ازدواجی زندگی کہ دنیا بھر میں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی، میری اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام بہنوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی صفات پیدا فرمائے اور اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والا بنائے۔ (آمین ثم آمین)

(حوالہ سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

☆......☆......☆

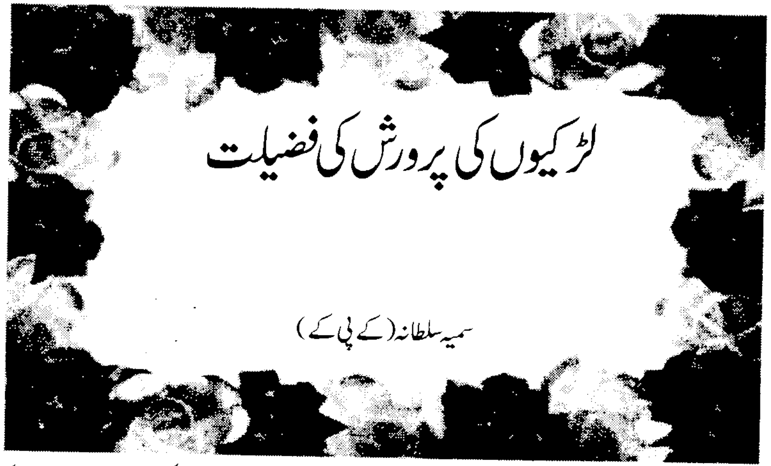

لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت

سمیہ سلطانہ (کے پی کے)

اسلام نے لڑکیوں کی پرورش کو ایک نیک عمل اور مستحسن فعل قرار دے کر اس کو نجات اخروی کا ذریعہ بنایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو قیامت میں اپنی رفاقت اور ہم نشینی کی بشارت دی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اس کا ساتھ (انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہوگا۔"

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں کئی روایتیں نقل کی ہیں کہ جس شخص کے دو یا تین لڑکیاں ہوں اور اس نے ان کی پوری پرورش اور پرداخت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کی پوری پرورش و پرداخت کی تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کروائی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حسن سلوک کے استحقاق میں لڑکے اور لڑکیوں کو برابر قرار دیا، محض لڑکی ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ طرز عمل میں کوئی فرق نہ کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی لڑکی پیدا ہو وہ اس کو زندہ رکھے، اس کی بے توقیری نہ کرے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اس کو خدا جنت میں داخل فرمائے گا۔

جو لڑکی شادی کے بعد بے آسرا ہو جائے، باپ کے علاوہ اس کا کوئی سہارا نہ ہو، اس

کفالت بڑے ثواب کا کام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کہ میں تم کو سب سے بڑا صدقہ نہ بتاؤں؟ سراقہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ! فرمایا، اس لڑکی کی کفالت، جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور اس کے لیے تمہارے سوا کوئی دوسرا کمانے والا نہ ہو۔

قرآن مجید میں عورتوں سے جن چیزوں پر بیعت لینے کا حکم ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ (سورہ ممتحنہ)

اس آیت کے نزول کے بعد جب عورتوں، بلکہ مردوں سے بھی بیعت لیتے تھے، تو اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ (بخاری)

اس سلسلہ میں یہ آیت حرف آخر کا حکم رکھتی ہے کہ قیامت کے ہولناک دن میں جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی؟ (سورہ تکویر) تو اس کے قاتلوں پر کیا گزرے گی اور وہ اس کا کیا جواب دیں گے؟

اولاد کا قتل تو بڑی چیز ہے، اس کی موت کی تمنا بھی جرم ہے، الادب المفرد میں ہے کہ عبداللہ بن عمر کے پاس ایک آدمی تھا، جس کی لڑکیاں تھیں، اس نے ان کی موت کی تمنا کی، ابن عمر بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم ان کو رزق دیتے ہو؟

اولاد کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش کا سب سے پہلا کام رضاعت ہے، اس کی مدت کی تعیین خود کلام مجید نے کر دی تھی۔

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لیے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے اور لڑکے والے (باپ) پر ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے۔" (سورۂ بقرہ: 30)

کھانے کپڑے کی شرط اس لیے لگا دی گئی ہے کہ اگر مدت رضاعت میں شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو بھی اس کا کھانا کپڑا باپ کے ذمے رہے گا، اگر باپ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے تو اس کا کھانا کپڑا بھی باپ کے ذمہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اس لیے اس شرط کی ضرورت ہی نہ تھی، اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد جب تک سن شعور کو پہنچ کر کھانے کمانے کے قابل نہ ہو جائے، ان کی کفالت والد کے ذمہ ہے، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے۔

اولاد کے بارے میں مختلف احکام

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ سب سے افضل دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے اہل و عیال پر صرف کرے اور جس کو جہاد کی سواری میں صرف

کرے اور جس کو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر صرف کرے۔

اس روایت کے ایک راوی ابو قلابہ کہتے ہیں کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس شخص سے بڑا اجر کس کو ہوسکتا ہے جو اپنے صغیر السن بچوں پر صرف کرتا ہے اور اس کے ذریعہ ان کو دوسروں کی احتیاج سے مستغنی کردیتا ہے۔ (ترمذی)

اولاد کو خوش حال چھوڑ جانا اخلاقی فرض ہے، اس لیے ترکہ میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص دولت مند صحابی تھے، ان کے صرف ایک لڑکی تھی، وہ ایک مرتبہ ایسے سخت بیمار پڑے کہ زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس دولت ہے اور میری وارث تنہا ایک لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال کی وصیت کار خیر کے لیے کر جاؤں۔ فرمایا: نہیں! سعد نے عرض کیا: اچھا تو نصف کی وصیت کردوں؟ فرمایا، نہیں! صرف ایک تہائی کی وصیت کرو اور ایک تہائی بھی بہت ہے، اپنے بعد اپنے ورثا کو خوش حال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (بخاری ومسلم)

اولاد کی پرورش کے ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے۔ کلام مجید نے اس کو ایک مختصر اور بلیغ جملہ میں ادا کیا ہے:

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔" (تحریم)

اس سے مقصود ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے بچانا ہے جو آتش دوزخ کی مستحق بناتی ہیں، اس میں اخلاقی تعلیم وتربیت کے سارے پہلو آجاتے ہیں، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا، ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ والد کا اولاد کے لیے سب سے بہتر عطیہ حسن ادب کی تعلیم ہے۔

اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اولاد جو والدین کے لیے بلا اور مصیبت سمجھی جاتی تھی، وہ دل کا ٹکڑا اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔

"اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔" (فرقان:6)

اس بارے میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے، اولاد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے واقعات حدیثوں میں محفوظ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اولادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پاگئی

تھیں، صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا رہ گئی تھیں، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غایت درجہ کی الفت تھی، ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا پیام دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص خطبہ دیا اور فرمایا:

"بنی ہشام علی سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں، میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، البتہ علی میری بیٹی کو طلاق دے کر نکاح کرسکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی۔"

دوسری روایتوں میں اس مخالفت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتا، لیکن خدا قسم! خدا کے رسول کی بیٹی اور اس کے دشمن کی لڑکی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

حضرت فاطمہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے اور انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، جب سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ سے رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ملتے، ان کے صاحب زادوں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب اپنے بعد ایک صغیر السن لڑکی چھوڑ گئی تھیں، اس کا نام امامہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اتنی محبت تھی کہ کبھی کبھی مسجد میں ساتھ لاتے تھے اور گود میں لیے ہوئے نماز پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ امامہ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر لے لیتے۔

☆......☆......☆

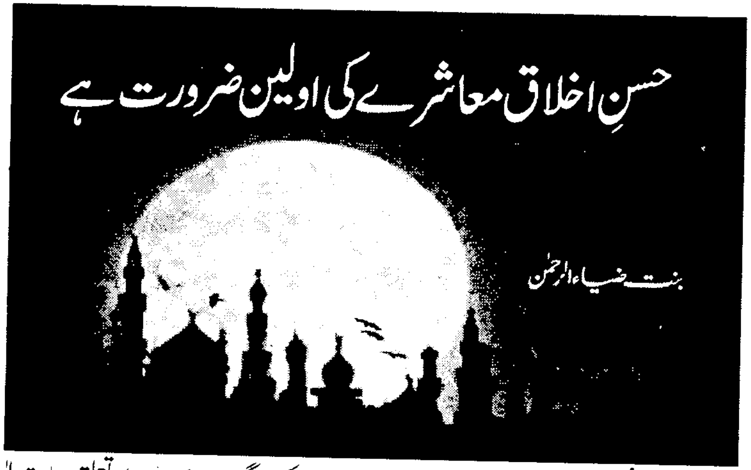

حُسنِ اخلاق:......

یعنی اچھے اخلاق کا سب سے واضح مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اتباع اور پیروی کی جائے جس کو رسول دو عالم بدرِ دو عالم ساقی کوثر شافعِ محشر سرورِ کون، ومکاں وجسم وجاں نے خدا کی طرف سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے یعنی شریعت آداب طریقت اور احوال حقیقت ومعرفت۔

سب سے بلند مرتبہ پر فائز کون ہیں:......؟

جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ:

(وانك لعلى خلق عظيم)

تو آپ کے وہ اخلاق کہاں ہیں جن کو خلق عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن کریم ہے یعنی قرآن کریم میں اچھی خصلتیں اور اعلیٰ اخلاق بیان کئے گئے ہیں خواہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی وغیرہ سے ہو یا مخلوق خدا سے ہو، آپ ﷺ ان سب سے اجتناب فرماتے تھے اور یہی چیز انسانی اخلاق اور کردار کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

حُسنِ اخلاق کی فضیلت:......

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہیں اور مہربانی اور نرمی ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ کے ذریعے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نرمی اور مہربانی کو پسند کرنا خود بندوں کے مفاد اور مصالح کے پیش نظر ہے کہ آپس میں نرمی، مہربانی، محبت اور مروت کے جذبات کو فروغ دینا ایک ایسی خوبی ہے جس کے ذریعے معاشرے کو مطمئن اور پُرسکون اور انسانی زندگی کو مختلف پریشانیوں اور بے چینیوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، چنانچہ جس معاشرے کے افراد

اپنے تمام امور میں ایک دوسرے سے نرم خوئی اور مہربانی اور مروت کا برتاؤ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو سہولت اور آسانی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں اور ان امور اور معاملات کا تعلق خواہ حصولِ معاش جیسے (تجارت، ملازمت اور مزدوری وغیرہ سے) ہو یا اس کے علاوہ معاشرتی زندگی کے کس بھی پہلو سے ہو تو اس معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو فلاح یاب اور بامراد محسوس کرتا ہے اور پورے معاشرے پر حق تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت اور اس کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے چنانچہ ''ویعطی علی الوفق'' کے ذریعے سے نہ صرف یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ اپنے معاملات میں باہمی طور پر نرمی اور اچھا اخلاق اختیار کرو تاکہ حصولِ مقصد کو پہنچ جاؤ بلکہ ساتھ ساتھ اس کو بشارت بھی دی گئی ہے کہ جو لوگ سختی کے بجائے نرمی اور اچھے اخلاق کا رویہ اختیار کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اجرِ وثواب عطا فرماتے ہیں۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں
آپ ﷺ کا اخلاق:......

ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی ہتھیلی سے زادہ نرم کوئی ریشم نہیں دیکھا اور میں نے آپ کے جسم مبارک سے نکلنے والی خوشبو سے زیادہ اچھی کوئی خوشبو نہیں دیکھی اور میں نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی ہے آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ ہی مجھ کسی بات پر ڈانٹا اور جو کام میں نے کیا اس کے بارے میں آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کے اخلاق کا اعلیٰ مقام بیان کیا جارہا ہے کہ دس سال تک کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا سب کے باوجود حضرت انسؓ خود ہی فرماتے ہیں کہ اس طویل عرصہ میں نہ آپ ﷺ نے مجھے جھڑکا اور نہ کبھی ٹوکا یہ حسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی مثال کبھی بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

بقول شاعر:......

خلافِ طبع باتوں سے تغافل کرلیا کرتے
نہ باتوں کو پکڑتے اور نہ شرمندہ کیا کرتے

ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا، لوگ اس آدمی کی طرف دوڑے تاکہ اس کو ماریں اور ڈانٹیں، آپ ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، اس لئے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ دیکھئے اس حدیث میں بھی اعلیٰ اخلاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس طور پر کہ آپ ﷺ نے دیہاتی کو جھڑکنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کی کہ تم دیہاتی کے ساتھ ایسا نہ کرو یہ

بھی حسنِ اخلاق کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

آپ ﷺ مصافحہ اس طرح فرماتے کہ اگر کوئی آپ ﷺ سے مصافحہ کیلئے ہاتھ ملاتا تو اس وقت تک اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ نہیں کرتے تھے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ نکال لے۔

گفتگو میں آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق:......

بات کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک ایک لفظ دبا دبا کر اور وضاحت کے ساتھ فرماتے تھے اور بالکل نرم اور آہستہ آواز میں کلام فرمایا کرتے تھے اور اس وقت تک بات ختم نہیں کرتے تھے جب تک مخاطب کو بات معلوم نہ ہوجائے، یہ ہیں آپ ﷺ کے کے مختصراً اعلیٰ اخلاق۔

حُسنِ اخلاق کی اہمیت:......

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں رکھی جانے والی چیزوں میں سے سب سے زیادہ وزنی چیز حسن خلق ہے اور اللہ تعالیٰ فحش بکنے اور بے ہودگی سے سخت نفرت اور دشمنی رکھتے ہیں، اس لئے انسان کو چاہیے کہ اپنے مقاصد جیسے حصول معاش وغیرہ کی طلب اور جدوجہد میں ایسا رویہ اور انداز اختیار کرے جو نرم خوئی، مہربانی اور ایک دوسرے کے ساتھ لحاظ اور مروت کا ہو کیونکہ انسان کو اس کی مطلوبہ چیز دینے والا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے اور چونکہ نرمی اور مہربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے اس لئے وہ حسن اخلاق کا طریقہ اختیار کرنے والے کو زیادہ عطا کرے گا بنسبت اس شخص کے جو اپنے مقاصد میں سختی والا رویہ اختیار کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اپنے لئے دعا:......

آپ ﷺ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تو نے میرے جسمانی تخلیق کو اچھا بنایا ہے اس طرح میرے اخلاق کو بھی اچھا بنادے۔

دیکھئے اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اپنے لئے حسن اخلاق کی دعا فرمائی ہے باوجود اس کے کہ آپ پہلے ہی اچھے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ترجمہ: البتہ تحقیق تمہارے لئے نبی کریم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے اس کے ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ حسن اخلاق کی دعا مانگا کرتے تھے۔ (پارہ نمبر:۲۱، سورۃ احزاب ایت:۲۱)

آپ ﷺ کی حضرت معاذؓ کو نصیحت

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جن دو باتوں کی نصیحت فرمائی ان میں سے آخری نصیحت جو آپ ﷺ نے مجھے فرمائی وہ یہ تھی کہ اے معاذ لوگوں کی تعلیم اور تربیت کیلئے خوش خلقی اختیار کرنا۔

حضرت علی بن حسینؓ کا حُسنِ اخلاق:......

حضرت علی بن حسینؓ کی ایک باندی ان کو وضو کروا رہی تھی وضو کا برتن باندی کے ہاتھ سے چھوٹ کر علی بن حسینؓ پر گر پڑا اس پر باندی نے

فوراً کہا:

(والکاظمین الغیظ)

ترجمہ: جو مٹانے والے ہیں غصہ کو تو فوراً حضرت علی بن حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر باندی نے کہا:

(والعافین عن الناس)

ترجمہ: اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کردیا، باندی نے کہا:

(واللہ یحب المحسنین)

ترجمہ: اور اللہ پسند فرماتا ہے احسان کرنے والوں کو، اس پر حضرت علی بن حسین نے فرمایا کہ جا باندی میں نے تجھے آزاد کردیا۔ یہ ہے حسنِ اخلاق۔

حُسنِ اخلاق کی چند علامات:......

(۱) وہ جھگڑا کم سے کم کرے گا۔
(۲) وہ انصاف سے کام کرے گا۔
(۳) وہ لوگوں کی غلطیوں کی طرف نہیں دیکھے گا۔
(۴) وہ دوسروں کی برائیوں میں اچھائی کا پہلو طلب کرے گا۔
(۵) وہ معذرت کا طالب گار ہوگا۔
(۶) وہ لوگوں کی تکلیفوں کو برداشت کرے گا۔
(۷) وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے گا۔
(۸) وہ ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی سے پیش آئے گا۔
(۹) وہ ہر ایک سے نرمی سے بات کرے گا۔

قارئین و قاریات:......

ہم غور کریں کہ آپ ﷺ کی زندگی اور ہمارے اس دور کی زندگی پر کہ آپ ﷺ کے دور میں فتنے اور لڑائی جھگڑے بھی بہت تھے پھر بھی وہ بہت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اور موجودہ دور پر بھی نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے اور ہمارے معاشرے میں فساد پھیل رہے ہیں، ہر طرف تباہی اور بربادی ہے، ہر انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہے، ہر طرف مسلمان دوسرے کی محبت کو ترس رہا ہے، بھائی اپنے سگے بھائی کو تھوڑی سی بات کے پیچھے قتل کر ڈالتا ہے، آج اس پرفتن دور میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، آج لوگ انسانوں جیسی نہیں بلکہ حیوانوں جیسی نہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں جبکہ ہمیں اس دور میں حسن اخلاق کی بہت ضرورت ہے جسکی وجہ سے ہمارا آج کا معاشرہ صحیح طریقے پر قائم رہ سکتا ہے اور حسن اخلاق پیدا کرنے سے صحابہ کرامؓ کے دور والی فضا قائم ہوسکتی ہے اور یہ دور جنت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اور آپ سب پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق اپنانے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انداز بیاں اگرچہ پُر شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

☆......☆......☆

ماں تیری عظمت کو سلام

بنتِ ڈاکٹر عبدالقدیر

ماں ایک عظیم ہستی ہے جس کے ساتھ انسانیت کا انوکھا رشتہ وابستہ ہے، ماں کے بغیر زندگی ادھوری ہے، آسمان کا آخری اور بہترین تحفہ ماں ہے، ماں محبت کا عظیم پیکر ہے، ماں کی محبت کبھی دکھاوے کیلئے نہیں ہوتی، سورۃ بنی اسرائیل میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو''۔

حضرت عیسیٰ بن معمر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے اپنی ماں کو اُٹھا رکھا تھا اور اس کے اُٹھانے کیلئے پالکی بنائی ہوئی تھی اور پالکی اس کی پشت پر تھی اور وہ اسی حالت میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

لاحمل امی وھی الحمالة

توضعني الدوة والعلالة

''میں اپنی ماں کو اُٹھا رہا ہوں یہ بھی کبھی مجھے اُٹھاتی تھی، مجھے خالص دودھ پلاتی تھی''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے ماں کی خدمت ملتی تو میں بھی ایسی خدمت کرتا جیسی تو کر رہا ہے، تو مجھے یہ خدمت سُرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس جہاد کی اجازت لینے کیلئے آیا تو اس سے آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے والدین زندہ ہیں؟ اُس شخص نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا انہی کی خدمت کی کوشش کرو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کونسا

عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کونسا عمل؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا، میں نے عرض کیا: پھر کونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، جنت صرف اُسی کو ملتی ہے جو خدمتِ والدین کرے، دنیا میں بھی وہی شخص کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب لیکن افسوس......!! آج والدین کو کچھ نہیں سمجھا جاتا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ وادی میں ایک آدمی ہمارے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ نوجوان ہے اور اس کی جوانی نے مجھے حیران کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسا جوان ہے کاش کہ اس کی جوانی جہاد میں لگتی تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر! شاید کہ یہ اللہ کے راستے میں ہو اور تمہیں پتہ نہ ہو پھر جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جوان تمہارا کوئی ایسا قریبی ہے جس کی تم عیال داری کرتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا: کون ہے؟ تو اُس شخص نے کہا میری ماں۔ فرمایا اس کی خدمت میں لگے رہو کیونکہ اس کے قدموں کے نیچے جنت کا دروازہ ہے اور فرمایا کہ جس نے اپنی ذات کیلئے محنت کی تاکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں سے سوال کرنے سے بچا رکھے تو وہ بھی شہید ہے۔

حضرت مورق عجلی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس خرچے کو جانتے ہو جو جہاد فی سبیل اللہ کے خرچے سے افضل ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا: ''اولاد کا اپنے والدین پر خرچ کرنا جہاد کے خرچ سے افضل ہے۔''

امام زین العابدین کا حسن ادب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ امام زین العابدین اپنی ماں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے، جبکہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ فرماں بردار تھے، ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور ان کی نگاہ کھانے کسی ایسی چیز کی طرف پہلے پڑ جائے اور وہ اُن کو پسند کرے اور مجھے معلوم نہ ہو اور میں اُٹھا کر کھالوں تو اس طرح میں اپنی ماں کا نافرمان ہو جاؤں گا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے کیونکہ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، والدین کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا، والدین کے نافرمان کی طرف اللہ نہیں دیکھیں گے، والدین کی رضا سے جنت کھلتی ہے اور ناراضگی سے جہنم۔

والدین پہ لعنت کرنے والے پر اللہ کی لعنت

ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا مجھے حاجیوں کی اور عمرے والوں کی کثرت بڑی پسند آئی، میں نے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں سے کون مقبول ہیں میں اس کو مبارک دوں اور کون مردود ہے میں اس پر افسوس کروں، جب رات ہوئی تو مجھے خواب میں دکھایا گیا گویا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: ''اے مالک بن دینار! تم نے حاجیوں اور عمرے والوں کے بارے میں فکر کی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو چھوٹوں کو، بڑوں، مردوں اور عورتوں، کالے گوروں، غریبوں عجمیوں سب کو معاف کر دیا سوائے ایک آدمی کے، کیونکہ اللہ اس پر ناراض ہیں اور اس کا حج رد کر دیا ہے اور اس کے منہ پر مار دیا ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا معلوم نہیں میں رات کو کتنی دیر سویا، مجھے ڈر تھا کہ میں وہی آدمی ہوں جب دوسری رات ہوئی تو میں نے خواب میں اسی طرح دیکھا لیکن مجھے کہا گیا تم وہ آدمی نہیں ہو بلکہ وہ خراسان (افغانستان) کے شہر بلخ کا ہے اس کا نام محمد بن ہارون ہے، اللہ اس پر ناراض ہے اور اس کا حج اس پر لوٹا دیا اور اس کو اس کے منہ پر مار دیا، جب صبح ہوئی تو میں افغانستان کے قبیلوں کی طرف آیا اور پوچھا کیا تم میں بلخی ہیں تو انہوں نے کہا ہاں، تو میں ان کے پاس گیا اور ان کو سلام کیا اور کہا کیا تم میں ایسا آدمی ہے جس کا نام محمد بن ہارون ہے انہوں نے کہا ہاں، کیا خوب خوب اے مالک آپ اس آدمی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ خراسان میں اس سے زیادہ عابد اور اس سے زیادہ زاہد اس سے زیادہ ماہرِ دین کوئی نہیں، تو میں لوگوں پر اس کی اچھی تعریف اور اپنے خواب دیکھنے پر حیران ہو رہا تھا تو میں نے ان سے کہا مجھے اس کا پتہ بتاؤ، تو انہوں نے کہا وہ چالیس سال سے روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے ویرانے کو اپنا ٹھکانہ بناتا ہے ہمارا خیال ہے کہ وہ مکہ کے کسی گھرانے سے ہے، پس میں مکہ کے گھرانوں میں ڈھونڈنے لگا اچانک میں نے ایک آدمی کو دیوار کے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا، اس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا اور گردن کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس نے اپنی ہنسلی کی ہڈی میں سوراخ کر رکھا تھا اپنے قدموں کو باندھ رکھا تھا جب کہ وہ رکوع اور سجدہ بھی کرتا تھا پس جب اُس نے میرے قدموں کی کھسکساہٹ سنی تو مڑ کر پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا میں مالک بن دینار۔ اس نے کہا کیا آپ کو میری طرف سے خواب آیا ہے، جو آپ نے دیکھا ہے اس کو میرے سامنے بیان کرو، تو میں نے کہا مجھے خدا سے حیا آتی ہے کہ میں تمہارے سامنے اس کو بیان کروں، اُس نے کہا حیا مت کرو تو میں نے اس کو اس کے سامنے بیان کر دیا پھر وہ کافی دیر روتا رہا اور کہا: ''اے مالک یہ وہ خواب ہے جو میرے لیے چالیس سال سے دکھایا جاتا ہے جس کو ہر سال آپ جیسا زاہد آدمی

دیکھتا ہے، میں دوزخ والوں میں سے ہوں۔ میں نے کہا تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی بڑا گناہ واقع ہوا ہے، اُس نے کہا: ہاں میرا گناہ آسانوں، زمینوں، پہاڑوں، عرش و کرسی سے بھی بڑا ہے۔ میں نے کہا مجھے بتاؤ میں لوگوں کو ڈراؤنگا تا کہ وہ ایسا نہ کریں، اس نے کہا: ''اے مالک میں جوان تھا کثرت سے نشے والی شراب پیتا تھا، میں نے ایک دن ایک دوست کے پاس شراب پی لی حتی کہ مجھے شراب کی مستی ہوئی اور میری عقل زائل ہو گئی، تو میں اپنے گھر میں آ گیا جب میں گھر میں داخل ہوا تو میری والدہ تنور جلا رہی تھی اور تنور کا اندر جل کر سفید ہو چکا تھا، جب میری ماں نے مجھے نشہ سے لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو میری طرف متوجہ ہو کر مجھے نصیحت کرنے لگی اور کہنے لگی: یہ شعبان کا آخری دن ہے اور رمضان کی پہلی رات ہے، صبح کو لوگ روزے کی حالت میں ہوں گے اور تم نشے کی حالت میں تمہیں خدا سے حیا نہیں آتی، تو میں نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اپنی ماں کو تھپڑ مار دیا، تو اس نے کہا تو تباہ ہو جائے پھر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے اس کو نشے کی حالت میں اُٹھا کر اسی تنور میں پھینک دیا جب میری بیوی نے دیکھا تو مجھے اُٹھا کر کمرے میں ڈال دیا اور سامنے کا دروازہ بند کر دیا۔

جب رات کا آخری حصہ ہوا تو میرا نشہ بے اثر ہو گیا، میں اپنی بیوی کو بلاتا تا کہ وہ دروازہ کھولے اُس نے مجھے ایسا جواب دیا جس میں بڑی کڑک اور سختی تھی تو میں نے کہا تو ایسا جواب کیوں دیتی ہے جو میں نے کبھی تجھ سے نہیں سنا، اس نے کہا تو اس کا اہل نہیں تجھ پر رحم کیا جائے، میں نے کہا تو نے ایسا کیوں کہا؟ تو اس نے کہا تو نے اپنی ماں کو قتل کر دیا اور اس کو تنور میں پھینک دیا، وہ جل چکی ہے، جب میں نے یہ سنا تو اپنے آپ سے بے قابو ہو گیا، میں نے اپنے گھر کا دروازہ اکھیڑا اور تنور کی طرف نکلا تو وہ واقعہ جلی ہوئی روٹی کی طرح ہو چکی تھی، تو میں کلہاڑے کی طرف گیا اور اپنا ہاتھ دروازے کی چوکھٹ پر رکھ کر اس کو بائیں ہاتھ سے کاٹ دیا اور اپنی ہنسلی کی ہڈی کے نیچے سے سوراخ کر کے میں نے یہ زنجیر ڈالی اور اپنے پیروں کو ان زنجیروں کے ساتھ باندھ دیا، میری ملکیت میں آٹھ ہزار اشرفیاں تھیں میں نے ان کو سورج چھپنے سے پہلے پہلے صدقہ کر دیا اور چھبیس لونڈیوں کو بھی آزاد کر دیا اور تیئیس غلاموں کو بھی آزاد کر دیا اور اپنا سارا سامان اللہ کی راہ میں وقف کر دیا اور اب میں چالیس سال سے دن کو روزہ رکھتا ہوں اور رات کو عبادت میں مصروف رہتا ہوں م ایک مشت بھر چھولوں پر روزہ افطار کرتا ہوں اور ہر سال بیت اللہ کا حج کرتا ہوں اور ہر سال آپ کی طرح اکا ایک آدمی اس طرح خواب دیکھتا ہے کہ میں دوزخ والوں میں سے ہوں۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا: میں نے اپنے

ہاتھ اپنے منہ کے سامنے جھاڑنے اور کہا: ''اے بدبخت قریب ہے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے تیری آگ کی وجہ سے جل جائیں اور میں اس سے ایسی جگہ چلا گیا کہ اس کی آواز تو سن سکوں لیکن اس کی شکل نہ دیکھ سکوں تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور یہ دُعا کرنے لگا:

''اے غم کو کھولنے والے اور پریشانی کو دور کرنے والے، لاچاروں کی دُعا سننے والے، میں آپ کی رضا کے ساتھ ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ کی معافی کے ساتھ آپ کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں آپ میری اُمید کو نہ توڑیں اور میری دعا کو ناکام نہ لوٹائیں''۔

تو مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر لوٹا، سویا تو نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے مالک! لوگوں کو رحمتِ الٰہی سے نا اُمید نہ کرو اور اس کی معافی سے مایوس نہ کرو اللہ نے ملاء اعلیٰ سے محمد بن ہارون کی طرف جھانک کر دیکھا ہے اور اُس کی دُعا کو سنا ہے اور اس کی لغزش کو معاف کیا ہے، صبح کو اس کے پاس جاؤ اور اس کو کہو اللہ قیامت کے دن پہلوں اور پچھلوں کو جمع کرے گا اور سینگ والی سے بے سینگ والی بکری کیلئے بھی انصاف کرے گا۔ اس کا فیصلہ تیرے خلاف ہوگا اور تیری ماں کے حق میں ہوگا اور وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ تجھے بیڑیاں پہنا کر جہنم کی طرف لے جائیں پس جب تو جہنم کی مصیبت کو دنیا کے تین دن اور راتوں کے برابر دور سے دیکھے گا کیونکہ میں نے اپنے ذات پر قسم کھائی ہے کہ کوئی بندہ میرے بندوں میں سے جو نشہ کی چیز پئے گا اور اس جان کو قتل کرے گا جس کا قتل کرنا میں نے حرام کیا ہے تو میں اس کو جہنم کا مزہ چکھاؤں گا اگرچہ وہ میرا دوست ابراہیم بھی کیوں نہ ہو۔ پھر میں تیری ماں کے دل میں مہربانی ڈالوں گا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالوں گا کہ وہ تجھے مجھ سے مانگ لے تو میں تجھے اُسکو دے دوں گا پھر تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

چنانچہ جب میں نے صبح کی تو اُس کی طرف گیا اور اس کو اپنا یہ خواب سُنایا تو اس کی زندگی ان کنکریوں کی طرح تھی جو پانی کے تھال میں ڈال دی جائے چنانچہ وہ اتنے ہی مختصر وقت میں فوت ہوا اور میں اس جنازہ پڑھنے والوں میں شریک ہوا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پیارے والدین کے فرمانبردار ہوں تاکہ جنت کا ٹکٹ والدین کی خدمت کر کے دنیا میں حاصل کرلیں، اے اللہ! میری ماں کو صحت وتندرستی عطا فرما۔ (آمین)

اور جن کی مائیں نہیں اُن کی ماؤں کے درجات بلند فرما۔ (آمین)

☆......☆......☆

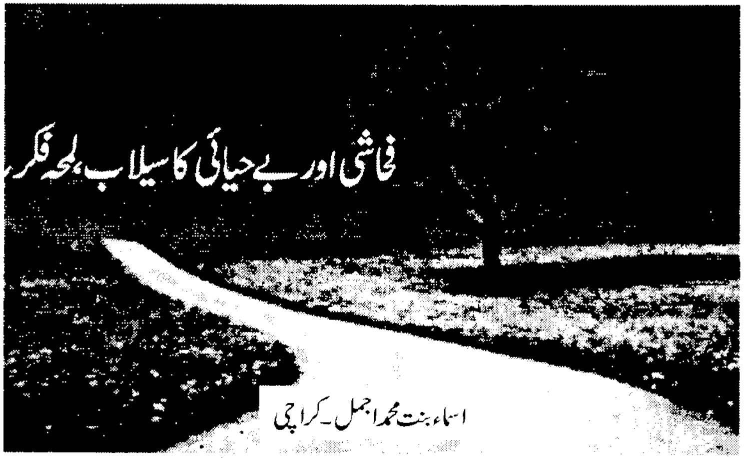

فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب، لمحہ فکریہ

اسماء بنت محمد اجمل۔ کراچی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو علامات بتائی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بہت سے گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب مہذب اور شائستہ ناموں سے کریں گے، شراب نوشی کریں گے، مگر نام بدل دیں گے، سود خوری کریں گے اور اس کو نام کچھ اور دے دیں گے۔ غور کیا جائے تو یہ برائی کی سب سے بدترین صورت ہوتی ہے، کیوں کہ نفس کی غلامی کی راہ ہموار کی جاتی ہے، اسلام جس وقت دنیا میں آیا اس وقت بھی کم وبیش یہی حالت تھی، اہل عرب اپنے کو دین ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے، لیکن پوری طرح شرک میں ملوث تھے۔ جب کوئی انسانی گروہ گناہ کا عادی ہو جاتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ بدی کو نیکی اور برائی کو اچھائی ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، مغربی تہذیب نے آج یہی صورت اختیار کر رکھی ہے، آج بہت سی مسلمہ اخلاقی برائیاں، تہذیب وثقافت کے نام سے رائج ہوگئی ہیں، جو لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہوں، اسے برا جانتے ہوں ان کو تہذیب جدید سے نا آشنا، بنیاد پرست اور انتہا پسند جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ پوری قوت کے ساتھ اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ طوعاً یا کرہاً مغربی ثقافت و تہذیب کو اہل مشرق پر مسلط کر دیا جائے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی "فحاشی" اور بے حیائی کا فتنہ ہے، جو "روشن خیالی" کے نام سے پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا "فحاشی" کی مذمت اور اسے شیطان کا عمل قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، ذوی القربیٰ کے حقوق کی ادائی کا اور منع کرتا ہے فحاشی سے، منکرات سے اور سرکشی

سے''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں: بے حیائی سے، منکر یعنی ناجائز کام سے سرکشی سے۔

فحشاء، ہر اُس برے اور بے حیائی کے کام کو کہا جاتا ہے جس کی برائی انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو اور عقل وفہم اور فطرت سلیمہ کے نزدیک بالکل واضح ہو اور منکر کا اطلاق اُس قول وفعل پر ہوتا ہے جس کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

ترجمہ: شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔[البقرۃ:268]

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

ترجمہ:''جو شیطان کے پیچھے چلے تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور ناجائز کاموں کی تلقین کرے گا۔''

[النور:21]

غور کیا جائے تو لفظ منکر کے تحت فحشاء بھی داخل ہے، اس کے باوجود قرآن کریم کی مختلف آیات میں فحشاء کو الگ اور مستقل ذکر کیا گیا ہے اور دوسری دونوں منہیات سے مقدم فرمایا، اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ فحشاء اور بے حیائی بہت سے منکرات اور معصیتوں کا ذریعہ بنتی ہے، جب کسی معاشرے میں فحشاء کا رواج ہو وہاں بے غیرتی و بے حمیتی عام ہو جاتی ہے، جذبہ دینی ماند پڑ جاتا ہے، اسلام وایمان کے لیے زندہ رہنے کی فکر وقوت کمزور ہو جاتی ہے اور کئی گناہوں اور معصیتوں کی شناعت دل سے اٹھ جاتی ہے۔

دوسری طرف اسلام نے فحشاء کے برعکس حیا کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اسے جزو ایمان قرار دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے''۔[صحیح مسلم، رقم:75]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:''اگر آپ میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کریں۔''[سنن ابی داؤد، رقم:4797]

حیا کے معنی شرم کے ہیں۔ اسلام کی مخصوص اصطلاح میں حیا سے مراد''شرم'' ہے جو کسی امر منکر کی جانب مائل ہونے والا انسان خود اپنی فطرت کے سامنے اور اپنے اللہ کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ یہی حیا وہ قوت ہے جو انسان کو فحشا اور منکر کا اقدام کرنے سے روکتی ہے، اور اگر وہ جبلتِ حیوانی کے غلبے سے کوئی برا فعل کر گزرتا ہے تو یہی چیز اس کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حیا کے اسی چھپے ہوئے مادے کو فطرتِ انسانی کی گہرائیوں سے نکال کر علم وفہم اور شعور کی غذا سے اس کی پرورش کرتی ہے۔

قانون کی نظر میں زنا کا اطلاق صرف جسمانی اتصال پر ہوتا ہے۔ مگر اخلاق کی نظر میں دائرۂ

ازدواج کے باہر صنفِ مقابل کی جانب ہر میلان ارادے اور نیت کے اعتبار سے زنا ہے۔ اجنبی کے حسن سے آنکھ کا لطف لینا، اس کی آواز سے کانوں کا لذت یاب ہونا، اس سے گفتگو کرنے میں زبان کا لوچ کھانا، اس کے کوچے کی خاک چھاننے کے لیے قدموں کا بار بار اٹھنا، یہ سب زنا کے مقدمات اور خود معنوی حیثیت سے زنا ہیں۔ قانون اس زنا کو نہیں پکڑ سکتا۔ یہ دل کا چور ہے اور صرف دل ہی کا کوتوال اس کو گرفتار کرسکتا ہے۔

حدیث نبویؐ اس کی مخبری اس طرح کرتی ہے:

''آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کی زنا نظر ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کی زنا دست درازی ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کی زنا اسی راہ میں چلنا ہے اور زبان کی زنا گفتگو ہے اور دل کی زنا تمنا اور خواہش ہے۔ آخر میں صنفی اعضا یا تو ان سب کی تصدیق کردیتے ہیں یا تکذیب۔''

[مسند احمد]

فاحشی کے معنی:......فاحشی سے مراد ہر وہ عمل ہے جو ناجائز جنسی لذت کے حصول کے لئے کیا جائے یا جس کے ذریعے جنسی اعضاء یا فعل کی اس نیت سے اشاعت کی جائے کہ جنسی اشتہا بھڑکے یا جنسی تسکین حاصل ہو۔

فاحشی کی نوعیت:......اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے رشتے میں ایک عمومی حرمت قائم کی ہے یعنی عورت اور مرد کے آزادانہ جنسی اختلاط پر پابندی لگائی ہے۔ اس پابندی کے دو مقاصد ہیں: ایک تو یہ کہ ایک ایسی سوسائٹی قائم ہو جس کی بنیاد آزادانہ جنسی تعلق کی بجائے نکاح کے اصول پر ہو، تاکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کو فروغ دیا جاسکے۔ اس پابندی کا دوسرا مقصد انسان کو آزمانا ہے کہ کون اپنے نفس کے منہ زور تقاضوں کو لگام دے کر اللہ کی اطاعت وبندگی اختیار کرتا ہے اور کون اپنے نفس کو آلودہ کرکے اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

زنا واغلام بازی تو واضح طور پر ایک فحش عمل ہے؛ البتہ وہ امور جو زنا سے قریب کرنے کا ذریعہ ہوں وہ بھی فاحشی ہی ہیں۔ چنانچہ شرعی اجازت کے بغیر بوس وکنار کرنا، نگاہوں کا جنسی مناظر دیکھنا، کانوں کا بے حیائی کی باتیں یا فحش موسیقی سننا، ہاتھوں کا جنسی لذت حاصل کرنا، زبان کا فحش گوئی میں ملوث ہونا اور دماغ کا فحش سوچوں غلطاں ہونا اسی لحاظ سے فحش فعل کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن میں بڑی فاحشی زنا کو کہا گیا ہے۔

ترجمہ:''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ فاحشی اور برا راستہ ہے۔''[بنی اسرائیل ۱۷:۳۲]

اگر ہم غور کریں یہ نصیحت جس انداز سے کی گئی ہے وہ بلاغت کی جان ہے، یہ نہیں فرمایا کہ تم زنا نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا تم زنا کے قریب نہ جانا، اس طرز ادا نے نہ صرف یہ کہ اس فعل بد سے بچنے کی تاکید

بلکہ اس سے قریب ہوکر گزرنے کی بھی ممانعت کی، اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ جس طرح اس بد کاری سے بچنا شرافت ہے، اس کی تقریب اور تمہید کے کاموں سے بھی بچنا شرافت کا اقتضا ہے، کسی غیر محرم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے یا بے حیائی کے ارادے سے دیکھنا، تنہائی میں ملنا اسکی بات چیت اور آمد و رفت سے ناجائز لطف اٹھانا ایمانی عزت اور اخلاقی شرافت کے سراسر منافی ہے، اسی لئے اسلام نے ان ساری باتوں کو جو بے حیائی اور بدکاری کی تقریب اور تمہید ہیں حرام قرار دیا، مرد وعورت کے ناجائز تعلق و محبت کا پہلا قاصد نظر ہے۔

نفس کا سب سے بڑا چور نگاہ ہے، اس لیے قرآن اور حدیث دونوں سب سے پہلے اس کی گرفت کرتے ہیں۔ اسی لئے رب تعالی نے مرد و عورت کو حکم دیا کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو اپنی نگاہ نیچی رکھیں!

سورۃ نور میں ارشاد ہے:

''اے پیغمبر ایمان والوں سے کہدیں کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں''۔

اور اسی طرح فرمایا سورۃ نور میں:

ترجمہ: ''اور اے پیغمبر ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں''۔

یہاں صرف مردوں کو یا صرف عورتوں سے نہیں کہا بلکہ دونوں کو حکم دیا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے''۔

[شعب الایمان للبیہقی]

مطلب یہ ہے جو کوئی غیر محرم عورت کو دیکھے اس پہ بھی لعنت ہے اور جو قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دے اس پر بھی لعنت فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! اگر غیر محرم پر پہلی نظر اچانک پڑ جائے تو جائز ہے اور دوسری جائز نہیں''۔ مطلب پہلی پڑی اور ہٹالی اس پر گناہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا تعلق اچانک پڑنے کے ساتھ ہے، دوسری جان کے ڈالی اب یہ نظر گناہ ہے۔ [مسند احمد، سنن ابو داود]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرد کا عورت کے محاسن کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے''۔ [ذم الھوی لابن جوزی]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو۔''

[جامع ترمذی]

عورتوں کی ذراسی بے باکی مردوں کو آگے بڑھنے کی جرات دلاتی ہے، اسلئے ان پر شرافت کی چند پابندیاں عائد کی گئیں، مثلاً نگاہ نیچی رکھیں،

پردہ کر کے نکلیں تاکہ انکی زیبائش و آرائش کا ہر نقش راہ چلتوں کی آنکھوں سے اوجھل رہے اور یہ پہچان ہو کہ یہ عزت والی شریف عورت ہے، ان کو چھیڑنا تو درکنار انکی طرف نظر اٹھا کے دیکھنا بھی شریعت کی نظر میں جرم ہے، باہر نکلنے میں خوشبو نہ ملیں، راستے کے کنارے چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بدنگاہی کو اللہ کے لئے اور اللہ کے پاس موجود انعامات کے حاصل کرنے کی امید میں چھوڑ دیا تو اللہ تعالی اسکی وجہ سے اسکو ایسی عبادت نصیب فرمائیں گے جو اسکو اپنی عبادت اور نظر کی پاکیزگی کا مزہ نصیب کرے گی۔''

شیطانِ نفس کا ایک دوسرا ایجنٹ زبان ہے۔ کتنے ہی فتنے ہیں جو زبان کے ذریعے سے پیدا ہوتے اور پھیلتے ہیں۔ مرد اور عورت بات کر رہے ہیں، کوئی برا جذبہ نمایاں نہیں ہے۔ مگر دل کا چھپا ہوا چور آواز میں حلاوت، لہجے میں لگاوٹ، باتوں میں گھلاوٹ پیدا کیے جا رہا ہے۔ قرآن اس چور کو پکڑ لیتا ہے:

ترجمہ: ''اگر تمہارے دل میں اللہ کا خوف ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں (بدنیتی کی) بیماری ہو، وہ تم سے کچھ امیدیں وابستہ کر لے گا۔ بات کرو تو سیدھے سادے طریقے سے کرو (جس طرح انسان انسان سے بات کیا کرتا ہے)'' [الاحزاب:33: 32] یہی دل کا چور ہے جو دوسروں کے جائز ناجائز صنفی تعلقات کا حال بیان کرنے میں بھی مزے لیتا ہے اور سننے میں بھی۔ اسی لطف کی خاطر عاشقانہ غزلیں کہی جاتی ہیں اور عشق و محبت کے افسانے جھوٹ سچ ملا کر جگہ جگہ بیان کیے جاتے ہیں، اور سوسائٹی میں ان کی اشاعت اس طرح ہوتی ہے جیسے پولے پولے آنچ لگتی چلی جائے۔ قرآن اس پر بھی تنبیہ کرتا ہے: ''جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔''

[النور:19:24]

فتنۂ زبان کے اور بھی بہت سے شعبے ہیں اور ہر شعبے میں دل کا ایک نہ ایک چور اپنا کام کرتا ہے۔ اسلام نے ان سب کا سراغ لگایا ہے اور ان سے خبردار کیا ہے۔ عورت کو اجازت نہیں کہ اپنے شوہر سے دوسری عورتوں کی کیفیات بیان کرے:

''عورت عورت سے خلا ملا نہ کرے، ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی کیفیت اپنے شوہر سے اسی طرح بیان کردے کہ گویا وہ خود اس کو دیکھ رہا ہے۔''

[ترمذی]

عورت اور مرد دونوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے پوشیدہ ازدواجی معاملات کا حال دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کریں، کیونکہ اس سے بھی فحش کی اشاعت ہوتی ہے اور دلوں میں

شوق پیدا ہوتا ہے۔

ستر کے باب میں اسلام نے انسانی شرم وحیا کی جس قدر صحیح اور مکمل نفسیاتی تعبیر کی ہے اس کا جواب دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں پایا جاتا۔ آج دنیا کی مہذب ترین قوموں کا بھی یہ حال ہے کہ ان کے مردوں اور عورتوں کو اپنے جسم کا کوئی حصہ کھول دینے میں باک نہیں۔ ان کے ہاں لباس محض زینت کے لیے ہے، ستر کے لیے نہیں ہے۔ مگر اسلام کی نگاہ میں زینت سے زیادہ ستر کی اہمیت ہے۔ وہ عورت اور مرد دونوں کو جسم کے وہ تمام حصے چھپانے کا حکم دیتا ہے جن میں ایک دوسرے کے لیے صنفی کشش پائی جاتی ہے۔ عریانی ایک ایسی ناشائستگی ہے جس کو اسلامی حیا کسی حال میں بھی برداشت نہیں کرتی۔

جذبہ نمائشِ حسن بھی اس فتنہ نظر کی ایک شاخ ہے جو عورت کے دل میں یہ خواہش پیدا کرتا ہے کہ اس کا حسن دیکھا جائے۔ یہ خواہش ہمیشہ جلی اور نمایاں ہی نہیں ہوتی، دل کے پردوں میں کہیں نہ کہیں نمائشِ حسن کا جذبہ چھپا ہوا ہوتا ہے، اور وہی لباس کی زینت میں، بالوں کی آرائش میں، باریک اور شوخ کپڑوں کے انتخاب میں اور ایسے ایسے خفیف جزئیات تک میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ قرآن نے ان سب کے لیے ایک جامع اصطلاح ''تبرج جاہلیت'' استعمال کی ہے۔ ہر وہ زینت اور ہر وہ آرائش جس کا مقصد شوہر کے سوا دوسروں کے لیے لذتِ نظر بنتا ہو، تبرج جاہلیت کی تعریف میں آجاتی ہے۔ اگر برقع بھی اس غرض کے لیے خوب صورت اور خوش رنگ انتخاب کیا جائے کہ نگاہیں اس سے لذت یاب ہوں تو یہ بھی 'تبرج جاہلیت'' ہے۔ اس کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کا تعلق عورت کے اپنے ضمیر سے ہے۔ اس کو خود ہی اپنے دل کا حساب لینا چاہیے کہ اس میں کہیں یہ ناپاک جذبہ تو چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ اس حکمِ خداوندی کی مخاطب ہے کہ ''اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں جس بناؤ سنگار کی نمائش کرتی پھرتی تھیں، وہ اب نہ کرو''۔ [الاحزاب: 33:33]

جو آرائش ہر بری نیت سے پاک ہو وہ اسلام کی آرائش ہے، اور جس میں ذرہ برابر بھی بری نیت شامل ہو وہ جاہلیت کی آرائش ہے۔ اسلام کی نگاہ میں وہ لباس درحقیقت لباس ہی نہیں ہے جس میں سے بدن جھلکے اور ستر نمایاں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں اور دوسروں کو رجھائیں اور خود دوسروں پر ریجھیں اور بختی اونٹ کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں، وہ جنت میں ہرگز نہ ہوں گی اور نہ اس کی بو پائیں گی۔''

ہم نے صرف چند مثالیں اس غرض سے پیش کی ہیں کہ ان سے اسلام کے معیارِ اخلاق اور اس

کی اخلاقی اسپرٹ کا اندازہ ہو جائے۔ اسلام سوسائٹی کے ماحول اور اس کی فضا کو فحشا و منکر کی تمام تحریکات سے پاک کر دینا چاہتا ہے۔ ان تحریکات کا سرچشمہ انسان کے باطن میں ہے۔ فحشا و منکر کے جراثیم وہیں پرورش پاتے ہیں اور وہیں سے ان چھوٹی چھوٹی تحریکات کی ابتدا ہوتی ہے جو آگے چل کر فساد کی موجب بنتی ہیں۔ جاہل انسان ان کو خفیف سمجھ کر نظرانداز کر دیتا ہے، مگر حکیم کی نگاہ میں دراصل وہی اخلاق و تمدن و معاشرت کو تباہ کر دینے والی خطرناک بیماریوں کی جڑ ہیں، لہٰذا اسلام کی تعلیم اخلاق باطن ہی میں حیا کا اتنا زبردست احساس پیدا کر دینا چاہتی ہے کہ انسان خود اپنے نفس کا احتساب کرتا رہے اور برائی کی جانب ادنیٰ سے ادنیٰ میلان بھی اگر پایا جائے تو اس کو محسوس کر کے وہ آپ ہی اپنی قوتِ ارادی سے اس کا استیصال کر دے۔

فطری طور پر مردوں میں عورتوں کے لئے رغبت رکھی گئی ہے۔ جب وہ بے پردہ عورت کا عریاں جسم دیکھتا ہے تو شہوت و رغبت کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف لپکتا ہے۔ آج کل کے اخبارات اس بات پر گواہ ہیں کہ کس طرح مرد بے پردہ سالی، بھابی، ہمسائی اور اجنبی عورت کے ساتھ برے کام میں ملوث ہوتے ہیں۔

پردہ حکم ربی ہے، جب تک پردہ ہوتا ہے گھر امن سکون اور حیا کا پیکر ہوتا ہے۔ جو قوم ان متین اوصاف سے محروم ہو جائے وہ پریشانیوں میں گھر جاتی ہے۔ عورتوں اور مردوں کا میل جول، رشتہ دار مرد خواتین کا گھر بلا روک ٹوک آنا جانا، عام رشتے داروں کے گھر قیام کرنا...... سخت نقصان دہ ہے۔ اس کا اثر آئندہ نسلوں پر بھی پڑتا ہے اور میں نے اس میل جول کی وجہ سے عورتوں کو غیر مردوں کی طرف مائل ہوتے دیکھا۔ مغربی معاشرے میں طلاق کی کثرت، زنا اور فحاشی کی بڑی وجہ فطرت اور اسلامی اصولوں پر عدم عمل درآمد ہے، اگر ہم ان اصولوں پر عمل کریں تو ہماری زندگیوں میں انقلاب آسکتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے نبی محمد ﷺ نے اس کا سختی سے حکم دیا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات میں یہ بھی کہنا چاہتی ہوں، وہ یہ ہے کہ جس طرح آج کل کی عورتوں اور لڑکیوں کو نوجوان مردوں اور لڑکوں کی اخلاقی گراوٹ کی شکایت ہے، اسی طرح مردوں کو بھی آج کل کی بنی سنوری اور حسن و جوانی کا مظاہرہ کرنے والی لڑکیوں کی رَوِش پر شدید اعتراض ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں میں زیبائش حسن کا شوق تو پرانا ہے، لیکن اس زمانے میں زیبائش حسن کے ساتھ آرائش حسن کا جو نیا شوق پیدا ہو گیا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں بازاروں میں، پارکوں میں، تماشہ گاہوں میں عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھتی ہوں کہ وہ سولہ سنگھار کر کے نکلتی ہیں۔ برقعہ تو اوڑھے ہوئے ہوتی ہیں مگر چاند سا مکھڑا اس کالی

بدلی میں سے چمکتا رہتا ہے اور جو لڑکیاں بے پردہ ہوتی ہیں، ان کا تو کچھ کہنا ہی نہیں وہ ایسا چست لباس پہنتی ہیں کہ جسم کے تمام پوشیدہ اعضاء اُبھر کر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ حسن کی یہ دلخراش داستان سنانے کے بعد آپ تجربہ کار ہیں، زمانہ شناس ہیں، میں پوچھتی ہوں کہ آخر بازاروں میں اور عام گذرگاہوں پر اس نمائش حسن کا کیا مطلب ہے۔ اگر یہ نمائش حسن گھروں کے اندر اور اپنے شوہروں تک محدود رہتی تو شاید کسی کو بھی اعتراض نہ ہوتا، لیکن غیروں کو اور اجنبی راہ گیروں کو دعوت حسن دینے کے آخر کیا معنی ہیں۔ یہ غلط طریقہ کار کیا اس بات کو صاف طور پر ظاہر نہیں کر رہا کہ ہمارے ملک کی ایسی لڑکیاں گمراہی کی طرف جا رہی ہیں۔ (میں سب لڑکیوں کی بات نہیں کر رہی، آج بھی الحمدللہ بہت سی نیک اور شریف بہنیں اور بیٹیاں موجود ہیں) اگر ان کو اس غلط روش سے نہ روکا گیا تو کسی لمحے بھی ان کے قدموں کو لغزش ہو سکتی ہے۔ سرِ راہ لڑکیوں کو چھیڑنے کی جو وبا بڑھ رہی ہے وہ اسی نمائشی حسن کا ردعمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا ضروری مسئلہ جس پر سب بہنوں اور بھائیوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعی اگر کوئی شادی شدہ لڑکی اپنے شوہر کے لئے سنگھار کرتی ہے تو کوئی عیب نہیں لیکن اگر وہ بازاروں میں نمائش حسن کرتی پھرتی ہے تو اس کے نیک چلن ہونے پر بھی بجا طور پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر کنواری لڑکیوں کا ضرورت سے زیادہ سنگھار کرنا اور بن ٹھن کر نکلنا اور بھی زیادہ معیوب ہے۔

اصل بات جس پر عمل کی ضرورت ہے:……
اگر نوجوان سرراہ لڑکیوں کو چھیڑتے ہیں تو واقعی یہ بڑی مذموم حرکت ہے اور اگر لڑکیاں سرراہ بن سنور کر نکلتی ہیں اور وہ آزادانہ مردوں کو اور ملک کے نوجوانوں کو دعوت حسن دیتی ہیں تو یہ بھی ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ دونوں ہی شکایتیں اپنی اپنی جگہ دُرست ہیں۔

قارئین کرام! ہمارے معاشرے میں بے پردگی کا رواج عام ہے۔ اکثر مرد اپنی بیویوں کو دوستوں کے سامنے لاکر بٹھا دیتے ہیں۔ بیوی ان کے لئے چائے لا رہی ہے، کبھی کھانا لا رہی ہے، ایسے بے غیرت مرد اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں اور بعض تو اپنی بیوی کی خوبصورتی دکھا کر اپنے دوستوں میں تعریف کرتے ہیں۔ وقتی طور پر ایک دوسرے کو بھائی بہن بنا لیتے ہیں۔ بھابھی دیور بن جاتے ہیں۔

دیکھئے جناب! پیٹرول کے نزدیک اگر آگ آجائے تو پیٹرول کی فطرت ہے کہ وہ بھڑک اُٹھے اور جل جائے۔ آگ جب بھی پیٹرول کے نزدیک آئے گی پیٹرول لازماً جلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ پیٹرول کی ٹنکیوں پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں سگریٹ

پینا منع ہے اور آگ اس جگہ سے دُور رہے۔ اب اگر آگ چولھے سے نکل کر خود بخود چل کر پیٹرول پمپ کے نزدیک آجائے اور پیٹرول بھڑک اور جل اُٹھے تو کیا پیٹرول سے پوچھیں گے کہ اے پیٹرول بتاؤ تم کیوں بھڑک اُٹھے؟ پیٹرول سے ایسا سوال لایعنی ہوگا۔ سوال تو آگ سے ہوگا کہ تم چولہے سے نکل کر پیٹرول کے پاس کیوں آئیں اور کیوں پیٹرول کو بھڑک اُٹھنے کا موقعہ دیا؟

اگر ایک تنگ راستے پر دو طرفہ ٹریفک چل رہی ہو تو گاڑیوں کے ٹکرانے کی شرح بہت زیادہ ہوگی، اگر ایک طرفہ ٹریفک چلے تو شرح بہت کم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی جگہ مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا ہے تو ان کے گناہ میں ملوث ہونے کی شرح بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اگر پردے کی پابندی لگا کر مردوں اور عورتوں کو الگ الگ کر دِیا جائے تو پھر گناہ میں ملوث ہونے کی شرح بہت کم ہو جائے گی۔ شریعت نے اسی اصول کے تحت مسلمان مردوں اور عورتوں کو آزادانہ اختلاط سے مکمل اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ دوسرے الفاظ میں اگر بانسری بجنے کو ختم کرنا ہے تو اس میں استعمال ہونے والے بانس کی پیداوار کو روکنا پڑے گا یعنی احتیاطی تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ جو کام نہ کرنا ہو اس کے موقع ہی سے بچنا چاہیے، جب بھی گاڑیاں آمنے سامنے آئیں گی تو ایک نہ ایک دن ضرور ٹکرائیں گی۔ اسی طرح جب بھی غیر محرم کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملے گا تو ایک نہ ایک دن ملاپ ہو ہی جائے گا۔ دو ماہر ڈرائیور بھی ذرا سی غفلت کریں تو ایکسیڈنٹ کر بیٹھتے ہیں اسی طرح اگر نیک لوگ پردے میں بے احتیاطی کریں تو گناہ کے مرتکب ہو بیٹھتے ہیں۔

اگر گناہ کا موقع ملتا رہے گا تو ایک نہ ایک دن ارتکاب ہو ہی جائے گا، لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ گناہ کے موقع سے ہی بچا جائے تا کہ ملوث ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اگر کسی جگہ مردوں عورتوں کو مخلوط محفلیں منعقد ہوتی رہیں گی تو گناہ کی صورتیں بھی سامنے آتی رہیں گی۔

احتیاط شرمندگی سے بہتر ہے:…… اگر کسی کام میں شرمندگی اور ندامت اٹھانے کا خطرہ ہو تو اس کام میں بہت احتیاط برتنی چاہیے۔ اسی طرح عزت و ناموس کی حفاظت کرنی ہو تو مخلوط محفلوں میں جانے سے گریز کرنا چاہیے۔ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نہ تو عورت کو بے حجاب مردوں کے سامنے آنا چاہیے اور نہ ہی مخلوط محفلوں کی زینت بننا چاہیے۔ اسی میں عزت و ناموس کی حفاظت ہے اور یہی شریعت کا حکم بھی ہے۔

☆……☆……☆

عظمتوں کے مینار

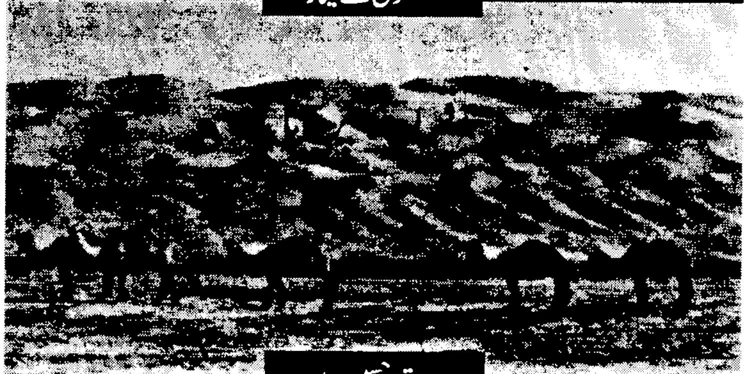

صداقت حسین ساجد

'یمن' کا ایک علاقہ ہے، جس کا نام 'قرن' ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک بار اس علاقے میں کھدائی ہوئی، تو وہاں سے ایک گائے کا سینگ نکلا۔ اسی وجہ سے اس کا نام 'قرن' رکھا گیا۔ سینگ کو عربی میں قرن کہا جاتا ہے۔

اس بستی میں دوسرے قبائل کی طرح ایک اور قبیلہ بھی آباد تھا، جس کا نام 'مراد' تھا۔ یہ قبیلہ ماضی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیروکار تھا۔ اسی قبیلے کے ایک شخص 'عامر دارد' کے ہاں 594ء میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام 'اویس' رکھا گیا۔ یہی بچہ بعد میں اویس قرنی کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کی والدہ کا نام 'بدار' تھا۔ ان کے سلسلہ نسب کے بارے میں تاریخ آج تک الجھن کا شکار ہے۔ کچھ ذرائع کے مطابق سلسلہ نسب یہ ہے:

'اویس بن عامر بن خبرو بن مالک ابن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن دودان بن ناجیہ بن مراد بن مالک مذحجی۔'

ان کے ابتدائی حالات اور بچپن کے بارے میں بھی تاریخ خاموش ہے، لیکن اتنا پتا چلتا ہے کہ ان کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ ان کا قد درمیانہ تھا۔ گندمی رنگت، قدرے لاغر جسم، ڈاڑھی گھنی، بال لمبے اور سیاہ نیلگوں آنکھیں تھیں۔ ان کی پیشانی روشن اور ٹھوڑی پیشانی کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔ دونوں کندھوں کے درمیان میں فاصلہ قدرے زیادہ تھا، لیکن اس سے ان کی شخصیت میں بدنمائی کا تاثر نہیں ابھرتا تھا، بل کہ ایک طرح سے باوقار خوب صورتی کا تاثر پیدا ہوتا تھا۔

جب مکہ مکرمہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا، تو اس وقت اویس قرنی جوان تھے۔ اسلام کی کرنیں مکہ سے باہر نکلیں، تو ہوتے ہوتے یمن تک جا پہنچیں اور قبیلہ مراد بھی اس روشنی کی زد میں آ گیا۔ پھر اویس قرنی کا گھرانہ اس روشنی سے

محروم کیوں رہتا۔ پہل کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔

اویس قرنی کا ذریعہ روزگار اونٹ چرانا تھا۔ ان دنوں یمن میں بھیڑیے اونٹوں پر حملہ کرتے رہتے تھے اور انھیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے، لیکن یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تھا کہ ان کے اونٹوں کی طرف بھیڑے آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اجرت پر اونٹوں کے علاوہ بھیڑ بکریاں بھی چراتے تھے۔ اس سے ملنے والا معاوضہ اپنی ضعیف اور نابینا والدہ کی خدمت پر خرچ کرتے تھے۔ باقی جو بچتا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ جانور چرانے کے علاوہ وہ راستوں میں بکھری ہوئی کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے انھیں فروخت کرتے اور اس رقم سے کھجوریں خریدا کرتے تھے۔ اپنی ضروریات سے بچنے والا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیتے تھے۔ انھیں مال وجاہ کی بالکل پروا نہیں تھی۔ جنگل کے پاس ہی ایک کچا سا مکان تھا، جس میں ان کی رہائش تھی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ غربت کو پسند کرتے تھے، اسی لیے انھوں نے کبھی زیادہ کی ہوس نہیں کی۔

ان کے دو ہی پسندیدہ کام تھے۔ والدہ کی خدمت اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت۔

ان کا حال ایسا ہوتا تھا کہ لوگ انھیں پاگل سمجھتے تھے، اس لیے انھیں طنز و تشنیع کا ہدف بناتے تھے۔ انھیں پتھروں سے مارا کرتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول وہ انھیں پتھر مار رہے تھے کہ اویس قرنی رکے اور ان سے کہا۔

''بھائیو! مجھے بڑے پتھر نہ مارا کرو۔''

یہ سن کر وہ قہقہے لگاتے ہوئے کہنے لگے۔

''لگتا ہے، تم ڈر گئے ہو۔''

''یہ بات نہیں ہے......''

''پھر کیا بات ہے؟''

''اگر آپ لوگوں کو اس سے خوشی ملتی ہے، تو یہ کام جاری رکھیے...... اصل میں بڑے پتھروں سے زخم لگ جاتا ہے اور خون بہنے سے میرا وضو قائم نہیں رہتا۔''

یہ سن کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہے، شاید اپنے فعل پر شرم سار ہوئے ہوں، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بلند آواز میں قہقہے لگانے لگے۔

اویس قرنی انھیں ان کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

وہ گھر کے پاس پہنچے ہی تھے کہ انھوں نے ایک ہنگامہ دیکھا۔ وہ آگے بڑھے، تو پتا چلا کہ ایک لڑکے پر مخالف قبیلے کے لڑکے پتھر برسا رہے تھے۔ انھوں نے اس بچے کو ان ظالموں کے شکنجے سے چھڑایا اور وجہ پوچھی، تو وہ بچہ کہنے لگا۔

''میرا نام سلیم ہے...... میرے ابو فوت ہو چکے ہیں...... ہم غریب ہیں، اس لیے ان امیروں کے غصے کا نشانہ بن رہے ہیں۔''

''ایسا نہیں ہے...... ہمارے مذہب میں امیر

غریب، اعلیٰ ادنیٰ، حاکم محکوم اور شاہ و گدا میں کوئی فرق نہیں...... میرے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ کرو اور نہ ہی ظلم برداشت کرو...... مظلوم نا جائز ظلم برداشت کر کے ظالم کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔''

پھر وہ اسے گھر لے گئے۔ گھر کیا تھا، ایک مسافر کی کٹیا معلوم ہوتی تھی۔ چھوٹے سے صحن میں ایک چھوٹا سا کنواں تھا۔ ایک چھوٹا سا برآمدہ اور ایک ٹوٹا پھوٹا کمرا ان کی مفلوک الحالی بیان کر رہا تھا۔ انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق سلیم کی خدمت کی۔ بدار کو پتا چلا، تو وہ بھی بہت خوش ہوئیں۔

کچھ دیر کے بعد اویس قرنی کہیں چلے گئے، تو سلیم نے بدار سے ان کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے بتایا۔

''وہ چھت پر گیا ہے...... بلال حبشی کی اذان کا وقت ہونے والا ہے۔''

یہ سن کر سلیم دھک سے رہ گیا۔

''ہیں ں ں ں...... لیکن بلال تو یثرب میں ہے...... یہاں ان کی آواز کیسے سنی جا سکتی ہے؟''

''اویس کو نبی مکرم ﷺ سے بے حد عشق ہے بیٹا! وہ اپنی روح کی بصارت سے ان کا چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا، اٹھنا بیٹھنا دیکھ لیتا ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''عشق انھی معجزات کا ہی تو نام ہے بیٹا! اور اگر یہ عشق حقیقی ہو، تو عام انسانی ذہن اس کی گہرائی اور وسعت تک کسی صورت رسائی حاصل نہیں کر سکتا...... اویس اپنے عشق میں اس مقام تک پہنچ چکا ہے کہ وہ نبی مکرم ﷺ کی خوش بو مبارک کو محسوس کرتا ہے۔''

''اویس نے کبھی انھیں دیکھا ہے؟''

''نہیں...... وہ کبھی یمن سے باہر نہیں گیا۔''

''پھر بھی یہ محبت...... یہ عشق، لیکن وہ ان سے ملنے کیوں نہیں جاتے؟''

''صرف میری وجہ سے...... وہ اپنی ضعیف اور بیمار والدہ کو تنہا نہیں چھوڑ کر جانا چاہتا۔''

اویس قرنی ان سب باتوں سے بے نیاز شمال کی طرف رُخ کیے کھڑے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کیے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس صحابی کی پرسوز آواز اور عشق نبی ﷺ میں ڈوبی ہوئی آواز سن رہے تھے، جس کی خوش قسمتی پر وہ ہمیشہ ہی رشک کرتے تھے۔

جب بھی کوئی تاجر یثرب سے یمن آتا، تو اویس اس سے ملتے اور وہاں کی ایک ایک بات جاننے کی کوشش کرتے۔ ان کا بس چلتا، تو وہ تاجر کی آنکھوں میں بسے ان نظاروں کو اپنی آنکھوں میں بسا لیتے۔ بہرحال وہ اپنی سی کوشش ضرور کرتے اور یوں ان کا عشق اور بلندی پر پہنچ جاتا۔

ایک دن جب اویس اپنی والدہ کو کھانا کھلا کر فارغ ہوئے، تو بدار نے ان سے کہا۔

''بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ اب تم شادی کر لو۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن شادی کے معاملے میں مجھے چند تحفظات ہیں۔''

''وہ کیا؟''

''ہمارا طرزِ زندگی بہت سادہ ہے...... نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیا ایک سرائے ہے اور یہاں ایسے ہی رہائش رکھو، جیسے تم ایک مسافر ہو...... مجھے دنیا کی چیزوں سے کوئی رغبت نہیں ہے...... میں تو روکھی سوکھی کھا کر بس اپنے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنا چاہتا ہوں...... اس کے احکامات کی پابندی کرنا چاہتا ہوں...... اپنے نبی مکرم ﷺ کی پیروی کرنا میری زندگی کا مقصد ہے...... مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی لڑکی مجھ سے نباہ نہیں کر پائے گی۔''

اصل میں ان کی زندگی درویشی، قناعت و توکل کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ خستہ حال اور پرانے مکان میں رہائش رکھنے کے سبب لوگ ان سے ملتے جلتے نہیں تھے۔ اویس اپنا زیادہ وقت جنگل میں ہی گزارا کرتے تھے۔ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں میں سے چیتھڑے اٹھا کر انھیں مکمل طور پر پاک صاف کرتے اور یہی چیتھڑے پہنا کرتے تھے۔

ان کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک پاجامہ اور اونٹ کے بالوں کا ایک کمبل موجود تھا۔ دنیاداری سے انھیں بالکل بھی محبت نہیں تھی۔ رات کے وقت جو سامان ان کے پاس بچ جاتا تھا، اسے صبح ہوتے ہی خیرات کر دیا کرتے تھے۔ اپنے آس پاس کسی بھی بھوکے پیاسے کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے خوف زدہ رہتے تھے۔

''شادی تو سنتِ رسول ﷺ ہے، کیا یہ سنت چھوڑ دو گے؟''

''ہرگز نہیں...... میں سنت سے روگردانی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا...... اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو میں یہ سنت ضرور ادا کروں گا۔''

اتنا کہہ کر انھوں نے اپنی ماں کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آج پھر رات گزارنے جنگل جا رہے ہو؟''

''جی ہاں!''

اتنا کہہ کر وہ جنگل کی طرف چلے گئے۔

ان کے بچپن کی طرح شادی کے بارے میں بھی تاریخ خاموش ہے۔ ان کی اولاد کا بھی ذکر نہیں ملتا۔ مستند مورخین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس حوالے سے تاریخ میں کچھ موجود نہیں ہے۔

مجاہدات اور ریاضتوں میں وہ لاثانی تھے۔ اکثر عبادات میں مشغول رہتے۔ وہ پوری رات قیام میں بسر کر دیتے تھے۔ دوسری رات رکوع میں اور تیسری رات سجدے میں گزار دیتے تھے۔

جسمانی طور پر وہ کمزور اور لاغر تھے۔ آس پاس کے لوگ ان کی اس ریاضت پر اکثر حیرت اور استہزا سے ایک ہی سوال پوچھتے۔

''ایسی جسمانی حالت میں اتنی طویل راتیں ایک ہی حالت میں کیسے گزار لیتے ہو؟''

''کہاں طویل راتیں ہیں؟ میری شدید خواہش ہے کہ کاش ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی، جس میں ایک سجدہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ زاری کرنے کا موقع مل جاتا، لیکن افسوس! یہ اتنی چھوٹی ہیں کہ میں ایک ہی بار 'سبحان ربی الاعلیٰ' کہہ پاتا ہوں اور سورج طلوع ہو جاتا ہے۔''

اویس قرنی لوگوں سے ملنے جلنے سے بچتے تھے۔ ہر وقت عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبے رہتے۔ نام و نمود سے سخت نفرت تھی، اس لیے لوگوں سے کم ہی ملا کرتے تھے۔ ان کی انہی عادتوں کی وجہ سے لوگ انھیں مغرور کہا کرتے تھے، کچھ کا خیال تھا کہ یہ ریاکار ہیں، لیکن اویس قرنی پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے عشقِ رسول ﷺ میں اتنی طاقت تھی کہ انھیں ایسی باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔

عشقِ مصطفی ﷺ کے کس درجے پر وہ تھے، اس بات کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ کفر اور اسلام کا دوسرا معرکہ احد کے میدان میں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں نبی مکرم ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ درے پر مقرر کر کے تاکید فرمائی کہ فتح یا شکست دونوں صورتوں میں وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ جب جنگ چھڑی، تو مسلمانوں نے اس قدر جوش سے حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنے لگے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سمجھے کہ انھیں فتح ہو گئی ہے اور دشمن یہاں سے بھاگ چکا ہے۔ مسلمان مجاہدین نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر درے پر موجود پچاس تیر انداز بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے، حالاں کہ ان کے امیر نے انھیں بار بار نبی مکرم ﷺ کا فرمان یاد دلایا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، جب تک نبی مکرم ﷺ خود نہیں فرمائیں گے تب تک یہاں سے ہلنا نہیں، لیکن ان تیر اندازوں نے توجہ نہ دی۔

اس وقت تک حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ولید مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس غزوے میں وہ ایک دستے کے سالار کی حیثیت سے مسلمانوں سے جنگ کر رہے تھے۔ جب وہ واپس پلٹ رہے تھے، تو ان کی نظر اس درے پر پڑی اور اسے خالی دیکھ کر انھیں ایک منصوبہ سوجھ گیا، جس پر انھوں نے فوراً عمل کر ڈالا۔ انھوں نے درہ خالی دیکھ کر مسلمانوں پر پوری قوت سے دھاوا بول ڈالا۔ تیر اندازوں کے امیر تنہا ان کا کب تک اور کیسے مقابلہ کرتے، وہ جلد ہی شہید ہو گئے۔ اس گھمسان کی جنگ میں نبی مکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ ساتھ میں اس جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں نہ نکلا۔

جب اس بات کا علم اویس قرنی کو ہوا، تو وہ مضطرب ہو گئے۔ انھیں اتنا دکھ اور صدمہ پہنچا کہ بے اختیار رونے لگے۔ پھر انھوں نے نبی مکرم ﷺ کی محبت میں اپنا ایک دانت توڑ ڈالا۔ پھر

انھیں خیال آیا کہ شاید نبی مکرم ﷺ کا دوسرا دانت مبارک شہید ہوا ہو، تو انھوں نے دوسرا دانت بھی توڑ ڈالا۔ اس طرح انھوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ ایسا کرنے سے انھیں کچھ سکون ملا اور ان کی بے چینی میں کمی واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا کچھ ایسی پسند آئی کہ کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے دانت دوبارہ نکل آئے۔

اس رات بھی وہ ہمیشہ کی طرح عبادت میں مشغول رہے۔ صبح نمازِ فجر وغیرہ ادا کر کے جب وہ گھر لوٹنے لگے، تو راستے میں ان کے ایک رشتے دار نے انھیں روک لیا۔

''اویس! تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو...... اس دنیا میں ملنے والی نعمتوں کی قدر کرو اور خوشیاں حاصل کرو۔''

''ان وقتی خوشیوں اور لذتوں کے لیے میں آخرت کی سزا کیوں بھگتوں؟ صبح اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور شام اس کی حمد و ثنا میں گزرتی ہے، اس کے علاوہ مجھے اور کیا چاہیے...... اس زندگی میں اگلے لمحے کی کوئی ضمانت نہیں ہے...... موت اور اس کی یاد کوئی خوشی یاد رہنے نہیں دیتی...... ایک مسلمان کے دل میں مال و جائیداد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔''

''تم لوگوں کے انہی عقائد نے زندگی کو بے حد مشکل بنا ڈالا ہے...... شاہی مذہب میں آ جاؤ...... سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی...... ورنہ انہی چیتھڑوں اور غربت میں وقت سے پہلے ہی بے موت مر جاؤ گے۔''

''موت کا ایک وقت متعین ہے اور کوئی بھی مسلمان دنیاوی مال و دولت اور عہدے کے لیے اسلام ترک نہیں کرے گا...... ہماری زندگی، موت، روزگار، خوشی، غم محبت، نفرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے وابستہ ہیں۔''

اتنا کہہ کر اویس قرنی آگے بڑھ گئے اور ان کا وہ رشتے دار حیرت سے انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

ایک دن اویس قرنی بکریاں چرانے کے لیے گئے اور وہاں ریوڑ کو چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ انھیں عبادت کرتے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک لڑکی کی چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ایک کتے کے بھونکنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ کتا اس لڑکی کا پیچھا کر رہا تھا اور لڑکی اپنے آپ کو بچانے کے لیے بھاگ رہی تھی۔ جب وہ پاس پہنچے، تو اویس قرنی نے سلام پھیرا اور چند لمحے کتے کو دیکھتے رہے۔ کتا ایک دم ٹھٹکا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اویس قرنی ایک بار پھر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بندے نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ اویس قرنی کی عبادت میں لگن دیکھنے لگی۔ اس کے لیے تو یہ سب کچھ حیرت کا سبب ہی تھا۔ کچھ دیر کے بعد اویس قرنی نے ایک برتن اٹھایا اور ایک بکری کا دودھ دوہنے لگے۔

''میرا نام سلمیٰ ہے۔'' لڑکی نے انھیں مخاطب

کیا۔ ’’میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟‘‘

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہے۔

’’اگر آپ چاہیں، تو میں آپ کے جانوروں کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں...... اس کے علاوہ مجھے ان کا دودھ دوہنے اور اسے بازار لے جا کر فروخت کرنے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔‘‘

اب بھی خاموشی تھی۔ یہ دیکھ کر سلمیٰ کو غصہ آ گیا۔ اس نے اپنی بے عزتی محسوس کی اور تلخ لہجے میں بولی۔

’’میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ تمھیں یہ بھی پتا نہیں ہے کہ عورتوں سے کیسا برتاؤ کیا جاتا ہے......‘‘

’’میں نے تمھیں کتے سے اس لیے نہیں بچایا کہ میں اپنے نفس کا غلام ہو جاؤں...... انسان کا نفس کتے سے ہزار ہا گنا زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔‘‘

اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھے اور دودھ کا پیالہ اسے تھما دیا۔

’’اے نیک انسان! تم نے میری جان بچائی ...... مجھ پر احسان کیا ہے...... میں اس کے بدلے میں تمھارے کام آنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’اگر تم واقعی میرے کام آنا چاہتی ہو، تو یہاں سے چلی جاؤ۔‘‘

’’کیا...... میں یہاں سے چلی جاؤں ...... تمھیں تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔‘‘

اس بار بھی اسے حیرت کا جھٹکا لگا، کیوں کہ اویس قرنی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے عبادت شروع کر دی تھی۔ اب وہ کیا کرتی، دودھ پیا اور اپنی راہ لی۔

ایران کا حکمران خسرو پرویز ایک مغرور انسان تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب کفارِ مکہ کی طرف سے وقتی سکون ملا، تو اس وقت نبی مکرم ﷺ نے خطوط کے ذریعے سے مختلف ممالک کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ خسرو یہ پیغام پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا، اس نے نبی مکرم ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا اور اپنے ایلچی یمن کی طرف روانہ کر دیے۔

خسرو نے عدن، صنعاء اور یمن کے علاقوں کے لیے ’باذان‘ نامی گورنر مقرر کر رکھا تھا۔ یہ ایک ظالم اور جابر انسان تھا۔ ایلچی اس کے دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے خسرو کا پیغام اسے دیا۔

’’یثرب (مدینہ) میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اسی حیثیت میں خداوند خسرو کو ایک گستاخانہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر اسلام لاؤ گے، تو سلامت رہو گے...... اگر تم نے روگردانی کی، تو تم پر رعایا کا بھی گناہ ہوگا...... شاہ ایران اس جسارت پر بے حد برہم ہیں اور اہل یثرب کو اس کی پوری پوری سزا دینا چاہتے ہیں۔‘‘

یہ سن کر باذان نے حاکم یمن کے ساتھ مشورہ کیا، تو اس نے تجویز دی کہ ہمیں بھی اسلام قبول کر لینا چاہیے، کیوں کہ حالات و واقعات اس بات کی

نشان دہی کر رہے ہیں کہ یہ ایک سچا مذہب ہے اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ سچائی کو پھیلنے سے دنیا کی کوئی طاقت روک پائی ہے نہ روک پائے گی۔ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں بھی کافی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ باذان نہ مانا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ایلچی عرب بھیجے جائیں اور حضرت محمد ﷺ سے خسرو کے نام لکھے گئے خط کا جواب طلب کیا جائے۔

چند دن کے بعد دو ایلچی بابویہ اور خسرو یثرب کی طرف بھیج دیے گئے۔ اس بات کا علم اویس قرنی کو بھی ہو گیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اب یمن میں انقلاب آئے گا اور یہ انقلاب انسانیت کے لیے سود مند ہوگا، کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ نبی مکرم ﷺ کی زیارت ان ایلچیوں کی زندگیوں کو بدل ڈالے۔

جب وہ یثرب میں داخل ہوئے، تو انھیں ایک عجیب سی بے چینی نے آ گھیرا۔ یثرب کے بازار خالی پڑے تھے، لیکن دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ انھیں پتا چلا کہ سب نماز پڑھنے گئے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے لیے یہ سب کچھ حیرت کا باعث تھا۔ انھوں نے ایک آدمی سے وجہ پوچھی، تو اس نے کہا۔

’’یہاں چوری کا کوئی خطرہ نہیں ہے، کیوں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے...... یوں کسی میں چوری کرنے کی ہمت نہیں۔‘‘

وہاں بابویہ کی ملاقات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے بھی ہوئی، جن کا تعلق ایران سے تھا، وہی ایران جس کا شہنشاہ خسرو پرویز تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنے آبا و اجداد کے دین سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ نبی مکرم ﷺ کی زیارت نے بابویہ کے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ بے اختیار اسلام قبول کر کے فلاح پا گیا۔

خسرو اس کی اس تبدیلی سے پریشان ہو گیا۔ اس نے بابویہ کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ آخر وہ واپس چل پڑے۔ ان کے پاس نبی مکرم ﷺ کا نامہ مبارک تھا، جو آپ ﷺ نے باذان کے خط کے جواب میں انھیں دیا تھا۔ راستے میں ڈاکوؤں کا ایک گروہ ایک خیموں والی بستی کے باسیوں پر ظلم و ستم کر رہا تھا۔ یہ دونوں آگے بڑھے اور انھیں بچانے کی کوشش میں ڈاکوؤں سے الجھ بیٹھے۔ ڈاکو ان کے آگے ٹھہر نہ سکے، لیکن جاتے جاتے بابویہ کو گہرا زخم لگا گئے۔ بابویہ نے خسرو کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا۔

’’باذان کو کہہ دینا کہ ڈاکوؤں کے ساتھ مقابلے میں بابویہ کام آ گیا تھا۔‘‘

اب خسرو کیا کرتا۔ اس نے بڑی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا۔ اس کا یہی کہنا تھا کہ اب اس کا جینا مرنا یہیں ہے۔ بابویہ ان خیمے والوں کے پاس رہا اور بعد میں اس کا زخم ٹھیک ہو گیا تھا۔

جب خسرو تنہا باذان کے دربار میں پہنچا اور اسے بابویہ کے بارے میں علم ہوا، تو اس کا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا۔ پھر خسرو نے اسے نبی مکرم ﷺ کا نامہ مبارک دیا۔ اس نے کھولا، تو لکھا تھا۔

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

محمد الرسول اللہ ﷺ کی طرف سے گورنر یمن باذان کے نام۔

شہنشاہ ایران خسرو پرویز، دس جمادی الاول ..... منگل کے دن اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوگیا ہے۔"

یہ سنتے ہی باذان ایک بار پھر غضب ناک ہوگیا۔ حاکم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر اس نے سمجھنے کے بجائے ایک چال چلی۔

یمن میں مسلمانوں کی بستیوں پر باذان کے حکم سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے گئے۔ مسلمانوں کو قید کیا جانے لگا۔ ان کے مال وجائیداد تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اس سب سے باذان کا مقصد یہ تھا کہ نبی مکرم ﷺ یہ ظلم وستم دیکھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں پر حملہ کریں گے، تو ہم انھیں شکست دے دیں گے۔ باذان نے حکم دیا۔

"محمد (ﷺ) کے دین کو ماننے والے اس ملک میں رہنے کے حق دار نہیں ہیں...... اگر جان اور مال کی امان چاہتے ہیں، تو انھیں گورنر یمن اور خداوند خسرو پرویز کی اطاعت قبول کرنا ہوگی۔"

جب سب مسلمان قید کر دیے گئے، تو تب بھی باذان کو چین نہیں ملا تھا۔ اس نے پتا کیا، تو اس کے علم میں یہ بات آئی کہ ایک مجذوب ابھی تک اس کے ہتھے نہیں چڑھا ہے اور وہ مجذوب کوئی اور نہیں، اویس قرنی ہیں۔

جلد ہی باذان کے حکم کی تعمیل میں اویس قرنی کو جنگل سے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ انھیں خطرہ تھا کہ عبادت کی آڑ میں انھوں نے کہیں باغیوں کو پناہ نہ دے رکھی ہو۔

اس کے بعد ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کو قید و بند اور ایذا رسانی کے تکلیف دہ مراحل سے گزارا گیا۔ قید میں بھی انھیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، لیکن آفرین ہے ان مسلمانوں پر کہ وہ ثابت قدم رہے اور ان کے پایہ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔

باذان کے حکم پر مسلمان قیدیوں کی حالتِ زار سے نبی مکرم ﷺ کو آگاہ کرنے کے لیے ایک ایلچی روانہ کر دیا گیا۔

باذان حیران تھا کہ اب تک یثرب کی طرف سے ان پر حملہ کیوں نہیں کیا گیا۔ وہ تو اسی انتظار میں تھا۔ ایک دن اس نے اپنے حاکم سے نبی مکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا، تو اس نے بتایا کہ نبی مکرم ﷺ ایک سچے، ایمان دار، معاملہ فہم اور زیرک انسان ہیں۔ قریش مکہ نے انھیں اسلام کی تبلیغ سے روکنے کی پوری پوری کوشش کی، ہر طرح کی

پیش کشیں کیں، لیکن آپ ﷺ اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ قریش نے دو سال ان ﷺ کا بائیکاٹ کیے رکھا، لیکن آپ ﷺ ہر مشکل میں کامیاب رہے۔ یہ جان کر باذان کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ جادوگر ہیں۔

ایک دن باذان اپنے خادم خاص کے ساتھ قید خانے میں گیا، تو دیکھا کہ کچھ مسلمان نماز ادا کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ان پر کوڑے برسائے جائیں۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی، تو ایک کے سوا سب کی توجہ نماز سے ہٹ گئی۔ یہ اویس قرنی تھے۔ ان کا جسم لہولہان ہوگیا، لیکن وہ ثابت قدم رہے۔

یہ دیکھ کر باذان نے حکم دیا کہ اس شخص کو دربار میں پیش کیا جائے۔ وہ اویس قرنی کی استقامت سے گھبرا گیا تھا اور اب اسے سمجھ آ رہی تھی کہ بابویہ مسلمان کیوں ہوگیا تھا۔ اب باذان کے دماغ سے بھی جہالت کے پردے ہٹ رہے تھے، لیکن ہٹ دھرمی ابھی بھی اسے اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھی۔

باذان کے دربار میں اویس قرنی کو پیش کیا گیا، تو وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ باذان بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ قید خانے اور راستے میں اویس قرنی کی نمازیں اور دعائیں اس کے لیے خاصی حیرت کا سبب تھیں۔

"قید میں تو یہ سب عبادت تمھارے کسی کام نہیں آئی؟" اس نے غرور بھرے لہجے میں اویس قرنی کو مخاطب کیا۔

"عبادت کبھی بے فائدہ نہیں ہوتی اور میرے آقا ﷺ نے اللہ کی رضا کے لیے عبادت کا حکم دیا ہے۔"

"تمھارے آقا نے ابھی تک یمن پر چڑھائی کیوں نہیں کی؟"

"نبی مکرم ﷺ ہر کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے ہر عمل میں بہترین حکمت چھپی ہوتی ہے، جس کا ہمیں اس وقت اندازہ نہیں ہوتا۔"

یہ کہتے ہوئے اویس قرنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر باذان بولا۔

"لگتا ہے کہ اب تم خوف زدہ ہو گئے ہو۔"

"یہ آنسو تو اس لیے نکلے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کے دیدار کے لیے تڑپ رہا ہوں...... ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے۔"

"اچھا! یہ بتاؤ...... تمھارے نبی نے دعویٰ کیا تھا کہ خداوند خسرو پرویز قتل ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک کسی ایرانی قاصد نے اس طرح کے کسی واقعے کی اطلاع نہیں دی۔"

"میرے آقا ﷺ کا فرمان کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور جھوٹا شخص نبی نہیں ہوسکتا۔"

"ٹھیک ہے...... اگر قاصد نے اس خبر کی تصدیق کر دی، تو میں تم سب مسلمانوں کو رہا کر دوں گا...... ورنہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔"

اسی وقت ایک خادم کے ساتھ تین اجنبی دربار میں داخل ہوئے۔ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں اور چہرے سوجے ہوئے تھے۔ مخصوص پرچم کے ساتھ سیاہ ماتمی لباس دیکھ کر باذان اور حاکم یمن کو کسی اندوہ ناک حادثے کا احساس ہوا۔ پھر اسی وقت ان اجنبیوں میں سے ایک نے روتے ہوئے کہا۔

''شاہِ ایران خسرو پرویز گذشتہ منگل اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوگئے ہیں...... تخت پر قبضہ کرنے کے بعد شیرویہ نے رعایا پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہیں۔''

''محمد (ﷺ) کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی...... اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔'' حاکم یمن نے کہا۔

باذان کی حالت تو ایسے تھی، جیسے کاٹو تو، بدن میں لہو نہیں۔ اس کی نظریں تو مفلوک الحال چرواہے اویس قرنی پر لگی ہوئی تھیں اور اس کا دل بے اختیار گواہی دینے لگا کہ نبی مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

اب باذان نے دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا۔ اس کے مسلمان ہوتے ہی یمن میں مسلمانوں کی تکالیف کا دور ختم ہوگیا اور خوش حالی کا دور شروع ہوگیا۔ اس نے فوراً ہی سب مسلمانوں کو رہا کردیا اور ان کے مال و اسباب کا ازالہ بھی کردیا۔

رہا ہوتے ہی اویس قرنی کے دل میں ایک بار پھر برسوں سے مچلتی خواہش میں تیزی آ گئی۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ نبی مکرم ﷺ کا دیدار کرنے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں اور صحابی ہونے کا شرف حاصل کریں۔ ان کی ماں بے شک نابینا تھیں، لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کی تڑپ کو محسوس کرلیا تھا۔ انھوں نے کہا۔

''تم ضرور جاؤ اور نبی مکرم ﷺ کی زیارت کرو...... میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بھی یہی ہے...... یوں مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوجائے گا۔''

یہ سن کر اویس قرنی حیران رہ گئے اور بولے۔

''آپ کو یہ شرف کیسے حاصل ہوگا؟''

''میں تمھاری بینائی سے دیکھ لوں گی......''

''لیکن امی جان! میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔''

''میں تنہا تو نہیں ہوں...... سلیم قیس اور سلمیٰ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

یہ سن کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ انھوں نے اپنی والدہ کی ضروریات کا بندوبست کیا اور پھر سفر کی تیاری کرلی۔ جب وہ ماں کو ملنے لگے، تو انھوں نے ان کے ماتھے کا بوسہ لیا اور کہا۔

''تمھیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا......''

''وہ کیا امی جان!''

''مدینہ میں صرف آٹھ پہر قیام کرنا اور پھر واپس لوٹ آنا...... اپنی بوڑھی ماں کو زیادہ انتظار نہ

کرانا۔''

''آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔''

وہ وعدہ کر کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

یمن سے مدینہ کا سیکڑوں میل کا سفر بہت دشوار گزار تھا۔ جلتے ہوئے صحراؤں کو پیدل عبور کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا، لیکن جس دل میں نبی مکرم ﷺ کا عشق موجزن ہو، اس کے لیے یہ بات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس دشوار گزار سفر نے بھی ان کا جوش کم نہ کیا۔ وہ صرف نماز ادا کرنے کے لیے ٹھہرتے تھے، پھر چل پڑتے تھے۔

مختلف قافلوں کے ساتھ سفر کرتے جب وہ مدینہ پہنچے، تو سورج نے ان کی جلد کو جھلسا دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کا اصل رنگ کہیں کھو گیا تھا۔ مدینہ میں گھومتے پھرتے اور نبی مکرم ﷺ کے بارے میں پوچھتے پاچھتے وہ آخر کار حجرہ مبارک تک پہنچ ہی گئے۔ جذبات نے ان پر ایک دم سے ہلہ بول دیا تھا۔ انھوں نے ہمت کر کے دستک دی، تو اندر سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

''نبی مکرم ﷺ کہیں گئے ہوئے ہیں اور ان کی واپسی کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے ڈھ سے گئے۔ ان کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ رگیں پھٹنے لگی تھیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں اتنا ہی کہہ پائے۔

''میرے آقا ﷺ جب واپس تشریف لائیں، تو ان کی خدمتِ اقدس میں میرا مؤدبانہ سلام عرض کردیجیے گا۔''

''اگر آپ مناسب سمجھیں، تو مسجدِ نبوی میں بیٹھ جائیں اور انتظار کرلیجیے۔''

''میں نے گھر سے چلتے ہوئے اپنی والدہ محترمہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ میں آٹھ پہر سے زیادہ نہیں ٹھہروں گا...... پہلے عشق نبھانے کے لیے آیا تھا...... اب وعدہ پورا کرنے کے لیے لوٹنا ضروری ہے۔''

مایوسی سے لوٹتے ہوئے ان کے قدم بوجھل تھے۔ اگر ماں سے کیے ہوئے وعدے کا پاس نہ ہوتا، تو شاید یہاں سے جانا کبھی پسند نہ کرتے، لیکن انھیں پتا تھا کہ ان کی بوڑھی نابینا ماں ان کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ حسرتِ ناکام کے ساتھ مدینہ کے گلی کوچوں اور مسجدِ نبوی ﷺ میں نبی مکرم ﷺ کی خوش بو کو اپنے اندر سموتے ہوئے واپس چل پڑے۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سمندر تھا، جو چھلکے جا رہا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی ان کے قدم گھر کی طرف جا رہے تھے۔

انھیں مدینہ سے نکلے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نبی مکرم ﷺ گھر تشریف لائے، تو انھیں ﷺ کو ایک نور اور خوش بو محسوس ہونے لگی۔ نبی مکرم ﷺ نے حجرہ مبارک میں داخل ہو کر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا۔

''یہ کیسا نور ہے...... کیا کوئی مہمان آیا تھا؟''

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یمن سے ایک شخص آپ ﷺ سے ملنے آیا تھا...... اس کا حلیہ چرواہوں جیسا تھا...... جب اسے آپ ﷺ کی غیر موجودگی کا علم ہوا، تو اسی وقت واپس لوٹ گیا۔''

''کیا تم جانتی ہو، وہ کون تھا؟'' نبی مکرم ﷺ کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔''

''وہ اویس قرنی تھا...... اس کی ماں بہت بوڑھی اور نابینا ہے...... یہ وہ آدمی ہے، جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کچھ بھی محبوب نہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔''

یہ سن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان سے رشک محسوس ہوا، پھر فرمایا۔

''وہ شخص کتنا بلند مرتبہ ہوگا، جس کے زہد و تقویٰ، محبت اور عبادات کے معترف اللہ اور اس کے رسول ﷺ بھی ہیں۔''

گھر واپسی پر اویس قرنی کی کم گوئی، زہد و تقویٰ اور گریہ زاری میں مزید اضافہ ہوگیا۔

ایک دن کوڑے کے ڈھیر سے پھٹے پرانے کپڑوں کے چیتھڑے تلاش کر رہے تھے کہ ایک کتا ان پر بھونکنے لگا۔ آپ اس کتے سے مخاطب ہو کر بولے۔

''کیوں بھونکتا ہے؟ جو کچھ تمھارے پاس ہے، تم کھاؤ...... جو کچھ میرے پاس ہے، میں کھاؤں گا...... اگر میں پل صراط سے خیریت سے گزر گیا، تو پھر میں تم سے بہتر ہوں...... ورنہ تم سے بھی بدتر ہوں۔''

عبادات اور جنگل میں رات گزارنے کے ساتھ ساتھ اپنی والدہ کی خدمت کا معمول بھی دل و جان سے جاری تھا۔ یمن میں باذان کے مسلمان ہونے کے ساتھ جہاں یمن میں امن و امان کا ماحول پیدا ہوگیا تھا، وہیں حجازِ مقدس میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

۸ ھجری میں نبی مکرم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے مکہ فتح کر کے پورے عرب میں اپنا لوہا منوالیا تھا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا گیا۔ یوں حق غالب آگیا اور باطل مٹ گیا، کیوں کہ باطل مٹنے کے لیے ہی ہے۔

معاملات کی درستی، دوسری ریاستوں کو اسلام کی دعوت دینے اور حج کی ادائی کے بعد آخر کار وہ وقت آن ہی پہنچا، جب نبی مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ اویس قرنی کے دکھ اور کرب کی کوئی حد نہ تھی۔ آپ ﷺ کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد ان کی والدہ بدار نے بھی رختِ سفر باندھ لیا۔ اب مدینہ جانے سے اویس قرنی کو روکنے کا سبب باقی نہیں رہا تھا، لیکن مدینہ جانے کی وجہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔

اب اویس قرنی کی زندگی صرف ذکرِ الٰہی کے لیے وقف ہوگئی۔ وہ اپنی باقی زندگی تنہائی اور گوشہ

نشینی میں بسر کرنا چاہتے تھے، لیکن انھیں اس حقیقت کا کچھ علم نہیں تھا کہ ان کی رگوں میں دوڑتا عشقِ رسول ﷺ عرش پر مقبولیت حاصل کر چکا ہے اور جلد ہی کبار صحابہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت، خلوص اور عشق کی طویل مسافت کی داستان سن کر ان کی تلاش کا سلسلہ جاری کر دیں گے۔

نبی مکرم ﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ ہے کہ ''جب لوگ جنت میں جا رہے ہوں گے، تو اویس قرنی بھی ساتھ ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اویس کو روک لو، باقیوں کو جانے دو۔ اس وقت اویس قرنی پریشان ہو جائیں گے اور کہیں گے۔

''اے اللہ! تو نے مجھے دروازے پر کیوں روک لیا؟''

یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ''پیچھے دیکھو۔''

جب وہ پیچھے دیکھیں گے، تو ان کے پیچھے کروڑوں اربوں کی تعداد میں جہنمی کھڑے ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''اویس! تیری ایک نیکی نے مجھے بہت خوش کیا ہے...... ماں کی خدمت...... تو اپنی انگلی کا اشارہ کر...... جدھر جدھر تیری انگلی پھرتی جائے گی، میں تیری وجہ سے انھیں جنت میں داخل کر دوں گا۔''

نبی مکرم ﷺ کا جب آخری وقت آیا، تو اپنے صحابہ کرام کو وصیت فرمائی۔

''میرا یہ کرتا اویس قرنی کے پاس لے جانا اور امت کے لیے دعا کرانا، کیوں کہ اویس کی دعا میری امت کے لیے قبول ہوگی۔''

نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک صحابہ کرام کو رشک میں مبتلا کر گیا۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اویس قرنی کیا ہیں، جن کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے، لیکن اویس قرنی کی تلاش کوئی آسان کام نہ تھا۔ کافی تلاش بسیار کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طریقہ اپنایا، لیکن کامیابی پھر بھی کئی سال کے بعد نصیب ہوئی۔

حج کا موقعہ آیا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ کے بعد فرمایا۔

''تم میں سے یمنی کون کون ہیں؟''

چند افراد کھڑے ہوگئے۔ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''تم میں سے قرن کا باشندہ کون ہے؟''

ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا، تو آپ نے اس سے اویس قرنی کے بارے میں پوچھا، تو اس نے جواب دیا۔

''اے امیر المومنین! وہ میرا بھتیجا ہے...... اس کا مرتبہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اس کے بارے میں دریافت فرمائیں۔''

''اس بات کو چھوڑو...... یہ ہمیں پتا ہے کہ اس کا کیا مرتبہ ہے...... تم اس کے بارے میں مزید بتاؤ۔''

''وہ آبادیوں میں رہائش اختیار کرنے سے

گریز کرتا ہے...... خوشی اور غم سے بے نیاز ہے...... دن کو اونٹ چراتا ہے اور رات کو خشک روٹی یا کھجور کھا لیتا ہے...... بچے اسے ستاتے ہیں اور بڑے اس سے نفرت کرتے ہیں...... جب لوگ ہنستے ہیں، تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں، تو وہ ہنستا ہے...... وہ ایک دیوانہ اور پاگل شخص ہے۔‘‘

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا۔

’’مجھے اسی شخص کی تلاش ہے...... میں نے اکثر نبی مکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس شخص کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امت مسلمہ کے گناہ گاروں میں سے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑ بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر بخش دے گا۔‘‘

یاد رہے کہ بنو ربیعہ اور بنو مضر ایسے قبائل تھے کہ ان کے پاس کثیر تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں۔ وہ مویشی اپنے بالوں کی کثرت کی وجہ سے عرب میں مشہور تھے۔

اویس قرنی کا سراغ ملتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیا اور کرتا مبارک کی امانت ان کے سپرد کرنے کے لیے چل دیے۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ وہ اس وقت ’وادی عرنہ‘ میں موجود ہیں اور وہاں اونٹ چرا رہے ہیں۔

دونوں حضرات جب وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ اویس قرنی ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو دونوں حضرات نے ان سے ان کا نام وغیرہ پوچھا۔

’’میں شتربان ہوں اور قوم کا مزدور ہوں۔‘‘

’’آپ کا نام کیا ہے؟‘‘

’’عبداللہ!‘‘

’’بے شک...... ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے...... آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام کیا رکھا تھا؟‘‘ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔

’’اویس۔‘‘

دونوں نے مزید یقین کے لیے ان کے جسم پر موجود برص کا نشان دیکھا اور پھر انھیں نبی مکرم ﷺ کی وصیت کے بارے میں بتایا۔ یہ سنتے ہی اویس قرنی زار و قطار رونے لگے۔ یہ مقام و مرتبہ ان کے وہم و گمان میں بھی کہاں ہوگا۔

کرتہ مبارک لے کر وہ ایک طرف بڑھے اور اسے اپنے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گئے۔ وہ گڑگڑا کر عرض کرنے لگے۔

’’یا اللہ! تیرے محبوب ﷺ کا کرتہ مبارک میں اس وقت نہیں پہنوں گا، جب تک تو امت مسلمہ کو بخش نہ دے۔‘‘

وہ سجدے میں سر جھکائے اسی دعا میں مصروف تھے، جسم ساکن تھا اور توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھی۔ جب کافی دیر تک ان کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ

ہوئی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا کہ کہیں وہ انتقال نہ کر گئے ہوں۔

وہ اویس قرنی کے پاس گئے اور انھیں ہلایا۔

اویس قرنی سجدے سے اٹھے اور فرمایا۔

’’اگر آپ تشریف نہ لاتے، تو میں اس وقت تک اپنا سر سجدے سے نہ اٹھاتا، جب تک مجھے امتِ مسلمہ کی بخشش کی خوش خبری نہ مل جاتی۔‘‘

یہ سن کر دونوں حضرات بہت متاثر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو اتنا اثر ہوا کہ آپ خلافت چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔ وہ بے اختیار بولے۔

’’کیا کوئی ایسا شخص ہے، جو مجھ سے روٹی کے ایک ٹکڑے کے بدلے میں خلافت خرید لے۔‘‘

’’امیر المومنین! ایسا سودا تو کوئی بے وقوف ہی کر سکتا ہے...... آپ کو خلافت فروخت کرنے کے بجائے اٹھا کر پھینک دینی چاہیے...... پھر جس کا دل کرے، وہ اٹھا لے۔‘‘

گفتگو کے دوران میں جب دونوں نے اویس قرنی کو ان کے بارے میں نبی مکرم ﷺ کے ارشادات کے بارے میں بتایا، تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے۔

’’میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ نبی مکرم ﷺ میرا ذکر فرمایا کرتے تھے۔‘‘

’’جی ہاں! نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر شخص ایک ہے، جس کا نام اویس ہے...... اس کا تعلق قبیلہ مراد سے ہے...... اس کی ماں بوڑھی ہے...... اس کے جسم پر برص کے نشانات ہیں، جو اب مٹ چکے ہیں...... صرف ایک نشان موجود ہے، جو ایک درہم کی جسامت کا ہے...... وہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کرتا ہے...... جب وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے پوری فرماتا ہے...... تمھاری جب اس سے ملاقات ہو، تو اسے کہنا کہ امت کے حق میں دعائے مغفرت کرے۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرائے اور فرمایا۔

’’نبی مکرم ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تابعین میں سے میرا بہترین دوست اویس قرنی ہے۔‘‘

یہ سن کر حضرت اویس قرنی کی جو حالت ہوئی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔

ان کی غربت اور حالات دیکھتے ہوئے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کی مالی مدد کی جائے۔ جب اس بات کا اظہار کیا، تو اویس قرنی نے ادب سے فرمایا۔

’’ہمارا آپس میں کوئی معاہدہ نہیں ہے...... ممکن ہے کہ آج کے بعد ہماری ملاقات نہ ہو...... میں زیادہ مال و دولت لے کر کیا کروں گا...... میرے پاس دو درہم موجود ہیں، جو ان اونٹوں کو چرانے کا معاوضہ ہے...... اگر آپ اس بات کی ضمانت دیں

کہ ان کے خرچ ہونے سے پہلے مجھے موت نہیں آئے گی، تو مجھے آپ سے امداد لینے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے...... ورنہ میرے لیے تو صرف دو درہم ہی کافی ہیں...... میں نے اپنا ہاتھ اس کائنات کے عظیم ترین حاجت روا کو تھما رکھا ہے...... میں کسی شہرت یا مقام کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر دونوں حضرات اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور رونے لگے۔ یہ دیکھ اویس قرنی نے فرمایا۔

''اے مسلمانوں کے خلیفہ! ہمارے سامنے ایک سخت اور ناقابل عبور گھاٹی ہے...... یہ وہی عبور کر سکتا ہے، جس کا پیٹ بھوکا رہے اور بدن سوکھ کر کانٹا بن جائے۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا۔

''آپ دوبارہ کبھی مدینہ کیوں نہیں آئے؟''

''نبی مکرم ﷺ کے انتقال کے بعد روضہ اقدس پر حاضری دینے کے لیے میں نے مدینہ کا سفر کیا تھا، لیکن سرحد سے ہی واپس پلٹ گیا......''

''وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ جس مقدس سرزمین پر میرے نبی ﷺ کا جسم مبارک دفن ہے، اس زمین پر قدم رکھنے اور چلنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا۔''

یہ عشق، یہ محبت دیکھ کر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دنگ رہ گئے تھے۔

نبی مکرم ﷺ نے کافی دفعہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا تھا، تو کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان سے ملاقات ہو، لیکن حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی گم نامی کی وجہ سے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت اویس قرنی رحمۃ علیہ سے ملاقات کے لیے یمن، کوفہ اور بصرہ میں گھومتے پھرتے رہے۔ آخر ان کی یہ کوشش رنگ لائی اور انھوں نے دریائے فرات کے کنارے ایک لاغر سے شخص کو دیکھا، جس نے نبی مکرم ﷺ کا کرتا مبارک پہن رکھا تھا۔ اس سے انھیں یقین ہوگیا کہ یہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

وہ آگے بڑھے اور اپنا تعارف کرایا۔ ان کی کمزوری اور نقاہت دیکھ کر حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ ساتھ میں یہ فرمایا۔

''اگر آپ اجازت دیں، تو میں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔''

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ کے ذکر میں جو وقت گزرتا ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔''

''میں سکون حاصل کرنے کے لیے آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔''

''اللہ تعالیٰ سے محبت ہی میں اصل سکون ہے...... یہ کسی انسان کے پاس سے نہیں ملتا۔''

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی سادہ اور بے نیاز گفتگو حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و دماغ کو روشن کر رہی تھی۔ ان کے مسلسل اصرار پر جو وقت ساتھ گزرا، اس میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی ذکر کرتے رہے۔

حضرت ہرم رضی اللہ تعالیٰ نے جب ان سے حدیثِ مبارکہ بیان کرنے کی درخواست کی، تو وہ رو پڑے اور فرمایا۔

''میں کبھی نبی مکرم ﷺ کی زیارت نہیں کر سکا...... ہاں! یہ اور بات ہے کہ آپ ﷺ کے اصحاب سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی، تو چند احادیثِ مبارکہ کا علم ہوا...... میں ایک بے کس اور گناہ گار انسان ہوں...... میری کہاں اتنی اوقات کہ حدیثِ مبارکہ بیان کروں۔''

پھر جب حضرت ہرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رخصت ہونے لگے، تو اپنے آگے کے سفر کے بارے میں مشورہ دریافت فرمایا۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے ملکِ شام کی طرف جانے کو کہا۔ حضرت ہرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔

''میرے زادِ راہ کا کیا بنے گا؟''

''میرے بھائی! وہ دل ہلاکت میں مبتلا ہوں گے، جنھیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا نہیں ہے اور جو شک میں پڑ گئے...... ایسے دلوں کو نصیحت کرنا فضول ہے۔''

پھر انھوں نے بڑی محبت اور عاجزی سے حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کر دیا۔

حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی ان اصحاب میں ہوتا ہے، جنھوں نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ ان کا کہنا تھا۔

''اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی فضل و کرم کر رکھا ہے...... وہ ملاقات کے لیے آنے والے افراد کے دلی حالات سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اکثر فرماتے ہیں۔

''سمجھ دار مومن، ناسمجھ مومن اور منافق کی مثال درخت اور بارش کی طرح ہے...... سرسبز و شاداب درخت پر اگر پانی برستا رہے، تو اس کی تراوٹ، شادابی اور حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے...... اس کے برعکس اگر شاداب، لیکن بنجر درخت پر برسے، تو اس کے پتوں میں ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اگر خشک گھاس اور کم زور شاخوں پر برسے، تو اسے توڑ پھوڑ کر تباہ کر دیتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم انھیں ملنے کے لیے آتے رہے، جب کافی عرصہ گزر گیا اور ملاقات کے لیے کوئی صحابی نہ آیا، تو وہ ایک بار پھر گوشہ نشین

ہو گئے۔ ایک طویل عرصہ ایسے ہی گزر گیا۔ پھر ۳۷ ہجری میں جنگِ صفین کے موقع پر لوگوں کے سامنے آئے۔

جنگ صفین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان میں لڑی گئی۔ یہ جنگ دریائے فرات کے کنارے لڑی گئی، جو اب ملکِ شام کا حصہ ہے۔ اب اس کا نام "الراقہ" ہے۔ مشرکین اور سبائی ٹولے نے دونوں کبار صحابہ میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تھیں اور یہ جنگیں ان ذلیلوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کا نتیجہ تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے، تو انھوں نے دیکھا کہ کوفہ اور اردگرد کے علاقوں سے لشکر اکٹھا ہو رہا ہے۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"میرے پاس آج بیس لشکر جمع ہو گئے ہیں...... ہر لشکر میں ایک ہزار افراد ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیران ہوئے۔ اس بات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کر لیا۔ پھر انھوں نے حکم دیا۔

"جنگل میں دو نیزے گاڑ دیے جائیں اور جو شخص میرے لشکر میں شمولیت کا خواہش مند ہو، وہ ان نیزوں کے درمیان میں سے گزر جائے۔"

چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد سب لشکروں کی گنتی کی گئی۔ مغرب کے بعد تک صرف ایک سپاہی کی کمی رہ گئی تھی۔ لشکر کے کمانڈر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"اے امیر المومنین! یہ آخری شخص کون ہوگا؟"

"یہ آخری شخص ہی مردِ کامل ہوگا اور اس کے آنے سے تعداد مکمل ہو جائے گی۔"

یہ سنتے ہی سب تجسس میں پڑ گئے کہ بھلا وہ کون شخص ہے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک طرف سے ایک عمر رسیدہ شخص پیدل چلتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کا جسم کمزور تھا، لیکن اس کے چہرے سے وقار اور رعب جھلکتا تھا۔ چہرہ طویل سفر کی وجہ سے گرد آلود تھا۔ کچھ لوگ اس کی حالت دیکھ کر آگے بڑھے اور اسے سواری پیش کی، لیکن اجنبی نے نرمی اور شائستگی سے منع کر دیا اور کہا۔

"امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے لیے بے حد قابلِ احترام ہیں...... دامادِ رسول ﷺ کی شان یہی ہے کہ میں خود آگے بڑھ کر ان کی قدم بوسی کروں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اجنبی سے واقف تھے کہ یہ اویس قرنی ہیں اور ان کا کیا مقام ہے، اس لیے اپنے خیمے سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔

جنگ کا آغاز تو بہت شدید تھا، لیکن دونوں فریقین کے مابین فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو پایا۔ ۸

صفر ۳۷ ہجری کو جمعرات کے دن دونوں طرف کے لشکر آخری اور فیصلہ کن معرکہ کے لیے تیار تھے۔ بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات میں جنگی تیاریاں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔

اگلے دن نمازِ فجر کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کے قلب میں رہتے ہوئے شامیوں پر حملہ کر دیا۔ اس لشکر میں کوفہ، بصرہ کے قبائل کے علاوہ انصار، بنوخزاع اور بنوکنانہ بھی شامل تھے۔ میمنہ کی کمان حضرت عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کے حوالے تھی اور میسرہ کی کمان حضرت عبداللہ کر رہے تھے۔

دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے لشکر سے موت پر بیعت لے لی تھی۔ اس لشکر میں میمنہ حبیب بن مسلمہ اور میسرہ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ نمازِ عصر تک سیکڑوں جاں نثار بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے۔

صبح سے شام تک میمنہ اور میسرہ میں جنگ جاری رہی۔ اس موقع پر قلب میں موجود فوج نے بھی آگے بڑھ کر خوب حملے کیے، لیکن اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں ایک عام شخص کی طرح شامل ہوئے۔ ایک دن پہلے وہ دریائے فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ اچانک انھوں نے جنگ کے طبل کی آواز سنی۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر یہاں موجود ہے اور جنگ کرنے کے لیے تیاریاں کر رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ان کے دل میں بے حد محبت اور عقیدت موجود تھی، اس لیے وہ ان کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔

حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں تھے۔ یہ تو ان کا جوش اور عقیدت تھی، جو انھیں لڑا رہی تھی۔ جہاں عشق، محبت اور عقیدت کا جذبہ دل میں موجزن ہو، وہاں ایسی چیزیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔

دو بدو جنگ میں ان کے جسم پر چالیس سے زیادہ زخم لگ چکے تھے۔ قوتِ برداشت کہاں تک ساتھ دیتی، آخر اس کا بھی اختتام آ گیا۔ ان کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی، جو یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ وہ نیچے گرے اور جام شہادت نوش فرما گئے۔ یوں قرن کا چرواہا اپنے اصل کی طرف چلا گیا۔

☆......☆......☆

ماہر عملیات

مولانا قاری رشید احمد صاحب مدظلہ

کی عملیات سے متعلق تہلکہ خیز معلومات پر مبنی تفصیلی گفتگو

معاشرے میں پھیلی ''عملیات'' کے نام پر تعفن زدہ وبا کی نقاب کشائی......
صحیح اور غلط کا پیمانہ، جرأت مندانہ انداز میں ''قارئین حیا'' کی خدمت میں پیش ہے۔
حق کیلئے صحیح اور غلط کے پیمانے سے پرکھیے اور خود حق و باطل کا امتیاز کیجئے۔

صبا یونس قریشی

تعارف......

آپ کا نام ''رشید احمد'' ہے، آپ کے والد کا نام قاری عبدالرحمٰن ظفر ہے۔ ۲۰ دسمبر 1973 کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ جناب کا بچپن کوئٹہ میں گذرا، ابتدائی تعلیم کوئٹہ میں اپنی والدہ محترمہؒ سے حاصل کی، آپ کی والدہ محترمہ قاری رحیم بخشؒ کی شاگردہ تھیں، کوئٹہ میں آپ کی والدہ محترمہ قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں اور ماشاءاللہ پورا محلہ آپ کی والدہ کا شاگرد ہے، آپ جناب نے بھی نورانی قاعدہ اور تین سپارے اپنی والدہ سے حفظ کئے تھے پھر حفظ کیلئے ملتان تشریف لائے، ملتان دہلی گیٹ میں قاری عبداللطیفؒ سے چودہ پارے حفظ کئے پھر کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر واپس کوئٹہ تشریف لے گئے، آپ کے والد محترم قاری عبدالرحمٰن صاحب کا کوئٹہ میں اپنا مدرسہ تھا، آپ نے باقی پارے وہیں سے مکمل کر کے کوئٹہ سے ہی حفظ القرآن کی سند فراغت حاصل کی یوں، آپ کی دین کے ساتھ نسبت جڑ گئی۔

آپ کے والد گرامی قاری عبدالرحمٰن ظفر کوئٹہ میں سعدیہ جامع مسجد ریلوے کالونی جائنٹ روڈ میں امام و خطیب تھے۔ ساتھ عملیات کا کام بھی کرتے تھے، لہٰذا آپ جناب کا سلسلہ بیعت اپنے والد صاحب سے ہی ہے، آپ کے والد صاحب نقشبندی اویسی سلسلے کے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ جناب نے اپنا اصلاحی تعلق حکیم اختر صاحبؒ سے بھی رکھا ہوا تھا اور اس کے علاوہ بزرگانِ دین کی خدمت میں گاہے گاہے حاضری آپ جناب کے معمولات میں شامل ہے۔

اور اب تقریباً پانچ سال سے آپ جناب اپنی فیملی سمیت مکمل طور پر ملتان میں رہائش پذیر ہیں۔ گھر کا ہر فرد صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، شعبہ عملیات سے منسلک ہوئے آپ کو بائیس تئیس سال ہو چکے ہیں۔

نمایاں اوصاف: آپ جناب انتہائی شریف النفس انسان ہیں آپ کا نمایاں ترین وصف عجز و انکساری ہے۔ اس

کے علاوہ حلم و تحمل کا پیکر ہیں، حیا اور شرافت آپ کے مزاج کا نمایاں پہلو ہیں، کبھی عورتوں کو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا، نیز آپ کے اوصاف میں انتہائی قابلِ ذکر وصف خدمت خلق کا جذبہ ہے۔ آج کے اس انتہائی خودغرض دور میں بھی آپ ہمہ وقت خدمت خلق میں غرق ہیں۔ اگرچہ آپ جناب حکمت سے وابستہ ہیں مگر عملیات کا کام آپ خلقِ خدا کیلئے اپنے کسی ذاتی مفاد، لالچ یا خودغرضی کے بغیر فی سبیل اللہ برس ہا برس سے انجام دے رہے ہیں۔

آپ جناب کے مختصر تعارف کے بعد عملیات و دیگر معاشرتی اصلاح پہلوؤں پر ہونے والی گفتگو قارئین کے پیش خدمت ہے۔

حیا: سب سے پہلے آپ قارئین حیا کو یہ بتائیں کہ عملیات کے شعبے سے منسلک ہوئے آپ کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

قاری رشید صاحب: اس شعبے سے منسلک ہوئے مجھے بائیس تئیس سال ہو چکے ہیں کہ میں اس شعبے سے جڑ چکا ہوں اور الحمدللہ اتنے عرصے سے ہی کام کر رہا ہوں۔

حیا: عملیات سے متعلق سوال کرنے سے پہلے ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ آپ نے درس وتدریس پر عملیات کے شعبے کو کیوں فوقیت دی؟

قاری رشید صاحب: درس تدریس پر عملیات کے شعبے کو فوقیت نہیں دی بلکہ جب ملتان مستقل طور پر شفٹ ہوا تو پھر درس وتدریس چھوٹ گیا، کوئٹہ میں الحمدللہ کئی سال تک درس وتدریس کے ساتھ شعبہ عملیات کو لے کر چل رہا تھا بلکہ کوئٹہ جانے سے پہلے قبل جب ہم ملتان میں رہائش پزیر تھے تب بھی یہاں ملتان میں بھی تدریسی فرائض سر انجام دے رہا تھا، بس اب جب سے دوبارہ ملتان مستقل شفٹ ہوا ہوں تو ابھی تک کوئی جگہ نہیں مل سکی۔ شوق تو بہت ہے اور انشاء اللہ جیسے کوئی مناسب جگہ ملے گی تو شعبہ درس وتدریس کو ضرور اختیار کروں گا۔ درس وتدریس میں تو اللہ نے بہت مزہ رکھا ہے، بہت عزت ہے، دین ودنیا کا فائدہ ہے مختصر یہ کہ میں نے درس وتدریس پر شعبہ عملیات کو فوقیت نہیں دی۔ بس یہ اللہ کا اختیار ہے جس سے جس طرح کام لینا چاہے۔

حیا: قاری صاحب! ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں عورت کا جن، جادو، آسیب وغیرہ پر بہت پختہ اعتقاد ہے ہر چیز اور ہر معاملے کو عورت زیادہ تر اسی معیار پر رکھتی ہے، مثلاً گھر میں لڑائی ہوگئی تو ساس کہتی ہے کہ بہو نے جادو کروادیا ہے، میاں بیوی میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو بہو کہتی ہے کہ ساس، نندوں نے جادو کروادیا ہے، آپ عملیات کے شعبے سے کئی برس سے منسلک ہیں آپ بتائیں ایسا کیوں ہے؟ اور اس بگاڑ کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟

قاری رشید صاحب: جی! واقعی یہ بات ہے کہ ہمارے پاس بھی عورتیں آتی ہیں تو ہم نے آج تک کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ کی ساس نے یا نند نے کروایا ہے یا آپ کی بہو نے کچھ کروایا ہے، ہم

یہ بات نہیں کہتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ پہلے اپنی تشخیص کروائیں، اگر واقعی کوئی معاملہ ہے تو اس کے علاج کی طرف توجہ کریں، باقی یہ کہنا کہ فلاں نے کروایا، فلاں نے کروایا، یہ تو لڑوانے والی بات ہے جو جادوگر عامل لوگ اس پیشے کو دوکانداری بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں وہ زیادہ تر اپنے دھندے کو چمکانے کیلئے اس چیز کو سامنے رکھتے ہیں پھر اس سے گھروں میں لڑائی جھگڑا ہوجاتا ہے۔

نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے عورت کو کمزور پیدا کیا ہے'' اس لئے اعتقاد کے حساب سے بھی، نفسیات کے حساب سے بھی اور قوت کے حساب سے بھی عورت چوں کہ کمزور ہے اس لئے ان کا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے، باقی یہ سوال کہ اس بگاڑ کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ تو آپ صحیح عامل کے پاس جائیں۔ انشاء اللہ وہ آپ کو اس طرف نہیں لگائے گا وہ آپ کو بہتری کا مشورہ دے گا اور آپ کو بہتری کی جانب لے کر چلے گا، اگر کوئی مسئلہ ہے بھی تو صحیح عامل بہت سے احسن طریقے سے اس کو حاصل کرے گا۔

دیکھیں! میرے پاس بھی ایسی بہت سی عورتیں آتی ہیں بہت سے لوگ آتے ہیں، میں ان کو بہت طریقے سے چلاتا ہوں، ہم باقاعدہ ان کی صلح کروا دیتے ہیں محبت کے اعمال ان کو دے دیتے ہیں بجائے اس کے کہ آپس میں نفرت پیدا ہو بلکہ محبت پیدا ہو اور یہ چیز ختم ہو اور ان کو یہ بات سمجھ میں آئے کہ یہ بہو نے نہیں کیا، یہ ساس نے نہیں کیا، یہ تو ایسے ہی معمولی سے معاملات ہیں تو جو ماہر عملیات متبع سنت بھی ہوگا وہ اس چیز کو سمجھے گا اور کوشش کرے گا کہ معاشرے میں اس بگاڑ کو پیدا ہی نہ ہونے دے۔

حیا:۔ آپ خود اس شعبے سے منسلک ہیں تو آپ بتائیں کہ یہ چیز کہ ساس نے بہو پر یا بہو نے ساس پر عمل وغیرہ کروادیا کتنا فیصد صحیح ہے اور کتنا فیصد محض عورتیں اپنے شک وشبہات کی بنا پر اس معاملے میں الجھی ہوئی ہیں؟

قاری رشید صاحب:۔ اگر میرے پاس دس عورتیں آتی ہیں تو چار اس معاملے میں ملوث ہوں گی مطلب ان پر عمل وغیرہ ہوا ہوگا۔ چھ بے چاری اپنے شک وشبہات کی وجہ سے ان چیزوں میں الجھی ہوئی ہوں گی، اگر صحیح متبع سنت، ماہر عملیات ہوگا تو صحیح معنوں میں ان کی اصلاح کر کے ان کو راہِ حق پر چلائے گا۔

حیا:۔ قاری صاحب! آپ نے فرمایا کہ ماہر عامل متبع سنت بگاڑ کے بجائے اصلاح کی کوشش کرے گا تو آپ بتائیں کہ عملیات کے میدان میں صحیح اور غلط کا امتیاز کیسے ممکن ہے؟

قاری رشید صاحب:۔ عملیات کے میدان میں صحیح اور غلط کا امتیاز اس طریقے پر ہے کہ آپ دیکھیں کہ عامل کی زندگی کیسی ہے؟ شکل وشباہت کیسی ہے؟ عامل کا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے؟ اس کی بول چال کیسی ہے؟ اس کی صورت اور سیرت کیسی ہے؟ اس کا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ وہ کہاں

سے پڑھا ہوا ہے؟ کن علماء سے کن بزرگوں سے اس کا تعلق ہے؟ تو ان چیزوں سے آپ کو پتا چل جائے گا اور آپ اس طرح بہت آسانی سے صحیح اور غلط کا امتیاز کرسکتے ہیں اور اس کے بعد اس عامل سے تعلق بنا سکتے ہیں۔

حیا:۔ قاری صاحب! ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں جادو، سحر، آسیب وغیرہ کے معاملات بہت عام ہو چکے ہیں یہ سب اس قدر عام ہونے کی وجہ؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی ہاں! معاشرے میں جادو، سحر، آسیب وغیرہ کے جو معاملات بہت عام ہو چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بے حیائی بہت عام ہو چکی ہے اور کھانے میں حرام کا شامل ہونا، نماز کا چھوڑنا، پاکی کو چھوڑنا، صفائی ستھرائی کا چھوڑنا، مسنون دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا اور حلال رزق کو چھوڑنا، قرآن پاک کی تلاوت کو چھوڑنا، گھر گھر میں فحاشی عریانی، گانے بجانے، تصویریں، یہ چیزیں عام ہو چکی ہیں، اس وجہ سے جادو، سحر، آسیب وغیرہ عام ہو چکے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے عقیدے بھی کمزور ہو چکے ہیں اور ہم میں یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ تھوڑی سی بات کو بھی ہم جادو، سحر، آسیب وغیرہ کی طرف لے جاتے ہیں، بہت کم ایسے ہوتا ہے کہ ہر جگہ پر جادو وغیرہ ہی ہو جب کہ زیادہ تر لوگ وہم میں مبتلا ہیں چونکہ ہمارے عقیدے کمزور ہو چکے ہیں اس وجہ سے یہ چیز اس وقت اس قدر عام ہوگئی ہے۔ ایک بات کی طرف اور توجہ دلوادوں کہ آج ہمارے معاشرے میں جادو کرنے والے آسیب مسلط کرنے والے بہت عام ہو چکے ہیں، چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے تو ان پر کوئی گرفت بھی نہیں ہے، اگر یہ دو نمبر لوگ پکڑے جاتے ہیں تو پیسے دے کر خود کو چھڑوا لیتے ہیں اور اب یہ دھندہ پہلے سے زیادہ عروج پر ہے، یہ بھی بڑی وجہ ہے ان معاملات کے عام ہونے کی، اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ قاری صاحب! آپ نے فرمایا کہ جادو، سحر، آسیب کرنے والے دو نمبر عامل عام ہو چکے ہیں لہٰذا ہمارے معاشرے میں عملیات کے نام پر فراڈ ہو رہا ہے، ایسے میں آپ کا اس شعبے سے منسلک رہنے کی کوئی خاص وجہ؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! ہمارے معاشرے میں واقعی عملیات کے نام پر فراڈ ہو رہا ہے اور بہت زیادہ ہو رہا ہے، بات یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب کیونکہ عملیات کیا کرتے تھے تو ہمارے والد صاحب نے کراچی کے ایک کرنل صاحب کی اہلیہ کا علاج کیا تھا۔ ان کے پیچھے ایک بہت بڑا جادوگر لگا ہوا تھا، تو اس جادوگر نے دیکھا کہ کون آدمی میرے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے، تو اس نے پھر ہم پر جادو کروادیا تو ہم نے کئی عاملوں سے علاج کروایا لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ تو والد صاحب نے اس تکلیف کی حالت میں ہمیں یہ عمل سکھایا پھر ہم نے اپنا علاج خود کیا جس سے الحمدللہ افاقہ ہوا۔ اس وجہ سے ہم نے اس شعبے کو اپنایا۔ جب سیکھ لیا تو والد

صاحب نے فرمایا کہ کوئی آجایا کرے تو اس کا علاج کردیا کرو، وجہ یہی ہے کہ لوگ غلط عاملوں کے پاس جاتے ہیں تو معاملات بہتر ہونے کے بجائے بگڑتے ہیں، اگر لوگ صحیح عامل کے پاس جائیں گے صحیح علاج ہوگا بہت لوگوں کا علاج کیا ان کو افاقہ ہوا اور کر رہے ہیں اور اللہ پاک شفاء بھی دے رہے ہیں، اللہ پاک ہمیں مزید کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اردگرد ہر دوسرا فرد جادو، آسیب، سحر وغیرہ میں مبتلا ہے، قارئین حیا جاننا چاہتے ہیں کہ کیا واقعۃً یہ شیطانی طاقت اس قدر حاوی ہورہی ہے یا لوگوں نے اس چیز کو خود پر سوار کرلیا ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی ہاں! واقعی ہمارے اردگرد ہر دوسرا فرد جادو، آسیب، سحر وغیرہ میں مبتلا ہے اور واقعۃً ایسا ہے کہ شیطانی طاقتیں بہت زیادہ حاوی ہورہی ہیں اور آپ یہ چیز اس طرح سمجھ لیں کہ اگر اسی (۸۰) فیصد جادو، سحر، آسیب وغیرہ ہے تو بیس (۲۰) فیصد لوگوں نے اس چیز کو سوار بھی کرلیا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ سو (۱۰۰) فیصد ہی جادو، آسیب، سحر وغیرہ کے معاملات میں ہیں، کچھ چیزیں ہم نے خود بھی اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہیں۔ اگر ہم اپنے عقیدے اور عقائد کو مضبوط کرلیں اور قرآن مجید کی تلاوت ہو، اور سنتوں اور مسنون دعاؤں اور مسنون اعمال کا اہتمام ہو تو انشاء اللہ یہ چیز حاوی نہیں ہوگی۔

حیا:۔ قاری صاحب! آج نفسا نفسی کا دور ہے، اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے دوری ہے تو ڈیپریشن اور ذہنی امراض بھی عام ہوچکے ہیں، ایسے میں جادو، آسیب وغیرہ اور ذہنی امراض میں فرق کیسے ممکن ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ دیکھیں! ڈپریشن، ذہنی امراض اور جادو آسیب وغیرہ الگ الگ امراض ہیں مگر آج معاشرے میں جادو، آسیب وغیرہ کی طرف رجحان عام ہوچکا ہے، تو ایک سیدھی سی علامت ان دونوں امراض میں تفریق کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جادو، آسیب، سحر وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نماز چھوٹتی ہے اور اگر کوئی شخص ڈیپریشن یا ذہنی مرض میں مبتلا ہے تو وہ کم از کم نماز نہیں چھوڑے گا وہ ذکر و تلاوت نہیں چھوڑے گا، ڈیپریشن اور ذہنی مرض میں مبتلا شخص کے معاملات گھر والوں کے ساتھ اور طرح کے ہوں گے اور جادو وغیر میں مبتلا شخص کے معاملات کچھ اور طرح کے ہوں گے۔ جادو، آسیب، وغیرہ میں سب سے پہلے نماز، تلاوت چھوٹتی ہے، نیکی کی طرف بڑھنا، نیکی کی طرف جانا، نیکی کے اعمال کرنا یہ سب چھوٹ جاتا ہے، ایک تو یہی فرق ہے اور بھی بہت سارے فرق ہیں جو ماہر عملیات ہوگا اور صحیح معنوں میں کام کرتا ہوگا متبع سنت ہوگا وہ اس چیز کو پہچان لے گا ورنہ یہ ایسی چیز ہے کہ اس کو ہر کوئی نہیں پہچان سکتا۔

حیا:۔ قاری صاحب! اگر کوئی شخص روحانی امراض کا شکار نہ ہو اور کسی جسمانی مرض کی وجہ سے

کسی ایسی علامت میں مبتلا ہو جو صورتاً روحانی مرض میں مبتلا محسوس ہو تو آپ کس طرح تفریق کرتے ہیں؟؟

قاری رشید صاحب:۔ ماہر عملیات اپنے خاص طریقہ تشخیص سے معلوم کرے گا کہ آیا یہ کسی روحانی مرض میں مبتلا ہے یا جسمانی مرض میں مبتلا ہے اور بھی اس تفریق کے بہت سے طریقے ہیں۔ مگر جو ماہر عملیات ہوگا اس کو یہی معلوم ہوگا تو ہم اپنے اسی طریقہ تشخیص سے معلوم کرلیتے ہیں کہ آنے والے شخص کو کیا بیماری ہے؟ کیا مسئلہ ہے؟ کیا مرض ہے؟ پھر اسی کے مطابق اس کا علاج کیا جاتا ہے؟

حیا:۔ آپ نے فرمایا کہ جادو، آسیب وغیرہ کے امراض میں سب سے پہلے قرآن وسنت ونماز وغیرہ چھوٹتی ہے، تو ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص ٹھیک ٹھاک پابند شریعت اس چیز میں گرفتار ہوجاتا ہے مطلب یہ کہ شریعت پر کاربند ہونے کے باوجود کسی پر یہ شیطانی طاقت کس طرح مسلط ہوسکتی ہے۔

قاری رشید صاحب:۔ جی! بات یہ ہے کہ ہم بہت کمزور ہیں اور جادو، جن، آسیب، سحر، شیاطین وغیرہ یہ ساری چیزیں حق ہیں موجود ہیں، اسی لئے اللہ رالعزت نے دکھایا کہ آپ جناب حضور اقدس ﷺ پر بھی جادو ہوا۔ حالانکہ آپ افضل الانبیاء، اشرف الانبیاء اکمل الانبیاء ہیں تو جب نبی اقدس ﷺ بھی اس جادو، جنات، والے معاملے سے گزرے ہیں تو ہم تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ تو اس لئے اگر کوئی پابند شریعت شخص، خود قرآن وسنت کا بہت ہی پڑھنے پڑھانے والا ہو، اور وہ اس جادو، جنات وغیرہ کے معاملات میں ملوث پایا جائے تو اس پر ایک آزمائش ہے امتحان ہے، جس طرح دوسری بیماریاں ہوتی ہیں یہ بھی ایک بیماری ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ نے اگر یہ چیزیں پیدا کیں تو ان کا علاج بھی پیدا کیا ہے اور اگر ہم متبع سنت ماہر عملیات سے رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب چیزوں سے بچاسکتے ہیں۔

حیا:۔ نیز یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ آسیب، جادو، جن وغیرہ مبتلا شخص دین سے منسلک ہے پابند شریعت ہے تو ایسا کیسے ممکن ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! یہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ یہ ممکن ہے، یہ ہوسکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسے دیگر بیماریاں ہیں، اسی طرح یہ بھی بیماری ہے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ آپ عامل ہیں اور ماشاء اللہ بائیس تئیس سال سے اس شعبے سے منسلک ہیں تو چونکہ یہ ماہنامہ عورتوں کیلئے ہے تو آپ یہ بتائیں کہ آپ کے پاس آنے والی عورتیں زیادہ تر کس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں؟ جس سے اندازہ ہوسکے کہ معاشرے میں بگاڑ کی اہم وجہ کیا ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! عرض یہ ہے کہ اس بگاڑ کی اہم وجوہات میں سے چند یہ ہیں کہ ہم پاک نہیں رہتے، اور سر کو ڈھانپ کر نہیں رکھتے،

مسنون اعمال کا اہتمام نہیں کرتے، باوضو نہیں رہتے، بے پردہ گھر سے باہر چلے جاتے ہیں۔تو یہ چند وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے جنا، شیاطین، نظر بد، اوراس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔

عورتیں ان کوتاہیوں کی وجہ سے ان امراض میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔اگر ان تمام اعمال کا ہم اہتمام کریں تو انشاءاللہ! اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ دس عورتیں میرے پاس آتی ہی تو اس میں سے چار ایسی بھی ہوں گی جو جنات، سحر وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہوں گی چھ ایسی ہوں گی جو تھوڑی سی بات کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بیمار محسوس کرتی ہیں اور وہ میں مبتلا ہوتی نہیں، ورنہ آج کل جیسی خوارکیں ہیں اس کی وجہ سے بھی بہت امراض جنم لیتے ہیں، ماہر عملیات ہی یہ سمجھ سکے گا کہ یہ جنات وغیرہ کا معاملہ ہے یا کچھ اور مرض۔ کیونکہ بعض اوقات تبخیر بھی ہوتی ہے، بعض اوقات ہسٹیریا کے مریض ہوتے ہیں، بعض اوقات معدے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، بہت ساری عورتوں کو ایام کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو عام عامل ان باتوں کو جنات، جادو، وغیرہ کی جانب لے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہر مرض جنات کی وجہ سے نہیں ہوتا، یہ وہ معاملات ہیں کہ ظاہری علامت کی وجہ سے گڑبڑ ہوجاتی ہے تو ماہر عملیات اس کو پہچان سکے گا کہ کیا حقیقت ہے؟ کیا معاملہ ہے اور کیا نہیں۔

حیا:۔ قاری صاحب! آج ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بات اور معاملے کیلئے نعوذباللہ گنڈوں کا رجحان عام ہوچکا ہے۔ کوئی ذرا سی بیماری یا پریشانی کے آتے ہی عمومیت سے لوگ جادو، آسیب وغیرہ سے منسلک کرتے ہیں اسی طرح ہر کام کیلئے بجائے کوشش اور دعا کے لوگ عاملوں کے پاس جاتے ہیں کہ فلاں کام نہیں ہو رہا تعویذ کردیں یا فلاں شادی کیلئے نہیں مان رہا تعویذ کردیں تو آپ ان معاملات کو کس طرح سنبھالتے ہیں؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ دیکھیں! سب سے پہلے میرا جو کام ہے میں ان کی پوری بات سنتا ہوں، پوری بات سننے کے بعد ان کو اعمال پر لگا دیتا ہوں کہ آپ یہ عمل کریں، یہ سورت پڑھیں، آپ یہ نفل پڑھیں، آپ یہ دعا کریں وغیرہ اور اگر شادی کرنا چاہتے ہیں تو پہلے استخارہ کریں کہ اللہ کے نزدیک یہ بہتر ہے یا نہیں؟ آپ کو کیا اشارہ ملتا ہے؟ پھر ہم ان کو اعمال پر لگاتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو الحمدللہ میں نے ایسے اعمال بتائے کہ وہ غلط جارہے تھے تو اللہ پاک نے ان اعمال کی برکت سے ان کو سیدھے راستے پر لگادیا۔ اب ایک لڑکا میرے پاس آیا کہ فلاں جگہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ وہاں شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ پہلے آپ استخارہ کریں اگر ٹھیک نکل آتا ہے تو پھر ہم آگے دیکھیں گے اگر ٹھیک نہیں آتا تو آپ کہیں اور شادی کرلیں، لیکن اب وہ ضد کرنے لگا کہ شادی کرنی ہے تو بس یہیں کرنی ہے تو

میں نے بولا اچھا! پھر میں نے اس کو قرآن کریم ایک آیت پڑھنے کیلئے دے دی۔

الحمدللہ اس آیت مبارکہ کے پڑھنے سے ایک ماہ بعد وہ لڑکا خود کہنے لگا کہ میرے والدین جہاں کہیں گے میں وہیں شادی کروں گا۔ تو اس طرح الحمدللہ ہم معاملات کو سنبھالتے ہیں، لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں، لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف چلاتے ہیں، اللہ مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ لوگ ان جادو، آسیب وغیرہ کے شک وشبہات میں گرفتار ہوکر اپنے گھر تک اجاڑ لیتے ہیں آپ نے اس بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کی؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! بالکل کی ہے اور بہت کی ہے اور الحمدللہ کتنے گھروں کو اُجڑنے سے بچایا بھی ہے اور اس طرح بھی ہے کہ بعض لوگ تو شک وشبہات میں مبتلا ہوکر معاملات بگاڑ لیتے ہیں، ان کو الحمدللہ ہم نے سیدھے راستے پر چلایا، ان کے شک وشبہات کو دور کرکے ان کی آپس میں صلح کروائی ہے۔ الحمدللہ ان کا پیار ومحبت سے آپس میں گھر دوبارہ بس گیا اور ایسے بھی ہوتا ہے کہ جنات نے دونوں میاں بیوی کے درمیان گڑبڑ کی اور اس طرح جنات ان پر مسلط ہوگئے کہ بیوی جان چھڑانے میں لگی ہوئی ہے، طلاق مانگ رہی ہے اور ادھر شوہر بھی ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے، تو الحمدللہ ہم نے ان کا علاج کرکے جنات وشیاطین کو قید کرکے پکڑ کر، ان کے گھروں کو اجڑنے سے بچایا ہے، مزید کوشش جاری ہے، اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ یہ ماہنامہ عورتوں کیلئے ہے اس لئے آپ بتائیں کہ کوئی عورت کسی ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے اس کو لگتا ہے کہ روحانی مرض میں مبتلا ہے یا پھر یہ ہوتا ہے کہ روحانی مرض میں مبتلا ہوتی ہے لیکن ڈاکٹروں سے علاج کروا رہی ہوتی ہے تو کوئی ایسا معیار یا پرکھنے کا طریقہ بتائیں کہ مریض خود کم از کم یہ سمجھ سکے کہ اس کو روحانی معالج کی ضرورت ہے یا جسمانی؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ دیکھیں! سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر روحانی مسئلہ ہو، جادو ہو، جنات یا آسیب ہوں، تعویذات ہوں، اثرات والا معاملہ ہو تو میں پہلے بھی یہ عرض کرچکا ہوں کہ اس شخص سے عبادت چھوٹ جاتی ہے۔ اس سے عبادت نہیں ہو پاتی۔ آدمی اگر جسمانی مرض میں مبتلا ہو تو اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کی طرف رجوع کروں، نفل پڑھوں، توبہ استغفار پڑھوں، دعائیں پڑھوں، تاکہ میری یہ بیماری ختم ہو، لیکن اگر دوسرا روحانی مسئلہ ہو تو اس میں عبادت سب سے پہلے چھوٹتی ہے، نماز وتلاوت چھوٹتی ہے، ذکر اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چھوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ جن، جادو، آسیب وغیرہ سب سے پہلے بندے کو اللہ سے دور کرتے ہیں اور آدمی پر حاوی ہوکر اس کو بیماری اور تباہی کی طرف لے کر جاتے ہیں تو سب سے پہلے تو آدمی یہ دیکھے۔ دوسرا یہ دیکھیں کہ بیماری جو ہے اس

میں درد ہوتا ہے تکلیف ہوتی ہے لیکن اثرات وغیرہ کے معاملے میں یہ نوٹ کریں کہ آپ کا سر، آپ کے کندھے مستقل وزنی ہیں۔ آپ کا دل ڈوبا جارہا ہے اور عبادت کی طرف آپ کا دل بالکل نہیں لگ رہا۔ آپ ایک ڈاکٹر تبدیل کرتے ہیں، دوسرا کرتے ہیں، تیسرا کرتے ہیں۔ ایک بیماری آپ کو چھوڑتی ہے دوسری شروع۔ دوسری ختم۔ تیسری آجاتی ہے، ایک دوائی سے عام طور پر فائدہ ہوتا ہے مگر اسی دوائی سے آپ کو نقصان ہورہا ہے، تو یہ علامات ہیں جن سے آدمی آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ مجھے واقعی روحانی مسئلہ ہے، تو مجھے کسی اچھے ماہر عامل سے اپنی تشخیص کرواکر اپنا علاج کروانا چاہیے یہ سب سے بڑی نشانی ہے۔

حیا:۔ کیا آپ کے پاس کبھی کوئی ایسا مریض آیا کہ آپ پوری محنت اور توجہ کے باوجود اس مسئلہ کا حل نہ کرسکے ہوں؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ دیکھیں! ایک بات میں عرض کردوں مجھے میرے اساتذہ نے یہ بات فرمائی کہ کبھی بھی کسی کا علاج دل میں بات رکھ کر نہ کرو کہ میرے علاج سے اس کو شفاء ہوگی، شفا اللہ نے دینی ہے میں نے نہیں دینی، میں نے محنت کرنی ہے میں نے توجہ سے اس کیلئے پڑھائی کرنی ہے اس کا کام کرنا ہے، شفاء تو اللہ نے دینی ہے، شفاء میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ میرا اس بات پر یقین ہے کہ جو شخص پوری محنت اور توجہ کے ساتھ، ایمانداری اور اخلاصِ نیت کے ساتھ جب کسی کام میں پڑتا ہے تو اللہ اس کی محنت کو کبھی بھی ضائع نہیں کرتے اس لئے الحمدللہ مجھے کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ اور الحمدللہ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں کسی مسئلے کو حل نہ کرسکا ہوں۔ ہاں ایک ہوتا ہے نفسیاتی معاملہ...... اس کا مسئلہ حل ہوگیا لیکن نفسیات میں اس کے یہ ہے کہ میرا مسئلہ حل نہیں ہوا تو یہ الگ بات ہے، باقی شفاء تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنی پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کام کرتے ہیں، باقی کچھ یقین، کچھ اعتقاد، کچھ وہم یہ چیزیں ہوتی ہیں کہ کچھ لوگ اعتراض کردیتے ہیں کہ ہمیں تو فائدہ نہیں ہوا، حالانکہ فائدہ ہوتا ہے ایسی بات نہیں ہے کہ فائدہ بالکل بھی نہ ہو، کیونکہ میرا ایمان ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر، خاص سورت یاسین پڑھ کر، یا کچھ بھی قرآن پاک سے پڑھ کر کسی کو دم کیا جائے، کسی کیلئے دعا مانگی جائے، کسی کیلئے رات کو جاگا جائے، تہجد پڑھی جائے، اللہ سے گڑگڑا کر مانگا جائے تو ضرور اس کا مسئلہ حل ہوگا، یہ نہیں ہے کہ اتنے اخلاص کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ باقی ہمارا یقین نہ ہو، یا ہم ناشکرے ہوں تو الگ بات ہے۔

حیا:۔ قاری صاحب ایک عامل ہونے کی حیثیت سے آپ ہمارے معاشرے کو کیسے دیکھتے ہیں؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! ہمارا معاشرہ تو بہت زیادہ بگڑ چکا ہے، نہ نماز، نہ تلاوت، نہ وضو، نہ پاکی، نہ عبادت، نہ حلال روزی، معاشرہ تو بہت غلط

نہج پر چل پڑا ہے غلط راستے پر چل پڑا ہے، ہمارا معاشرہ بہت بگڑ چکا ہے اور دو نمبر عاملوں نے، دو نمبر لوگوں نے، بدعقیدہ لوگوں نے، ہمارے معاشرے کے لوگوں کو اور زیادہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک تو ہم پابند شریعت ہو جائیں، اپنے عقائد کی تصحیح کریں، اپنی اصلاح کریں، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں، اللہ والوں سے تعلق جوڑیں اور مسنون اعمال کی طرف متوجہ ہوں، متبع سنت ہوجائیں، سنتوں کا اہتمام لازم پکڑیں باوضو، پاک رہنا شروع کردیں، بدنظری، بے حیائی، فحاشی، بدگوئی، گالی، حرام خوری، ان تمام اخلاقِ رذیلہ سے ہم بچیں...... جب ہم بچیں گے نہیں ہمارا معاشرہ سدھر نہیں سکتا، بہت ہی زیادہ بگاڑ آچکا ہے ہمارے معاشرے میں...... میں تو حیران ہوتا ہوں دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیسے ہم سدھریں گے؟ کیسے اللہ کی مدد ہماری طرف متوجہ ہوگی ہم تو بہت ہی بُرے ہوتے جارہے ہیں، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حیا:۔ قاری صاحب! آپ نے درست فرمایا کہ ہمارا معاشرہ بہت بگڑ چکا ہے تو کچھ سوالات ہم معاشرے میں بگاڑ کے حوالے سے بھی کرنا چاہتے ہیں، چونکہ یہ ماہنامہ حیا عورتوں کا ہے تو آپ بتائیں کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ آئے دن طلاقیں واقع ہورہی ہیں، چھوٹی چھوٹی سی بات پر گھر اُجڑ رہے ہیں، تو کیا اس میں سراسر عورت قصوروار ہے؟

قاری رشید صاحب:۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے کہ سراسر عورت ہی قصوروار ہو بلکہ بہت سے حالات اور کیس ایسے سامنے آتے ہیں کہ مرد ظلم کرتے ہیں زیادتی کرتے ہیں اور بہت کم واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جس میں دونوں طرف کا قصور نہ ہو، باہر کے لوگ شرارت کرکے گھر خراب کردیں یعنی کہ بعض اوقات عورت بھی قصوروار ہوتی ہے مرد بھی قصوروار ہوتا ہے اور اگر عورت تھوڑا سا اپنی زبان پر قابو رکھے اور شوہر کو جواب نہ دے اور شوہر تھوڑا سا صبر کرے، خاموشی اختیار کرے تو یہ چیز نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں مرد بھی قصوروار ہیں عورتیں بھی قصوروار ہیں اور آج کل جو معاشرے میں ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ باہر کے لوگ یا جیسے نندیں ہیں، پھوپھیاں ہیں، تائی چچیاں ہیں، جو گھر کے فرد تو ہیں مگر ایک گھر میں نہیں رہتے، الگ الگ رہتے ہیں، مطلب خاندان والے آکر چھوٹی چھوٹی بات پر عورت کو اُکسا جاتے ہیں یا مرد کو اُکسا جاتے ہیں یا پھر باہر کے ماحول کی وجہ، بُری صحبت کی وجہ سے مرد بگڑا ہوا ہوتا ہے تو اس وجہ سے طلاقیں واقع ہوتی ہیں، اگر ہم تھوڑا سا صبر اختیار کرلیں اپنی زبان کو قابو میں رکھیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنا اخلاق اچھا رکھیں اور ایک ایک بات کا جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار رکھیں تو انشاء اللہ طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔

حیا:۔ قاری صاحب! آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت دونوں ذمہ دار ہیں اس معاملے میں، لیکن یہ بھی ہے کہ عمومیت سے یہ تاثر بھی پایا

جارہا ہے کہ ''عالمات'' لڑکیاں گھر نہیں بسا پاتیں، عالمات وحافظات کو طلاق کی شرح زیادہ ہے کیا ایسا ہے؟ اس تاثر کے پائے جانے کی کیا وجہ ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! ایسا ہے اس تاثر کے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اب ایک بچی عالمہ بنی ہے مگر اس کی شادی ایسی جگہ پہ ہورہی ہے کہ جس کو نہ عقیدے کا پتا، نہ نماز کا پتا، نہ دین کا پتا، اب بتائیں کہ وہ بچی وہاں کیسے چلے گی۔ اس نے تفسیر پڑھی ہوئی ہے، حدیث پڑھی ہوئی ہے، مسائل پڑھے ہوئے ہیں...... اب تو یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ عالمات کی شادی اگر عالم سے بھی ہوجاتی ہے تو بھی ان کے مزاج نہیں مل پاتے نبھا نہیں ہوتا۔ یہ سو (۱۰۰) سے کوئی بیس (۲۰) یا چالیس فیصد ہوں گے ہر ایک نہیں ہے ایسا، تو اس لئے ہم یہ بات کہتے ہیں کہ اگر عالمات لڑکیاں یا حافظات لڑکیاں ہیں تو ان کی تھوڑی سی اصلاح بھی ہو، انکو سمجھایا جائے کیونکہ صرف عالم، حافظ بننے سے اصلاح ممکن نہیں ہے، اگر کسی اللہ والے سے تعلق نہیں ہوگا، اگر اصلاح نہیں ہوگی تو پھر طلاق کی شرح بڑھے گی، پھر شوہر کچھ کہے گا اس نے بھی مسئلہ پڑھا ہوا ہے، تفسیر، حدیث پڑھی ہوئی ہے یہ بھی آگے سے اس کے مقابلے میں جواب دے گی تو اس طرح تو گھر نہیں بستے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جو طلاق کی شرح زیادہ ہے اس کی وجہ اصلاح نہ ہونا ہے۔ ہم عالمہ، حافظہ بنا کر چھوڑ دیتے ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ضرور ہم کسی اچھے متبع سنت بزرگ اللہ والے سے اپنی اصلاح کروائیں اور حضرت تھانویؒ کی جو کتابیں ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ پھر انشاءاللہ یہ چیز نہیں ہوگی۔ طلاق کی شرح زیادہ ہونے کی وجہ صرف ہماری اصلاح نہ ہونا ہے اس لئے ہماری اصلاح ضروری ہے، چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ہوں۔

حیا:۔ زبانِ زد عام ہے کہ دین کا علم حاصل کرنے والے لوگوں کی سوچ محدود ہے۔ دین کا علم حاصل کرنے والے معاشرے کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکتے۔ ترقی میں دیندار طبقہ رکاوٹ ہے، آپ بتائیں کہ کیا ایسا ہی ہے؟

قاری رشید صاحب:۔ یہ بالکل غلط ہے، دین کا علم حاصل کرنے والے لوگوں کی سوچ محدود نہیں ہے ان کی سوچ تو بہت ہی اونچی ہے وسیع ہے محدود نہیں، دین کا علم حاصل کرنے والے تو معاشرے کے ساتھ قدم ملا کر چل سکتے ہیں اور یہ بات تو ہر ایک شخص سمجھتا ہے کہ دین کا علم حاصل کرنے والا ہر ایک کو اپنے سینے سے لگاتا ہے، دین کا علم حاصل کرنے والا ہر ایک سے اخلاق کے ساتھ ملتا ہے، دین کا علم حاصل کرنے والا رشتہ داروں کے حقوق، اولاد کے حقوق، بچوں کے حقوق، بڑوں کے حقوق، بیوی کے حقوق اور معاشرے کے دیگر حقوق...... یہ دین کا علم حاصل کرنے والا سمجھتا ہے۔ دین کا علم حاصل کرنے والے تو بے دینوں کو بھی

ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ بڑے لوگوں کے ساتھ بھی، غریبوں کے ساتھ بھی، امیروں کے ساتھ بھی، وزراء وغیرہ حکومتی لیول کے لوگ ہیں ان کے ساتھ بھی دین دار طبقہ چلتا ہے۔ دیندار طبقہ جتنا دنیا میں ترقی لارہے ہیں اور ترقی کی طرف جارہے ہیں، دنیادار طبقہ ایسا نہیں ہے، یہ غلط بات ہے جو یہ بات کہتے ہیں کہ دیندار جاہل ہیں انہیں خود کچھ پتا ہی نہیں ہے ہمارے پاس ایک نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں، اسکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں سے پڑھنے والے، ان کو ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں اور دین کا علم حاصل کرنے والے اپنے والدین، بڑے بوڑھوں کا بھی خیال رکھتے ہیں اور معاشرے کا بھی۔ جو صفات دیندار طبقے میں ہیں وہ کوئی اور نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے یہ بات غلط ہے۔

حیا:۔ بحیثیت عامل اور معاشرے کی فعال شخصیت آپ دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے معاشرے کی عورت اپنی عزت اور اپنا مقام تقریباً کھو چکی ہے اگرچہ اس کی کوئی ایک نہیں بلکہ کئی وجوہات ہیں، مگر آپ بتائیں کہ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟؟

قاری رشید صاحب:۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی بنیادی وجہ پردے کا نہ ہونا ہے، اگر پردہ ہو تو پھر یہ حالات اور یہ معاملات نہ ہوں اور عورت اپنی عزت اور اپنا مقام محفوظ رکھ سکتی ہے۔ پردہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے معاملات خراب ہو چکے ہیں، اگر پردہ ہوگا تو انشاءاللہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی۔ عزت ومقام محفوظ رہے گا۔ میرے پاس بہت سارے ایسے کیس آتے ہیں تو میں نے بہت گہرائی میں جا کر تقریباً سب سے بڑی بنیادی وجہ یہی دیکھی ہے کہ پردہ نہ ہونا، پردہ بہت ضروری ہے جب تک پردہ نہیں ہوگا تب تک معاملات سیدھے نہیں ہوسکتے۔

حیا:۔ عملیات اور معاشرتی اصلاحی پہلوؤں پر ہم نے آپ سے سیر حاصل کی گفتگو کی ہے، اب تھوڑا سا آپ کے بارے میں جاننا چاہیں گے، سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کے شوق ومشاغل کیا ہیں؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! میرا کوئی خاص قابلِ ذکر شوق نہیں ہیں۔ بس مجھے مطالعے کا شوق ہے، درس وتدریس کا بھی شوق رکھتا ہوں عملیات میرا مشغلہ ہے پرندوں کا بھی مجھے شوق ہے کہ گھر میں پرندے ہوں ان کو دیکھ لیا ان سے آنکھیں ٹھنڈی کرلیں۔ باقی اور کوئی شوق اور مشغلہ نہیں ہے۔ جیسے لوگوں کو کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کا شوق ہوتا ہے اب اس عمر میں ایسے کھیل ہوتے ہیں بھی نہیں، اب تو بس اللہ کو راضی کرنا ہے مخلوقِ خدا کی خدمت کرنی ہے، گھر بار اور بچوں کے حالات ومعاملات دیکھنے ہیں بس یہی ہے اور کچھ نہیں۔

حیا:۔ اچھا یہ بتائیں کہ آپ اپنے بیوی بچوں کس طرح وقت دے پاتے ہیں؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ بس جی! جتنا وقت

ہوکوشش یہی کرتا ہوں کہ بیوی بچوں کو وقت دوں۔ لیکن آج کل یہ عملیات والی زندگی بہت ہی مصروفیت کی زندگی ہے، اپنی طرف سے تو پوری کرشش کر کے بیوی، بچوں کو وقت دیتا ہوں۔ بیوی، بچوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں مگر زیادہ تر عملیات والے کام بہت ہوتے ہیں پڑھائی بہت کرنی پڑتی ہے عملیات کے بہت مشاغل ہیں لیکن اپنی طرف سے بچوں کو، اہلیہ کو کچھ نہ کچھ وقت دیتا ہوں۔

حیا:۔ آپ کی تربیت میں آپ کے والدین کا زیادہ ہاتھ ہے یا آپ کے اساتذہ کا؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! میں سمجھتا ہوں کہ اساتذہ کا تو ہے ہی والدین کا بھی ہے کہ والدین بہرحال تربیت کرتے ہیں، والد صاحب نے بھی اور والدہ نے بھی بہت کردار ادا کا کیا ہماری تربیت میں۔ اساتذہ تو ہوتے ہی بنیاد ہیں کہ آدمی جب گھر سے نکلتا ہے تو زیادہ تر وقت مدرسے میں گزرتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ میری تربیت میں ہر دونوں فریق کا برابر کا کردار ہے۔

حیا:۔ آپ نے خود اپنے بچوں کی تربیت کن خطوط پر کی ہے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ ماشاءاللہ! میں نے الحمدللہ اپنے بچوں کی تربت دینی خطوط پر کی ہے، کیونکہ ان کی والدہ بھی ماشاءاللہ عالمہ ہیں اللہ ان کو مزید دین پر استقامت عطا فرمائے، دین پر چلائے۔ میری اہلیہ کا بچوں کی تربیت میں بہت ہاتھ ہے، بہرحال ہم دونوں نے ہی دین کو مدنظر رکھ کر اپنے بچوں کی پرورش کی ہے۔ الحمدللہ!

حیا:۔ قاری صاحب! ماشاءاللہ! آپ نے غریبوں کیلئے قربانی کی رفاہی تنظیم بھی بنا رکھی ہے، اس کے بارے میں بتائیں کہ آپ کو کیسے اس کا خیال آیا؟ کس طرح اس کام کو شروع کیا؟ کیا طریقہ کار ہے؟ اس بارے میں تفصیل سے قارئین حیا کو آگاہ کریں۔

قاری رشید صاحب:۔ جی! عرض یہ ہے کہ آج سے تیرہ سال قبل ہم نے ایک بیل ذبح کی جس میں ہمارے اپنے حصے تھے، ایک یا دو دوستوں کے حصے تھے اس طرح چند لوگوں کو پتا چلا کہ ہم نے حصہ ڈالا ہے اس سے آئندہ سال جب ہم نے قربانی کا ارادہ کیا تو محلے کے کچھ لوگوں نے حصہ ملانے خواہش ظاہر کی تو اس دوسرے سال ہم نے تین بیل ذبح کیے۔ پہلے سال بھی اور دوسرے سال بھی سارا کام ہم نے خود کیا۔ کوئی قصائی وغیرہ نہیں تھا۔ تیسرے سال محلے والوں کو معلوم ہوگیا کہ ہم اجتماعی قربانی کرتے ہیں، تو اس سال ہم نے چار چار ہزار حصہ رکھا تھا اور اس وقت جانور بھی سستے تھے تو ماشاءاللہ بہت بہترین قربانی ہو رہی تھی۔ جب اجتماعی قربانی کے رقم جمع ہوئی تو ہم سات بیل لے کر آئے تو سات بیل کیونکہ زیادہ تھے اور یہ کام ہم اکیلے نہیں کر سکتے تھے تو پھر ہم نے قصائی کا انتظام کیا، اس طرح آہستہ آہستہ ایک سے دو، دو سے چار، چار سے بارہ پھر

پچاس پھر سو لوگ ہوتے گئے اور الحمدللہ یہ نظام چل پڑا۔ میرے ایک دوست مرحوم صادق عبداللہ بلڈ پریشر کے مریض تھے، اس کام میں ان کا بہت کردار تھا۔ انہوں نے ہمیں حوصلہ دیا ہمارے سروں پر ہاتھ رکھا جس سے ہماری ہمت ہوئی اور ہمیں شوق تو پہلے سے ہی تھا، تو پھر الحمدللہ اس کے بعد باقاعدہ طور پر کام شروع کیا۔ بنوری ٹاؤن میں جو قربانی کا طریقہ تھا وہ بہت اچھا تھا میں نے دیکھا تھا، تو مجھے شوق ہوا کہ ہم بھی ایسے طریقے سے کام کریں تو کچھ معلومات کیں، وہیں سے رسید کی ہم نے فوٹو کاپی لی اور پھر رسید چھپوائی۔ شرائط وغیرہ شرعی طریقے پر اور ہر چیز احسن طریقے سے بس الحمدللہ اس طرح یہ کام شروع ہوگیا اور الحمدللہ آج تیرہ سال ہوگئے ہیں کہ ہم احسن طریقے سے یہ کام کر رہے ہیں، الحمدللہ بہت سے لوگ ہمارے کام سے مطمئن ہیں اور ماشاءاللہ اس سال تو چار، پانچ میڈیا والے بھی آئے اور انہوں نے یہ بات کہی کہ پورے کوئٹہ شہر میں آپ جیسا قربانی کا انتظام اور کام ہم نے کہیں نہیں دیکھا، اس لئے ہم یہاں آئے ہیں، الحمدللہ خریداری بھی سب کے سامنے ہے، ذبح بھی سب کے سامنے ہے، گوشت بھی سب کے سامنے بنتا ہے، گوشت تُلتا بھی سب کے سامنے ہے اور پھر ٹوکریوں میں ڈال کر عزت کے ساتھ احسن طریقے سے ہر ایک شخص اپنے اپنے گھروں کو لے کر جاتا ہے اور ہمیں اس میں کوئی اور مفاد نہیں ہے، صرف اور صرف اللہ کی رضا کیلئے کام کرتے ہیں اور اس نیت کے ساتھ چھوٹے طبقے کے جو لوگ ہیں وہ بھی قربانی جیسے عمل میں شریک ہوجائیں۔

حیا:۔ کیا اس کے علاوہ بھی آپ رفاہی کا رہائے سرانجام دیتے ہیں؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ دیکھئے! یہ میں جو عملیات کرتا ہوں یہ بھی ایک رفاہی کام ہی ہے، بہت سے ایسے لوگ آتے ہیں کہ بجائے اس کے وہ ہمیں کچھ دیں یا ہم ان سے کچھ مانگیں بلکہ اُلٹا ہم ان کی مدد کرتے ہیں ان کے کام آتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام کو قبول فرمالے۔ (آمین)

حیا:۔ بحیثیت عامل آپ ''ماہنامہ حیا'' کے ذریعے امتِ مسلمہ کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟؟؟

قاری رشید صاحب:۔ جی! میں یہ پیغام دینا چاہوں گا کہ جب گھر میں داخل ہوں تو جیسے حکم ہے السلام علیکم کہو اور سورۃ اخلاص پڑھو۔ [illegible] پڑھو۔ اس سے گھر میں، رزق میں برکت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں رزق دیتے ہیں اس چیز کی ہم پابندی کریں اور ہم اپنے گھروں میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں۔ اونچی آواز کے ساتھ اس سے گھر میں برکتیں نازل ہوں گی، شیاطین بھاگ جائیں گے اور ہم اپنے گھروں کو پاک صاف رکھیں ہم اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں۔ امت مسلمہ نے تلاوت کو، پاکی کو، عبادت کو جب سے چھوڑا ہے تب سے یہ جادو، جن، آسیب، وغیرہ کے معاملات عام ہوئے

ہیں۔

اور دیکھئے امت مسلمہ کو سب سے اہم پیغام جو میں دینا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ہم جب کھانا کھائیں تو دستر خوان لگا کر، سنت کے مطابق ہاتھ دھو کر، بسم اللہ پڑھ کر اکھٹے کھانا کھائیں، اب عموماً بہت کم ایسے گھرانے ہیں جہاں اس سنت کا اہتمام ہوتا ہے جہاں دستر خوان لگتا ہے۔ ورنہ بہت سے گھروں میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک آیا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ دوسرا آیا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ تیسرا آیا کھانا کھایا اور چلا گیا...... اس طرح بے برکتی ہوتی ہے پھر جب ہم لوگ کھانا کھاتے ہیں تو ہڈیوں کو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں بوٹی اچھی طرح صاف نہیں کرتے کسی نے ہڈی کو ادھر پھینک دیا کسی ہڈی کو اُدھر پھینک دیا، یہ جنات کی خورات ہوتی ہے اس طرح جنات گھروں میں بسیرا کرتے ہیں جنات اسی طرح ہی آتے ہیں پھر بے برکتی ہوتی ہے، نہ ہمیں ہاتھ دھونے کی پرواہ، نہ ہمیں بسم اللہ پڑھنے کی پرواہ۔ نہ ہمیں دستر خوان لگانے کی پرواہ، نہ ہمیں اپنے بچوں کی تربیت کی پرواہ...... تو یہ چیزیں ہماری کمزوریاں اور کمیاں ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو دور کریں۔ کیونکہ یہ چیزیں گھر میں بے برکتی اور شیاطین وجنات کے آنے کا سبب ہیں۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ آپ جناب اقدس ﷺ نے فرمایا کہ رات کے وقت اگر ہم گھر میں داخل ہوں تو بسم اللہ پڑھ کر داخل نہ ہوں تو شیاطین ہمارے گھر میں بسیرا کریں گے، کھانے کے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو وہ کھانے میں شامل ہوجاتے ہیں تو پھر شیطان خوش ہوتا ہے کہ آج تو مجھے کھانا بھی مل گیا اور ٹھکانہ بھی...... تو جب ہم گھر میں بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوں گے، بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھائیں گے تو شیاطین کہیں گے کہ نہ یہاں کھانا ہے نہ یہاں ٹھکانہ لہٰذا ہم نے جو مسنون اعمال کو چھوڑ رکھا ہے ان کی پابندی کریں تو انشاء اللہ دیکھیں امن، سکون، اطمینان اور جمعیت قلبی نصیب ہونا شروع ہوجائے گی۔

اس آخری سوال کے ساتھ ہم نے جناب قاری رشید احمد صاحب سے اجازت چاہی ان کے بے حد شکریہ کے ساتھ......

"ادارہ حیا" مولانا قاری رشید احمد کا ممنون ومشکور ہے کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے "قارئین حیا" کیلئے وقت نکال کر اتنے تفصیلی اور موثر جوابات دیئے۔

"جزاکم اللہ فی الدارین"

☆......☆......☆

خوش خبری

قارئین حیا کے لیے ایک نیا سلسلہ

روحانی ڈاک

شروع کیا جارہا ہے۔

جس میں قارئین کی پریشانیوں...... بیماریوں...... الجھنوں...... اور دیگر مسائل ومعاملات کا حل قرآن وسنت اور اکابرین امت کے مجربات کی روشنی میں ممتاز عامل **مولانا قاری عبدالرشید صاحب** مدظلہ عنایت فرمائیں گے۔

☆...... قارئین اپنے مسائل وپریشانیاں صاف ستھرے کاغذ پر لکھ کر ماہنامہ حیا کے پتہ پر ارسال کریں، یا ای میل کریں۔

☆...... لفافہ پر روحانی ڈاک کا عنوان ضرور لکھیں۔

1984ء میں کیا گیا یورپ کا دلچسپ اور معلوماتی سفرنامہ

آج یکم مئی ہے اور عام تعطیل ہے۔ یکم مئی مزدوروں کا دن کہلاتا ہے۔اس دن محنت کشوں اور اس طبقے کے مقام کو انسانی معاشرے میں اپنی صحیح سطح اور سمت دینے کیلئے تمام دنیا میں اجتماعات ہوتے ہیں اور تقاریر ہوتی ہیں اخبارات ورسائل کے باقاعدہ ضمیمے نکلتے ہیں۔

آج بھی چھٹی ہے، میں نے کل فرخ کا بری طرح انتظار کیا مگر مایوس ہوکر تنہا ہی باہر نکل کر فٹ پاتھ ناپتا رہا اور لوگوں کو ادھر اُدھر جاتے ہوئے دیکھتا رہا، شاید فرخ صاحب یہ سمجھ گئے ہوں کہ میں بہت زیادہ تنہائی پسند ہوں۔اس لئے وہ اپنے کاموں میں مصروف رہے حالانکہ شریف آدمی مجھے خود بتلا کر گئے تھے کہ میں ضرور آؤں گا۔

کل ساڑھے گیارہ بجے باہر نکل کر سینٹ میری چرچ کے سامنے وسیع لان میں بینچ پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرتا رہا اور ساتھ ہی دھوپ میں تمازت آفتاب سے محفوظ ہوتا رہا۔ یہاں فرانس میں اب تک دھوپ بہت اچھی لگتی ہے اور لوگ اب بھی اوور کوٹ پہن کر پھرتے ہیں، پچھلے ہفتے سے یہاں سردی زیادہ ہوگئی ہے۔ عین دوپہر کے بعد سے تیز اور سرد ہوائیں چلنے لگتی ہیں تب دھوپ میں بیٹھے ہوئے لوگ اندر بھاگ جاتے ہیں۔

کل جب میں اپنے ہوٹل سے نکل رہا تھا تو کاونٹر پر ایک لحیم وشحیم اور فربہ اندام فرنچ سے (جو انگریزی تھوڑی بہت سمجھ لیتا ہے) میں نے کہا کہ میرا دوست آئے گا تو اُسے بتادیں کہ میں چرچ کے سامنے دھوپ میں بیٹھ کر اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ جیسے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سینٹ میری چرچ میرے ہوٹل سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔تھوڑی دیر تامل کرنے کے بعد وہ موٹا بول پڑا۔''آ وی وی'' اس نے مجھے اشارے سے سمجھایا کہ ہاں جب آپ کا دوست آئے گا تو میں

اسے بتلادوں گا کہ آپ چرچ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی انہیں الفاظ میں اسے جی ہاں کہا ''وی وی موسیو۔میغسی''۔

چرچ کے سامنے کئی لوگ بیٹھے تھے، بوڑھے جوان اور بچے، مرد اور عورتیں اس کے عین سامنے (RUE DE PARIS) یعنی شاہراہ پیرس ہے جو ایک عام گزرگاہ ہے جو صرف پیدل چلنے والوں کیلئے ہے۔یہ شرعاً غرباً واقع ہے،فرانس میں چھوٹی گلیوں کی گزرگاہوں سڑکوں اور پیدل چلنے والوں کے راستے کو بھورے اور مٹیالے سیاہ رنگ کے پتھر سے بنایا گیا ہے جن کو یہ لوگ (COBBLE STONE) کہتے ہیں، یہ بڑا سخت پتھر ہے، عام طور پر فٹ پاتھوں میں بھی یہی پتھر استعمال کیا گیا ہے۔شہروں کی سطح ہموار نہیں ہے، اس میں زیر وبم یعنی نشیب وفراز موجود ہیں۔بارشیں چونکہ بہت ہوتی ہیں اس لئے نکاسی آب وہوا کا طریقہ بہت اچھا ہے۔

پیدل چلنے والوں کیلئے سڑک عین میرے سامنے تھی۔ جس کے دونوں طرف ہر قسم کی بڑی بڑی دکانیں تھیں یہ صرف ایک سڑک نہیں بلکہ آگے کی طرف مغرب کی سمت جا کر یہ شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے عین وسط میں بڑے بڑے پتھروں کے دیوہیکل گملے لگے ہوئے ہیں جن میں درخت، بیلیں اور خوشبو دار پھول لگے ہوئے ہیں، سڑک پر بھورے اور سیاہ رنگ کے پتھروں میں سفید پتھروں کے نیم دائرے قسم کے نقش بنے ہوئے ہیں۔گویا پیدل چلنے والوں کیلئے جو خرید وفروخت کرتے ہیں اور نوجوان جوڑوں کیلئے جو یہاں مٹر گشت کرتے ہیں ایک قسم کی خوبصورتی اور کشش وجاذبیت رکھی گئی ہے۔

ایسٹر کے موقع پر میں نے اسی پیدل پٹی کے چوک پر رات کو بڑا جمگھٹا دیکھا تو مجھے بھی دیکھنے کی تمنا ہوئی کہ دیکھوں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں قریب جا کر دیکھا تو ایک فرانسیسی ننگ دھڑنگ سر پر اللہ دین والی ہرے رنگ کی پگڑی رکھے ہوئے کمالات دکھا رہا تھا۔ میں نے صرف ایک دو جھلک دیکھے۔ یہاں کے لوگ بڑے دراز قد ہوتے ہیں پنجوں پر کھڑے ہوکر میں نے دیکھنے کی کوشش کی تو کمر تک وہ مجھے ننگا نظر آیا۔ وہ آنکھ بند کرکے اس سے ایک موٹا دھاگہ کھینچ رہا تھا۔مگر آنکھ کھلتی نہیں تھی اور ساتھ ساتھ وہ اپنی زبان میں کمنٹری بھی کرتا جارہا تھا۔

میں نے دل میں کہا کہ بڑا تنگڑا آدمی ہے اس قدر سردی میں بھی ننگا کھڑا ہے۔

ہاں تو میں صبح کے وقت فرخ کا انتظار کی بات کر رہا تھا، اس وقت عین سامنے سے دو بچے نکل کر میرے قریب آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں مختلف قسم کے خوشنما پھول پلاسٹک کے تھیلوں میں بند نظر آرہے تھے۔ ایک بچہ بہت شریر اور پیارا لگ رہا تھا شاید اس لئے کہ اس کی شکل میری بچی نونی سے

بہت ملتی تھی وہ میرے قریب آیا اور اپنی زبان میں کہنے لگا کہ یہ پھول آپ لے لیں اور مجھ آٹھ فرانک دے دیں، میں سمجھ گیا مگر قصداً میں اس کو ٹال رہا تھا۔ اسے اشارے سے سمجھا رہا تھا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے میں چاہتا تھا کہ یہ بچہ دیر تک میرے پاس رہ کر باتیں کرتا رہے اور میں اُسے دیکھتا رہوں۔ آخر وہ نا اُمید ہو کر ٹیلی فون بوتھ چلا گیا جو مجھ سے تقریباً پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر تھا۔ پھر وہ ایک ٹیم میں شامل ہو کر دوبارہ میرے پاس آیا۔ اب اس کے ساتھ تین اور بچے تھے جو کہ آٹھ دس سال کی عمر کے ہوں گے اور ایک خاتون جو کہ ایک شیر خوار بچے کو ایک چھوٹی سی گاڑی میں لئے ڈھکیل رہی تھی یہ سب میرے پاس آ گئے۔ وہی شریر اور موہنی صورت والا بچہ میرے قریب آیا اور پھول میرے آگے کر دیئے وہ سارے اپنی زبان میں باجماعت بات کر رہے تھے۔ آخر میں وہ خاتون بھی بول پڑی۔ اس خاتون کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر میک اپ کے کوئی آثار نہیں تھے۔

بچوں نے ایک مرتبہ پھر بات کی، اب کے وہ کہنے لگی کہ تو انگلی میں نے کہا کہ ہاں میں انگلی جانتا ہوں پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کی نیشنلٹی کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں پاکستانی ہوں۔ سب کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ''پکتانی، پکتانی'' اور وہ حرکت کرنے لگے۔ میں نے ان کو روکا۔ پھر بٹوے سے آٹھ فرانک نکال کر نوٹی نما بچے کے حوالے کئے اور اس کو پیار کیا، اس نے پھولوں کی پڑیا پیش کی جو میں نے اس سے لے کر اپنے سویٹر میں لگالی اب یہ ان اکا ایڈونچر تھا یا کیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ عورت نادار اور عیال دار ہے۔ شاید یہ بچے اس کی اسی طرح مدد کرنا چاہتے ہیں اور پھر جب میں نے بتادیا کہ میں پاکستانی ہوں تو پھر میری قوم کی آن وعزت کا سوال تھا کیونکہ پاکستان کا نام سن کر وہ حرکت کرنے لگے تھے۔ یعنی وہاں تو غریب اور نادار ہی رہتے ہیں یا پھر میرا پردیسی ہونے کو انہوں نے محسوس کر لیا تھا مگر میں ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا تھا کہ ہم غریب ضرور ہیں مگر دل کے لحاظ سے، ضمیر کے لحاظ سے، غیرت کے لحاظ سے اور انسانی ہمدردی کے لحاظ سے بالکل غریب نہیں ہیں۔

میں اس بچے کو رقم دے کر بہت خوش ہوا حالانکہ پردیس میں انسان کے پاس گنی چنی رقم ہوتی ہے جس کو بہت احتیاط سے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ دینے والا نہ معلوم کس کے وسیلے سے کس وقت اور کہاں دے دیتا ہے، چلو یار توکل کرو، کہ تم میرے بندوں پر رحم کرو گے تو میں تم پر رحم کروں گا۔ میرے لئے سکونِ قلب کا باعث ہے۔

دو بجے تک میں نے فرخ کا انتظار کیا پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑا، وہاں جا کر گرم

گرم پانی کی دو پیالیاں پی لیں اور اڑھائی بجے واپس اپنے ہوٹل آیا، اس خیال سے کہ کل پھر تعطیل ہے، کھانے کا پورا سامان لے کر کمرے میں گیا آج پھر وعدہ خلاف کا انتظار ہے مگر تھوڑی دیر تک۔ آج حسب معمول پونے بارہ بجے ہوٹل سے نکلا اور سیدھا انسٹی ٹیوٹ گیا۔ خیال تھا کہ اگر فرخ وہاں کام کرتا ہوا مل گیا تو اس پر بُری طرح ناراض ہو کر اسے باہر نکال لوں گا اور اس جھوٹے کو اپنے وعدے یاد دلاؤں گا۔ جب انسٹی ٹیوٹ پہنچا تو بڑا گیٹ بند تھا، ساتھ کا چھوٹا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے ایک جوڑا نکل رہا تھا لڑکے سے میں نے بات کی تو وہ انگریزی میں جواب دینے لگا مجھے اس سے دلچسپی سی پیدا ہو گئی۔ میں نے اس سے کئی سوال کئے، اللہ بھلا کرے اس کا وہ میرے ساتھ لیبارٹری کے اندر چلا گیا فرخ جہاں کام کرتا ہے اس حصے میں ہم نے جا کر دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا یوں لگتا تھا جیسے ابھی سب لوگ کام چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ سارے کمرے اور سیکشنز کھلے ہوئے تھے۔ اس نوجوان نے بتایا کہ وہ فرنچ آرمی میں زیر تربیت آفیسر ہے اور تعطیلات میں ان کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی جاتی ہے کہ جا کر تعلیم و تربیت اور تحقیق کے ادارے دیکھ لیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ آپ کے یہاں لوگ انگریزی یا دوسری زبان کیوں نہیں بولتے حالانکہ ہماری جیسی ٹوٹی پھوٹی زبان تو اکثر لوگوں کو آتی ہے، اس نے جواب دیا کہ فرانسیسی لوگ غیر زبانوں کو پسند نہیں کرتے ہیں سوائے جرمنی کے، ہاں اگر کوئی شخص انگریزی جانتا ہو تو وہ دنیا کے ہر خطے میں ہر زبان بولنے والوں کے ساتھ گزارہ کر سکتا ہے، میں نے اس سے کہا کہ مانا کہ فرانسیسی بہت فصیح و بلیغ زبان ہے اور لوگ بہت شائستہ و مہذب ہیں مگر دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ ان کا رابطہ کس زبان میں ہوگا اور کیا ان کو دیگر زبانیں سیکھنی چاہئیں کہ نہیں؟ اتفاقاً میری نظر اس کی دوست پر پڑی جو باہر سڑک کے کنارے گاڑی میں بیٹھی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی اس کے چہرے پر بے چینی اور اضطراب کے کوئی آثار نہیں تھے اور بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے ساتھی کا انتظار کر رہی تھی، اصل میں یہ لوگ کسی کی مدد کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔

اہالیانِ فرانس کی ہنگامہ خیز زندگی:......

ٹرین برق رفتاری کے ساتھ برن پہنچ کر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر رُک گئی۔ اور ہم اُتر کر زمین دوز شاپنگ آرکیڈ چلے گئے۔

میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کو ایک ہوٹل میں کھڑے ہو کر اخبار پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس سے علیک سلیک کرنے کے بعد سعودی عرب کے سفارتخانے کا پتہ دریافت کیا وہ شخص قدرے تامل کے بعد عینک اُتار کر اور اخبار لپیٹ کر بولا:

آیئے! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، ہم

دونوں ٹرام میں بیٹھے اور کچھ دیر کے بعد اُتر کر ایک بلڈنگ کے سامنے رک گئے اس نے مجھے ایمبیسی کے دروازے تک لے جا کر چھوڑا۔''

تب سے ان لوگوں کیلئے میرے دل میں قدر ومنزلت پیدا ہوگئی ہے، انسان دوستی میں اہل مغرب کا جواب نہیں حیوان دوستی، نباتات دوستی، جمادات دوستی یعنی کہ کل کائنات دوستی میں ان کا جواب نہیں ہے۔

میں قصہ سنا رہا تھا اس فرانسیسی نوجوان افسر کا، اس نے میرے سوال کا مثبت جواب دیا کہ جی ہاں! ان کو مختلف حصوں میں رہنے والے لوگوں سے ربط پیدا کرنے کیلئے ان کی زبانیں سیکھنی چاہئے، میں نے اُس سے کہا کہ میں پاکستانی ہوں وہ پوچھنے لگا کہ آپ نے انگریزی بولنا کیسے سیکھا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ ہمارا ملک بشمول بھارت اور بنگلہ دیش ایک برٹش کالونی تھا اس لئے ہماری زبان ذریعہ تعلیم کیلئے انگریزی ہی بنی، حالانکہ اب ہماری قومی زبان اُردو ہے جو ان تین مذکورہ ملکوں (پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش) میں بولی جاتی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ آپ کی مادری زبان ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میری مادری زبان پشتو ہے جو میرے ملک کے ایک بڑے حصے افغانستان میں بولی جاتی ہے مگر میں بچپن ہی سے اسکول میں اردو فارسی اور انگریزی زبانوں کی تعلیم حاصل کی ہے اور ٹوٹی پھوٹی عربی بھی بولتا ہوں، اس کی تعلیم میرے والد محترم نے مجھے گھر پر ہی دی ہے آخر میں اس نے کہا کہ آپ کئی زبانیں جانتے ہیں اس لئے آپ مجھ سے اچھے ہیں، یہ کہہ کر وہ بھاگا اور اپنی گاڑی میں تیزی سے گھس کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور میں واپس بے نیل ومرام ریلوے اسٹیشن کی طرف جہاں ہر وقت رونق رہتی ہے چل پڑا۔

وہاں جا کر ایک ہوٹل کے باہر کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھا، بیرا آ کر کہنے لگا ''وی موسیو''؟ میں نے کہا ''آن کیفے آگراں اَے دو لے اے آن سینڈوی فغو ماش'' یعنی ''دودھ والی کافی کا ایک بڑا کپ اور پنیر کا ایک سینڈوچ لے آؤ'' میں نے سینڈوچ مزے لے لے کر کھایا اور کافی پی۔ چونکہ پیدل چلتے چلتے اور پھرتے پھرتے تھک گیا تھا اور اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے اس لئے آدھ گھنٹہ وہیں بیٹھا خلقِ خدا کو دیکھتا رہا اور پھر ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں جا کر ٹرینوں کی آمد ورفت کی ایک کاپی (ٹائم ٹیبل) انفارمیشن کاؤنٹر بھی بیٹھی ہوئی خاتون سے لے کر اپنے ہوٹل لوٹا۔

۲ مئی کو ٹھیک نو بجے انسٹی ٹیوٹ پہنچا۔ ڈاکٹر عزیز کے کمرے میں، جہاں میں اپنا سامان رکھتا ہوں، گیا سلام ودعا کے بعد انہوں نے لانگ ویک اینڈ کا پوچھا میں نے جواب دیا کہ اکیلے ہی پھرتے رہے، فرخ شاید بیمار ہوگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جمعہ کے روز انشاء اللہ میں آپ کو اپنی

گاڑی میں سیر کراؤنگا۔ پھر انہوں نے میری مطالعہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ ہم نے ہر حصے میں تسلی بخش کام دیکھا ہے میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں۔ وہ انشاء اللہ متعلقہ اشخاص سے دریافت کرلیں گے۔

لیبارٹری کے جس حصے میں فرخ کام کرتے ہیں وہاں جا کر دیکھا تو وہ موجود نہیں تھے، میرے شک کو تقویت مل گئی کیونکہ تھوڑی دیر بعد جب وہ آئے تو کہنے لگے کہ میں تو بستر سے اُٹھا ہی نہیں ہوں، ہم نے ان کو دوائیوں اور پرہیز کے متعلق چند باتیں بتائیں۔

مستقبل میں اپنے وطن میں تحقیقی کام کیلئے میں نے ڈاکٹر افشاں کے ساتھ طویل بحث کی، انہوں نے اس کام سے متعلق لیباٹری کا تجرباتی مواد میرے حوالے کیا اور وہیں نچلی منزل میں اس کی فوٹو کاپی کرنے چلا گیا۔ وہاں پر میں فوٹو کاپی والے کمرے میں کھڑا اپنے کام میں مشغول تھا کہ پروفیسر کیپرن صاحب اس کمرے میں آگئے تقریباً دو ہفتے بعد ان سے ملاقات ہوئی تھی، اصل میں جب پہنچا تھا تو انہوں نے اس وقت مجھے دیکھ لیا تھا جب میں چند مہمانوں کو رخصت کرنے لگا تھا پروفیسر صاحب پوچھنے لگے کہ کیا حال ہے بھئی؟ ٹھیک تو ہو تم؟ کیسے کام چل رہا ہے؟ کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟ میں نے عرض کیا کہ باقی تو سب ٹھیک ہے بس زبان کا مسئلہ ہے، وہ کہنے لگے کہ فکر نہ کریں آہستہ آہستہ آپ بھی ہماری زبان سیکھ لیں گے۔ اور کوئی بات انہوں نے باہر جاتے ہوئے میرے کندھوں پر ایک اچھے دوست کی طرح ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب! میں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں اور آپ کیلئے ہمہ وقت دُعا گو ہوں یہ سن کر وہ اپنی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گئے۔ ویسے پروفیسر صاحب بہت مصروف آدمی ہیں ان کے ساتھ بات کرنا بہت مشکل ہے یہ اُن کی شفقت تھی کہ مجھے مہمان سمجھ کر خود میرے پاس چلے آئے تھے۔

میں نے آج لندن میں مقیم اپنے عزیز دوست ارباب خان خٹک سے ٹیلی فون پر بات کی، ان کا حال پوچھا میرے وہاں جانے کے متعلق بھی بات ہوئی، خواجہ اعجاز صاحب سے پیرس بھی ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی فون اتفاق سے ان کی بیگم صاحبہ نے اٹینڈ کیا میں نے مودبانہ عرض کرتے ہوئے اعجاز صاحب کے بارے میں دریافت کیا تو بیگم صاحبہ کہنے لگیں کہ وہ دفتر نکل چکے ہیں اور اب راستے میں ہوں گے، انہوں نے بتایا کہ وہ جمعہ کے روز آپ کے شہر لیل آرہے ہیں آپ کی ان سے ملاقات ہوجائے گی، خٹک صاح کا شفقت نامہ بھی ملا جس میں میرے ان کے پاس جانے سے متعلق تفصیل سے باتیں لکھی ہوئی تھیں آج مجھے قوی اُمید تھی کہ گھر سے بھی خط آجائے گا مگر مایوسی ہوئی۔

ڈاکٹر عزیز صاحب نے آج مجھ سے کہا کہ

ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک ہندوستانی کا ہوٹل ہے جس کا نام ''اشوک ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ'' ہے۔ وہاں ایک شخص یاسین نامی کام کرتا ہے، آپ جاتے ہوئے اس سے ہاکی میچ کا وقت اور جگہ کے سلسلے میں پوچھ لیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ میں انسٹی ٹیوٹ سے اسی راستے سے آیا یہ ہوٹل میں نے پہلے سے دیکھا ہوا تھا ہوٹل پہنچ کر میں اندر گیا تو وہ ہندستانی جوان کاونٹر پر کھڑا نظر آیا، وہ ایک میز پر پلیٹیں سجا رہا تھا اس شخص نے مجھ سے کہا کہ ''بوں ژوغ موسیو'' میں نے جواب دیا اور انگریزی میں پوچھا کہ یہاں میں یاسین نامی شخص کو ڈھونڈ رہا ہوں تو اس نے جواب دیا کہ بندہ حاضر ہے اور میں یاسین ہوں، فرمایئے کیا حکم ہے میرے لئے؟ میں نے ہاکی میچ کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ ہاکی گراونڈ یہاں سے سات کلومیٹر دور ہے جمعہ کے روز آپ اسی ہوٹل میں آجائیں تو میں آپ کو لے چلوں گا، میں خود ہاکی کا کھلاڑی ہوں بلکہ یہ بات ہے کہ میں انڈین ہوں اس لئے فرنچ ٹیم میں نہیں کھیل سکتا، ویسے میچ دیکھنے کیلئے جاؤں گا۔ یاسین صاحب اشوک ہوٹل میں ویٹر ہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ہوٹل پہنچا۔

آج صبح سے فضا ابر آلود ہے اور سہ پہر سے ہلکی بارش کا سلسلہ بھی شروع ہے۔ آج جب میں تقریباً سوا تین بجے ہوٹل پہنچا تو کاونٹر پر مسٹر آندرے بیٹھا ہوا تھا۔ موصوف بڑا خوش مزاج آدمی ہے اور انگریزی بول سکتا ہے سمجھ سکتا ہے، میں اکثر اس سے فرانسیسی زبان تھوڑی تھوڑی کر کے سیکھتا ہوں، حسبِ معمول میں نے سلام دُعا کے بعد کاغذ کے ٹکڑے پر چند الفاظ اور گنتی کے چند اعداد لکھے اور کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا وہ سمجھ کر ہنسا اور ان الفاظ کے سامنے مساوی کا نشان ڈال کر فرانسیسی الفاظ لکھ لیے، میں نے انہی کے برابر لہجہ اُردو میں لکھ دیا کہ لہجہ ہی مشکل ہے میں نے پوچھا کیا میرا کمرہ تیار ہے؟ اس نے میڈ سرونٹ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ قالین صاف کرنا ہے باقی کام تو ہو چکا ہے۔ میں نے مسٹر آندرے سے پوچھا کہ آپ ان عورتوں سے کتنے گھنٹے کام لیتے ہیں اور کیا تنخواہ دیتے ہیں؟ وہ بولا کہ یہ عورتیں بہت تربیت یافتہ ہیں اور ان سے ہم روزانہ آٹھ گھنٹے کام لیتے ہیں اور ان کو چار ہزار فرانک ماہوار تنخواہ دیتے ہیں یعنی پاکستانی آٹھ ہزار روپے۔

آج 3 مئی ہے اور صبح ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی ہے۔ رات کو بھی بارش ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں اور فٹ پاتھ خوب دھلے ہوئے تھے۔ انسٹی ٹیوٹ پہنچا تو ایک نئے سائنس دان ژودیل پسٹل سے ملاقات ہوئی اور بعد ازاں لائبریری میں جا کر ایمیونالوجی کی کتاب کا مطالعہ کیا۔ ژودیل صاحب نے بتایا کہ وہ اگلے منگل، بدھ، جمعرات

اور کو کلینکل ایمیونالوجی کی لیبارٹری میں جہاں چوہوں کے خیلیے اور ریشے لے کر تجربات کے جاتے ہیں۔ مجھے وہ کام دکھائیں گے۔

آج میں نے پیرس میں خواجہ اعجاز صاحب سے ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی وہ نہیں ملے ان کے پی اے نے بتایا کہ اعجاز صاحب بہت مصروف ہیں۔ کل وہ اور ہم مل کر پاکستان کی ہاکی ٹیم کے ساتھ بارہ بجے لیل پہنچیں گے وہاں آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ساڑھے بارہ بجے انسٹی ٹیوٹ سے نکلتے ہوئے میں نے اپنے خطوط کے ڈبے میں دیکھا کہ شاید گھر سے خط آیا ہو مگر آج پھر مایوسی ہوئی حالانکہ میں نے یکے بعد دیگرے چار پانچ خط لکھ کر بھیجے ہیں۔ خیر اللہ مالک ہے انسٹی ٹیوٹ سے آج پڑھنے کیلئے کافی لٹریچر لایا ہوں اس لئے آج ہوٹل میں اپنے کمرے میں خوب مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ باہر تو ویسے بھی بارش وقفے وقفے سے ہو رہی ہے۔ بارش کی وجہ سے ٹھنڈ بھی ہے۔

اگلے روز حسبِ معمول فضا ابر آلود رہی۔ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور دھند اور کہر کی وجہ سے روشنی بھی کم تھی۔ ہلکی ہلکی بونداباندی بھی ہو رہی تھی۔ آج اپنے کمرے سے دیر سے نکلا کیونکہ علمی کام دیکھنے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ انسٹی ٹیوٹ پہنچا تو گیٹ کے باہر بہت سے جوان مرد اور عورتیں جمع تھیں، پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں فرانس میں (INSERM) ادارہ ہے جو طب اور صنعت کی تحقیق میں دل کھول کر چندے اور عطیات دیتا ہے ان کے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ اور وہ مختلف اداروں میں جا کر وہاں کام کی نوعیت اور افادیت کا معائنہ کرتے ہیں۔ آج لیبارٹریوں میں کوئی شخص کام نہیں کر رہا تھا سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ لوگ آئیں اور ان کے استفسار ان کو تسلی بخش جواب دیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ زندہ قوموں کی علامت ہے۔ یہاں ہر شخص ہی تعلیم یافتہ ہے اور قوم اور اپنے ضمیر کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھتا ہے، انسانیت کی بھلائی اور اجتماعی بہبود کی خاطر یہ لوگ دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔ یہاں گورے اور کالے کی تمیز نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف ایک بات یہ ہے کہ فرانس میں رہتے ہوئے اگر کوئی شخص فرانسیسی زبان نہ بولے تو یہ لوگ اسے حیرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

یہاں شمالی افریقہ کے تین ممالک کے لوگ (مراکش، الجزائر اور تیونس) بھرے ہوتے ہیں اور کچھ مخلوط النسل لوگ بھی نظر آتے ہیں جو شاید فرانسیسیوں اور افریقیوں کی اولاد ہیں۔ میں نے اپنے ہوٹل کے کلرک آندرے سے پوچھا تھا کہ ریلوے اسٹیشن کے آس پاس کے علاقے میں حبشی نسل کے لوگ بہت زیادہ تعداد میں پھرتے رہتے ہیں۔ یہ کیا کام کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ کچھ لوگ تو محنت مزدور کرتے ہیں اور کچھ

طالب علم ہیں ، ویسے میرے لئے ان لوگوں کا یہاں ہونا باعث اطمینان ہے کیونکہ اکثر ان ہی لوگوں سے کسی مقام یا چیز کے بارے میں عربی کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ استعمال کرکے پوچھتا ہوں تو یہ لوگ بڑی فراخ دلی سے جواب دیتے ہیں اور بڑی تیزی اور روانی کے ساتھ عربی بول کر میری یوں تسلی کردیتے ہیں۔ گویا کہ عربی کا ماہر ہوں۔ اگر آپ کے لئے فرانسیسی زبان میں پرابلم ہو تو کسی افریقی عرب سے مدد لے کر آپ اپنا کام چلا سکتے ہیں بشرطیکہ آپ عربی کے چند الفاظ اور کلمات بول سکتے ہوں۔ یعنی یہاں فرانس میں فرانسیسی زبان کے علاوہ دوسری زبان عربی ہے۔

ساڑھے دس بجے جا کر اپنا لیٹر بکس دیکھا تو خالی تھا۔ آج تو مجھے گھر سے خط نہ آنے پر بہت ہی پریشانی اور اداسی ہوئی، بظاہر تو گھر سے چلتے وقت سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ سوائے بڑے بھائی کے ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ دل میں قسم قسم کے اوہام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی امان میں رکھے، بارہ بجے میں اپنے ہوٹل آرہا تھا چونکہ ہفتہ اتوار کی تعطیلات کل سے ہو رہی ہیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں خریدی جائیں۔

ایک جگہ لوگوں کا ہجوم نظر آیا تو عجیب سا لگا کہ کام والے دن یہ ہجوم کیسا؟ وہاں جا کر دیکھا تو پولیس والوں کی دو گاڑیاں جن کے اوپر ہنگامی سرخ بتی چکر کاٹتی ہوئی نظر آرہی تھی اور ڈاکٹروں کی ایک ٹیم ایک بڑھیا کو (جو لب سڑک اپنے اوور کوٹ پر پڑی ہوئی ہے) کو دیکھ رہی ہے، یہ لوگ نرمی اور پیار سے اس کے ساتھ گفتگو بھی کر رہے تھے۔ اور اس کے علاوہ ضروری مداوا بھی۔ مگر بڑھیا تیزی سے چیخ چیخ کر اپنی زبان میں غرا رہی تھی۔ میں اگر کسی سے اس حادثے کے بارے میں پوچھتا بھی تو بہت زیادہ وقت لگتا۔ میں زبانِ حال ہی سے سمجھ گیا کہ یہاں جب عام زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کی کس قدر دلجوئی اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور حادثہ سے دوچار ہونے والا شخص پولیس کے عملے، ڈاکٹروں اور راہگیروں کی بہت ساری شفقتیں اور محبتیں سمیٹ کر اپنے گھر تک پہنچتا ہے، کاش ہمارے ملک میں بھی ایسا ہو!

ہوٹل پہنچا تو ایک بجے خواجہ صاحب کے پی اے محمد اقبال کے ساتھ ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی جو (IBIS) ہوٹل میں ہاکی کے کھلاڑیوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں آپ کو چار بجے خواجہ صاحب کے بارے میں ٹیلی فون پر بتادوں گا۔ ٹھیک چار بجے اقبال صاحب نے بتایا کہ ہاکی کا میچ پاکستان اور ملائیشیا کے درمیان نارڈ اسٹیڈیم نف ویل ڈاسک کے علاقہ میں شام سات بجے ہوگا۔ آپ وہاں آجائیں تو ملاقات بھی ہوجائے گی۔

میں نے ساڑھے چھ بجے ریلوے اسٹیشن جا کر

یہاں کے زمین دوز ریلوے (METRO) کا ٹکٹ ساڑھے پانچ فرانک میں آٹومیٹک ٹکٹ گھر سے خریدا اور نیچے میٹرو کے پلیٹ فارم پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ تیز رفتار ٹرین ہر دو تین منٹ کے بعد آتی ہے اور شہر کے دور دراز علاقوں میں رہنے اور کام کرنے والوں کے لئے باعث آرام واطمینان ہے۔

اسٹیڈیم پہنچا، میں فراان کا داخلہ ٹکٹ خریدا سامنے اقبال صاحب کھڑے تھے ان سے ملاقات ہوئی میچ شروع ہوچکا تھا۔ ہم میچ دیکھنے لگے۔ اپنے نامور کھلاڑیوں حنیف خان منظور جونیئر، کلیم اللہ اور حسن سردار وغیرہ کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ (انٹرول میں خواجہ صاحب ملے انہوں نے اپنی بیگم صاحبہ سے متعارف کروایا اور ساتھ ہی بیٹھا دیا ہم میچ بھی دیکھتے رہے اور باتیں بھی کرتے رہے۔ ان کو میں نے بتایا کہ میرا پروگرام یہ ہے کہ یہاں مطالعہ ختم کرکے غالباً ۲۶ مئی کو پیرس آؤنگا۔ وہاں تین چار روز رہ کر اسٹاک ہوم چلا جاؤنگا۔ خواجہ صاحب بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے مجھے ان دنوں فرصت ہوگی۔ میں آپ کو خوب سیر کراؤنگا کیونکہ ۱۵ اور ۱۶ مئی تک میں مصروف ہوں، پیرس میں کوئی سیمنار ہو رہا ہے جس میں شرکت کرنے کیلئے پاکستان کے اسکالرز ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر خورشید، جسٹس تنزیل الرحمٰن وغیرہ آرہے ہیں، ان کی آؤ بھگت اور خاطر مدارت میرے ذمے ہے پرسوں میں یہاں سے ہیگ جارہا ہوں اور دو روز بعد پیرس لوٹوں گا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا میچ ختم ہوا پاکستان ملائیشیا سے ایک کے مقابلے میں چار گول سے جیت گیا۔ میں اسٹیڈیم سے واپس ایک پاکستانی بھائی رحمانی کے ساتھ میٹرو سے ریلوے اسٹیشن گیا اور پھر وہاں سے تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اپنے ہوٹل پہنچا کیونکہ مغرب کی نماز قضا ہو رہی تھی یہاں سورج نو بجے کے بعد غروب ہوتا ہے اور جون جولائی میں تو ساڑھے دس بجے غروب آفتاب کا وقت ہوتا ہے۔

آج ہفتے کا دن ہے اور تعطیل ہے۔ یہاں ہفتے کے روز بازاروں میں دکانیں کھلی رہتی ہیں اور لوگ خریداری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس لئے رونق ہوتی ہے۔ فضا حسب معمول ابر آلود ہے، ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مضمون اور عنوان کے مطابق کتابوں اور جدید تحقیقی مواد کا مطالعہ کرتا رہا، تقریباً دو بجے دوپہر کا کھانا اپنے کمرے میں کھایا اور کپڑے تبدیل کرکے نیچے سیڑھیوں پر اتر رہا تھا کہ سامنے ہوٹل کے دروازے میں فرخ صاحب نظر آئے تو میں نے کہا "چشم ما روشن دلِ ماشاد" میں ابھی آپ سے ٹیلی فون پر بات کرنے والا تھا یہ دیکھ لو آپ کا فون نمبر اور ایڈریس میں کمرے سے اُٹھا کر لا رہا ہوں۔ وہ میرے ساتھ اوپر میرے کمرے میں آئے اور کیمرہ ساتھ لینے کو کہا کہ آج ہم آپ کی تصویر لیں گے۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

اک مسافر تھا کچھ دیر ٹھہرا یہاں
وقتِ آخر وہ بھی روانہ ہوا
بات کل کی تھی ایسے لگتا ہے یوں
جیسے بچھڑے ہوئے اک زمانہ ہوا!

''موت''...... اس دنیا کی تلخ ترین حقیقت ہے موت...... اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے مگر دنیا کا کوئی انسان اس سچائی کو ماننے کو تیار نہیں، انسان آخر دم تک موت سے لڑتا ہے، موت کے خلاف تدبیر کرتا ہے، مگر موت وہ اپنے ظالم پنجے ضرور گاڑھ لیتی ہے، جہاں موت رقص کرتی ہے وہاں ویرانیاں اتر آتی ہیں، دیکھو ان بستیوں کو جہاں موت نے رقص کیا۔ آج ان بستیوں میں وحشت کے سناٹے ہیں، موت کا ذکر ہمیشہ اداس کردینے والا خوفزدہ کردینے والا ہوتا ہے، جس گھروں میں موت کا فرشتہ اترتا ہے وہ گھر الدنیا متاع الغرور (دنیا دھوکے کا گھر ہے) کی تشریح بیان کرنے لگتے ہیں۔

ابراہیم صاحب کا گھرانہ نماز روزے کی حد تک دین کے قریب تھا، باقی سارے معمولات دنیاداری کے مطابق تھے، بڑھاپے میں پہنچ کر ابراہیم صاحب بس دین کے ہی ہو رہے، وہ سائنس ٹیچر تھے مقامی ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، پورے شہر میں سے آدھے سے زیادہ شہر اُن سے بائیو کمسٹری، فزکس و میتھ کی ٹیوشن پڑھتا تھا، اس شہر میں سینکڑوں لوگ ان کے شاگرد تھے، علاقے کے معزز لوگوں کے بچے ان سے تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کے شاگردوں میں سے اب کئی ڈاکٹر تھے۔

ابراہیم صاحب کے انہی شاگردوں میں سے دو ڈاکٹر 30 سالہ ایک نوجوان پر جھکے ہوئے تھے، دو مزید بھی ان کے ساتھ جھکے اس خوبصورت نوجوان کے مردہ ہوتے دل کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

سر آپ باہر جائیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

ایک ڈاکٹر نے دائیں طرف کھڑے ڈاکٹر سے کہا، تو باقی سب چونک کر اپنے اس سینئر ڈاکٹر کو دیکھنے لگے۔

وہ ڈاکٹر آفاق غوری تھے، 40 کے قریب ان کی عمر تھی اور وہ زندگی و موت کی جنگ لڑتے مریض کے جگری دوست تھے۔ ان کا دوست ان ہی کے پاس بیٹھا تھا، جب یکدم انہوں نے اسے سینہ ملتے دیکھا اور پھر یہ ہنستا مسکراتا زندگی سے بھرپور شخص آپریشن ٹیبل پہ لیٹا زندگی موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔

مم...... میں ٹھیک ہوں...... کک...... کچھ...... امف...... آفاق غوری کے منہ سے نکلنے والے بے ربط الفاظ نے تصدیق کردی وہ کس حد تک ٹھیک ہیں۔

نو سر! آپ میرے ساتھ آئیں پلیز ڈاکٹر شہزاد قادری آچکے ہیں، آپ چلیں نوجوان ڈاکٹر نے انہیں کہنی سے تھاما اور اپنے ساتھ لئے باہر جانے لگے۔ ڈاکٹر شہزاد قادی کے ساتھ دو ڈاکٹر اور بھی تھے جو بجلی کی پھرتی سے آگے بڑھے تھے اس طرح چھ ڈاکٹروں کا پینل زندگی ہارتے انسان کو زندگی جتوانے میں سرگرم تھا، لمحے سرکنے لگے زندگی کی شمع اک کھلے میدان میں رکھی تھی تیز ہوا کے تھپیڑے اس شمع کو بجھا رہے تھے، ڈاکٹروں کے پینل نے ساری ٹیکنالوجی ایکٹیو کردی، برطانیہ سے تعلیم حاصل کرنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر شہزاد قادری اور سلیم چودھری سر توڑ کوشش میں تھے مگر اس ساری ٹیکنالوجی کو ان سب اعلیٰ ڈگریوں کو رب کریم کے اس اعلان نے مات دے دی۔

ترجمہ: ''پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے، اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس شخص کے بہ نسبت تمہارے لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو، وہ جسم سے نکلی روح کو اس میں واپس لوٹا کر دکھاؤ''۔ (سورہ واقعہ)

حسرت آنکھوں میں لیے وہ روانہ ہوا
موت کی ایک ہچکی بہانہ بنا
سانس کی ڈوری ٹوٹی تو سب موتی زندگی
بکھر گئے، ڈاکٹروں کے پینل کے ہاتھ یکدم تھم گئے۔

لوگ کہتے ہیں ڈاکٹر بے حس ہوتے ہیں ان کے سینے میں دل نہیں پتھر ہوتا ہے، مگر یہ سب غلط ہے، مریض جب ڈاکٹر کے ہاتھوں میں دم توڑتا ہے تو اسے سب سے زیادہ دکھ ہوتا ہے، مگر وہ ظاہر نہیں کرتا کیونکہ اگر ظاہر کرے تو کوئی اسے ڈاکٹر نہیں کہے گا۔

بی بریو آصف...... بہادر بنو! ڈاکٹر شہزاد

قادری نے نوجوان ڈاکٹر کا کندھا تھپتھپایا جس کی آنکھوں میں آنسو تھے ،شکست خوردہ قدم باہر کی سمت بڑھے تھے۔

بچھڑے لوگ کبھی لوٹ کے نہیں آتے مگر
بس فقط یادوں کے کچھ نشان ہوا کرتے ہیں

☆......☆......☆

طاہرہ مجھے ساری دوپہر نیند نہیں آئی، جا کر گراج میں دیکھو رسیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جن کو باندھ کر ایک رسا بنایا گیا ہے، یہ اس رسے کو لے کر گیا تھا ابوظہبی نہر پر اس کو ذرا میرا خیال نہیں ،آنکھوں میں آنسو لیے صابرہ خاتون اپنی بڑی بیٹی سے شکایت کر رہی تھیں، چائے کا کپ منہ کو لگائے ابرار نے مسکراہٹ روکنے کی ناکام کوشش کی۔

شرم تو نہیں آتی ، ماں کو تنگ کر کے کیا ملتا ہے کتنی قیمتی جان ہوتی ہے یہ پتہ ہے تمہیں؟ طاہرہ کے ملامتی انداز پر وہ ہنسا ،امی یوں ہی پریشان ہوتی ہیں باجی اتنا گہرا پانی نہیں تھا بس یہاں تک تھا سینے پر ہاتھ رکھ بتایا تو طاہرہ نے ایک دھموکا جڑ دیا ،ابرار مسکرانے لگا......منظر تبدیل ہوا تو سامنے ابرار ابراہیم کا بے جان جسم پڑا تھا، کافور کی خوشبو چہار سمت پھیلی ہوئی تھی ، طاہرہ کی آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سوج چکی تھیں، باہر مرد حضرات کا تانتا بندھا ہوا تھا، ہیڈ ماسٹر ابراہیم احمد کے سب سے چھوٹے جوان سال بیٹے کی وفات نے ہر دل کو دکھی کر دیا تھا، ابراہیم صاحب مشیت باری تعالیٰ پر راضی برضا بیٹھے تھے، دل اگر چہ غم کی شدت سے پھٹ رہا تھا مگر صبر و ہمت کا پہاڑ بنے بیٹھے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے بیٹے کی وفات پر صبر و برداشت کا مظاہرہ کر کے جو درس دیا تھا اس درس کو یاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، بیٹوں کی وفات پر صبر کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور سنت کی پیروی کرنے والے ہی فلاح وبقا کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں ،ان کا ایک کولیگ کندھے پر ہاتھ رکھے ان کو کچھ کہہ رہا تھا ،وہ سن رہے تھے سامنے دیکھتے دیکھتے بہت سے دائرے بننے لگے جیسے بہ یک وقت کئی دروازے کھل جائیں۔

☆......☆......☆

کیا ہو گیا ہے ابا جی؟ بچہ ہے ابھی یہ، کیوں آپ اس کے پیچھے لٹھ لیکر پڑ گئے ہیں ،چھوڑیں دفع کریں۔

ان کے سب سے بڑے بیٹے سالار ابراہیم نے ان کے ہاتھ سے نیم کی چھڑی پکڑی جو انہوں نے ابرار ابراہیم پر توڑنے کیلئے نیم کے درخت سے توڑی تھی۔

ہاں تم لوگوں کی دی ہوئی چھوٹ ہے یہ آج

اس حد تک بگڑ چکا ہے، یہ نمبر لیے ہیں اس نے ،وہ ماسٹر طارق سارے اسٹاف کے سامنے کہہ رہا تھا ماسٹر صاحب آپ کا بیٹا ریاضی میں فیل ہے، ساری کلاس پاس ہے باپ آدھے شہر کو ریاضی کرواتا ہے اور یہ ریاضی میں فیل ہو رہا ہے۔

سر جھکا کر بیٹھے ابرار کے منہ کے زاویے بگڑے، ابا جی بھی نا! اس نے سر جھٹکا، چلیں چھوڑ دیں اگلی بار کر لے گا تیاری میں کرواؤں گا غصہ تھوک دیں ابا جی، جو ہونا تھا، آپ کیوں پریشان ہیں، رب بہتر کرے گا۔ سالار نے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ ابا نے گردن موڑ کر سالار ابراہیم کو دیکھا تو منظر تحلیل ہو چکا تھا، دائیں طرف بیٹھے سالار ابراہیم ان سے کچھ کہہ رہے تھے یا کچھ بتا رہے تھے، ابرار ابراہیم کی قبر کے بارے میں وہ تیار ہو چکی تھی یا ہو رہی تھی ہونے لگی تھی کچھ ایسا ہی کہا تھا سالار نے جوان کو شاید سنائی نہ دیا دل چارہ رہا تھا کہ کسی کے گلے لگ کر روئیں۔ بہت مشکل ہوتا ہے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ سہنا......مگر ......صبر کرنا تھا......صبر وہ ہی جو وقت پر کیا جائے، ان کے رونے سے چلانے سے بین ڈالنے سے ان کا بیٹا واپس نہیں آنا تھا، موت سب کیلئے درسِ عبرت لاتی ہے، ہمیں چاہیے ہم موت سے ضرور عبرت حاصل کریں، موت کا درد ختم نہیں ہو سکتا مگر اس درد کو میٹھے درد میں ضرور تبدیل کیا جا سکتا ہے، رب سے محبت کر کے دنیاوی آلام ومصائب پر صبر کر کے اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا حصہ مان کر ہم موت کے درد کو اک میٹھے درد میں بدل سکتے ہیں،موت کا درد برا نہیں یہ تو رب سے ملاتا ہے،موت کا درد ان لوگوں کو بہت کم محسوس ہوتا ہے جن کی کروٹیں بستروں سے اپنے رب کی خاطر جدا رہتی ہیں، جن کے قلوب رضائے الٰہی کے متلاشی رہتے ہیں جو جانتے ہیں ہمارے رب نے ہمیں اس دنیا میں ''کیوں'' بھیجا ہے، خدا کی رضا میں بیٹوں کو قربان کر دینا بہت حوصلے کا کام ہے۔ ابراہیم صاحب کو آج اندازہ ہو رہا تھا، کیا کیفیت ہوگی ابراہیم علیہ السلام کی جب انہوں نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی ہوگی، جب بیاباں میں اپنے لختِ جگر کو خدا کے سپرد کیا ہوگا، محمد ﷺ کے ان آنسوؤں کی تکلیف کو تو وہ آج سمجھے تھے جو ابراہیم کی وفات پر ان کی آنکھوں سے نکلے تھے ، بیٹے کی جدائی میں روتے یعقوبؑ کی آنکھوں کی روشنی کیوں بجھ گئی تھی یہ انہوں نے آج جانا تھا۔

اللہ اکبر......اللہ اکبر......اللہ اکبر۔

مسجد کے میناروں سے بلند ہونے والی صدا نے ان کا سکتہ توڑا ،انہیں فلاح وبقا کے راستے پر بلایا جا رہا تھا، انہوں نے نم آنکھوں

سے اردگرد دیکھا، ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے زمین کا سہارا لیکر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے سب لوگ ان کو دیکھنے لگے۔

چلو سالار اور اسرار نماز پڑھنے چلیں، رب کے دربار میں حاضری لگوا آئیں۔

اس کے ساتھ ہی ان کے قدم فلاح کے راستے پر اُٹھنے لگے، ان کو دیکھ کر باقی لوگ بھی اُٹھنے لگے حتی کہ محلے کا وہ شخص بھی اُٹھا جس نے عید کی نماز کے سوا کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ ابراہیم صاحب آگے بڑھتے جارہے تھے دائیں طرف سالار اور بائیں اسرار تھا کل اسی وقت ان کے دائیں طرف ابرار تھا۔ حیا کی شرارتوں کا ذکر کرتا وہ تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا مگر آج ان کی آنکھوں دھندسی اُتر آئی ان کے لب انا للہ کا ورد کرنے لگے۔

بائیں طرف چلتے اسرار کی نظر سبز دروازے والے گھر پر پڑی جہاں سے بلند آواز سے قرآن پڑھتے بچوں کی آوازیں آرہی تھیں، یہ محلے کی بے بے سکینہ کا گھر تھا یہاں سارے محلے کے بچے قرآن پڑھتے تھے اسرار کے اردگرد زرد زمانوں کی روشنی پھیلنے لگی۔

ہرے دوپٹے والی وہ بچی روتی چلی آرہی تھی، اس کے پیچھے خوشی سے بے قابو ہوتا نعرے لگاتا ابرار تھا نیلے رنگ کی دہلیز پار کرتے ہیں اسی بچی نے بلند آواز سے رونا شروع کردیا۔

☆......☆......☆

او بلے بھئی بلے...... بلے بھئی بلے......سونیا کو مار پڑی...... ہی ہی ہی......مزہ آگیا، بے بے جس نے ٹھا ٹھا پورے پونچ ڈنڈے مارے سونیا کو...... ہاہاہا...... اور جیوے بے بے جیوے، روتی لڑکی رونا بھول کر غصے سے ابرار کی طرف مارنے کو لپکی مگر وہ چکما دے کر نکل گیا۔

کیا ہوا ہے سونی؟ باہر سے اندر داخل ہوتے اسرار نے پوچھا۔

بھائی جان۔ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی تھی بے بے نے پورے پانچ ڈنڈے مارے کس کس زور زور سے۔

بھیا میں نے صبح بلو (ابرار) سے پوچھا اذان ہوگئی؟ بولا نہیں میں پھر اُٹھی پھر بولا ابھی نہیں، دن سفید بھی ہوگیا تو بولا آج اذان دیر سے ہوگی، میں سوگئی اس نے چھڑوائی میری نماز اب جا کر بے بے کو بولا میری پوری نمازیں ہیں، سونی نے صبح کی نہیں پڑھی سونی اپنا دکھڑا سنا کر پھر رونا شروع ہوگئی۔ اسرار نے کان سے پکڑلیا ابرار کو۔

شرم تو نہیں آتی، بہن کی ایک تو نماز چھڑوائی اوپر سے اس کو مار پڑوائی ہاں ابرار چیخا، او بھیا بات سنیں کان چھوڑیں، ہائے اوئی اف ہائے ماں تیر ابرار فوت ہوگیا، مغرب کے بعد نمازِ

جنازہ جناح ہال میں ادا کی جائے گی۔

اسرار نے اس بکواس پر کان چھوڑ کر ایک دھپ رسید کی، شرم تو نہیں آتی جوکر ہو پورے۔

ابرار ہنسا، اسرار بھیا نمازِ جنازہ میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں، کہہ کہ وہ بھاگ گیا۔ زرد زمانوں کی روشنی چھٹی تو دیکھا مغرب کا خاموش پُرسکون نور اردگرد پھیل رہا تھا، خفا کافور سے مہکی لگ رہی تھی ابراہیم صاحب نے مسجد کے اندر دایا قدم رکھا۔

الٰہی تیری چوکھٹ پہ بھکاری بن کے آیا ہوں

قدقامت الصلوة ...... قدقامت الصلوة

مسجد میں بچھی آخری صف بھی بھر چکی تھی غمگین سجدے نمکین پانیوں کے ساتھ ادا کئے گئے بعد نماز مولوی صاحب کہہ رہے تھے:

''آج وہ شخص انتقال کرگیا جو اس مسجد کا خاموش خادم تھا، انتظامیہ مجھے ۴ ہزار وظیفہ دے رہی تھی میں نے کبھی کسی سے ذکر نہ کیا، اللہ نے میرے رزق میں برکت دے رکھی تھی مگر ابرار ابرہیم یہ پچھلے ۷ سال سے مجھے ہر مہینے ۵ ہزار دیتا تھا، میں نے بہت بار منع کیا کہ بیٹا تمہاری اپنی چار بچیاں ہیں تم ان پر خرچ کرو تو کہتا مولوی صاحب ان بچیوں کے مستقبل کیلئے ہی تو آپ کو دیتا ہوں، میری چوتھی بیٹی کی پیدائش پر رشتے داروں نے بس سینے نہیں پیٹے، باقی سب کچھ کیا گیا کہ بیٹوں کے نصیب سے ڈر لگتا ہے بیٹیوں سے نہیں، مولوی صاحب! میں اپنی محدود آمدن میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی بچیوں کا نصیب سنوارنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میری بچیوں کو دیکھ کر ہر کوئی یہی کہے کہ:

بیٹیاں تو شان ہوتی ہیں
رب کا انعام ہوتی ہیں
لوگ سمجھتے ہیں ان کو ذلت
یہ تو عزت وتوقیر کا سامان ہوتی ہیں

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے

اور ابرار ابرہیم کا ہاتھ ہمیشہ دینے والوں میں شامل رہا، ہمارے محلے کی بیوہ بے بے سکینہ آج ان سے جاکر پوچھو ابرار ابراہیم کون تھا۔ یہ بابا سیف علی جو آپ کو پہلی صف میں نظر آرہا ہے ان سے پوچھو ابرار ابراہیم کون تھا؟...... ان کو سگی اولاد نے چھوڑ دیا کہ بڈھا ہمارے لائف اسٹائل میں خلل ڈالتا ہے ایسے وقت میں ابرار ابراہیم نے ان کو بتایا بیٹے صرف وہ ہی نہیں ہوتے جن سے خون کا رشتہ ہو بیٹے وہ بھی بن سکتے ہیں جن سے صرف اور صرف دل کا رشتہ ہو۔

بات کرتے کرتے دو آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر داڑھی میں جذب ہوگئے، آنکھیں تو ہر نمازی کی بھیگ گئی تھیں۔ دنیا میں اپنے اخلاق کو اتنا بلند ضرور کرو کہ جیو تو ایسے کہ لوگ تمہیں

تلاش کریں اور مر جاؤ تو لوگ تمہارے مرنے پر آنسو بہائیں۔ ابراہیم صاحب جان ہی نہ سکے ان کا بیٹا واقعی ابرار تھا۔ ان کو تو ہمیشہ شکوہ رہا بیٹے غیر سنجیدگی پر اس کی لا ابالی طبیعت پر ہر بیٹے کو ایسا ہی بیٹا بننا چاہیے، جن کی لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر تعریف کریں۔

☆......☆......☆

نوشے آج کی تاریخ میں ناشتہ ملے گا کہ نہیں؟ کچن میں کھڑی نوشین غصے سے بڑبڑائی۔

اک منٹ صبر نہیں کر سکتے آپ...... جانا آپ نے وہ ہی ساڑھے آٹھ پر ہے، مگر میری جان پہ فجر کے بعد ہی بنا دیتے ہیں دسترخوان پر ٹرے رکھتے اس کا بڑبڑانا جاری تھا۔

ہاں تو تمہاری جیسی سست لڑکیوں کو انسانوں کی زبان میں کہاں سمجھ آتی ہے۔ نرم خستہ پراٹھے کا ایک لقمہ توڑ کر منہ میں رکھا تو جیسے وہ گھل سا گیا۔ ابرار نے دل ہی دل میں بیوی کو سراہا، نفاست، سلیقہ اور ذائقہ دسترخوان کے اہم لوازمات ہیں اور اس وقت وہ سب موجود تھے

، بابا پانی سوں سوں۔

حیا نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالتے ہی سوں سوں کرنا شروع کر دیا ساتھ ہی ہاتھ بھی مارنے شروع کر دیئے۔

ابرار فوراً جگ سے پانی ڈالنے لگے نوشین نے دانت پیسے۔

میں نے آج چینی نہیں ڈالی اسکے آملیٹ میں کہ یہ میٹھے کے عادی ہوتی جارہی ہے، آج ہلکا سا نمک، اور ذرہ برابر سیاہ مرچ ڈالی، دو دن کے بچے کو بھی یہ کھلاؤں تو مرچیں نہ لگیں مگر اس میڈم کو مرچیں لگ رہی ہیں۔

ابرار ہنسے! لو بیٹا جلدی سے پانی پیو، گلاس حیا کو پکڑا کر وہ نوشی سے کچھ کہنے لگے تھے جب جلدی میں گلاس پکڑتی حیا کے ہاتھ سے گلاس چھوٹا اور سارے پراٹھوں کو نہلا گیا، نوشین کا غصے سے اس کی طرف بڑھتا ہاتھ ابرار نے روک دیا۔

دیکھ نہیں رہے آپ اس نے کیا کر دیا ہے؟ ابھی بھی آپ......

نوشین نے غصے کی زیادتی سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

تمہارے تھپڑ سے یہ پراٹھے اصل صورت میں واپس نہیں آئیں گے نوشے، مگر یہ تمہارا ایک تھپڑ اس بچی کو یہ سبق دے گا کہ چیزیں زیادہ اہم ہوتی ہیں انسان نہیں اور پھر بڑے ہونے کے بعد یہ ہمیشہ چیزوں کی قدر کرے گی انسانوں کی نہیں، چیزیں استعمال کی جاتی ہیں ان سے محبت نہیں کرتے، محبت اللہ کی مخلوق سے کرتے ہیں۔

نوشین کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات نمودار ہوئے۔

آج اگر تھپڑ لگاؤں گی تو کل کو یہ دوبارہ ایسی غلطیاں نہیں کرے گی، ابرار آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی، آپ کا لاڈلا پیار اس کو بری طرح بگاڑ دے گا، یہ ہی عمر بھر ہوتی ہے تربیت کی۔ یہ ہی حرکت اگر کسی مہمان کے سامنے کرے تو کیا پلے رہ جائے گا آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں۔

نوشین نے جھنجلائے لہجے میں کہا۔

او کے مسز بہت ہو گیا میرا لاڈلا پیار کبھی انشاءاللہ میری بچی کو باغی نہیں بنائے گا، مگر آپ کا یہ جارحانہ انداز اس کے اندر ضرور بغاوت کو جنم دے گا، بچے غلطیاں ضرور کرتے ہیں اگر یہ غلطیاں نہ کریں تو ان کو بچے کون کہے گا؟ اس سے غلطی تب بھی ہوگی جب تم اسے مارو گی، غلطی پر پیار کا رویہ اختیار کرنے سے غلطیوں کے امکان کم ہوتے ہیں، تم آج اسے مار لو گی کل یہ پھر غلطی کرے گی، کیونکہ یہ بچی ہے مگر اس غلطی کے ساتھ یہ گنا بھی کرے گی جھوٹ بولے گی اپنی غلطی و خطا کو کسی اور کے سر پر دھرنے کا گناہ جب یہ کرے گی تو اس وقت تمہیں یہ بات سمجھ آئے گی، نوشے یہ گلاس تم سے نیچے گرتا تو کیا کوئی سزا ہوتی؟ تمہاری ویسے ہی ناشکری کی عادت بنتی جارہی ہے، کتنی بار کہا ہے اللہ شکر کرنے والے کو زیادہ دیتے ہیں، شکر کیا کرو نوشے تمہارے پاس شرارتیں کرنے والے بچے ہیں، ان سے پوچھو جن کے بچے نہیں یا اگر بچے ہیں تو وہ معذور ہیں۔ لڑکی شکر گزار بیوی بن کر دکھاؤ اللہ حوروں سے بھی بڑھ کر مرتبہ دیں گے، آخر میں ان کے شرارت سے کہنے پر اس نے خفگی سے گھورا، مجھے شکر کرنا چاہیے اللہ نے مجھے آپ جیسا ۲۴ میں سے ۲۶ گھنٹے نصیحت کرنے والا شوہر عطا کیا، مجھے نہیں لگتا آپ نے فزکس میں ماسٹر کیا ہو آپ تو پی، ایچ، ڈی ان فلسفہ میں علامہ اقبال کے جانشین۔

ہاہاہا...... وہ دل کھول کر ہنسے۔

یہ دن کبھی واپس نہیں آئیں گے نوشے، لڑنا جھگڑنا بھی ہے تو پیار سے لڑو پیار سے، دل سے نفرتوں کے بیج نکال دو یہ کچھ فائدہ نہیں دیتے، تم کل کو یہ حسین پل کبھی نہ پاسکو گی اگرچہ سب کچھ حاصل کرلو، کیا پتہ آج تم جو کچھ پانا چاہتی ہو کل کو یہ سب جب پاؤ تو میں ہی نہ رہوں، اس لئے ڈیئر وائف آج کی قدر کرو۔

ابرار نوشین اس بات پر زور سے چیخی تھی، اس چیخنے میں بہت سا درد پوشیدہ تھا کوئی اسے پانی پلا رہا تھا حوصلہ دے رہا تھا، وہ کئی گھنٹوں بعد ہوش میں آئی تھی، ارد گرد خواتین تھیں کچھ اس کے جاننے والی اور کچھ انجان، کمرے کے ایک کونے میں اس کی سب سے بڑی بیٹی بیٹھی رو رہی تھی مریم اور مومنہ کو ان کی پھوپھو ساتھ لگائے حوصلہ دے رہی تھی، حیا کا کوئی پتہ نہیں تھا نوشی ایک بار پھر ہوش و خرد سے

بیگانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

تیرے دربار میں لایا ہوں اب اپنی
زبوں حالی
تیری چوکھٹ کے لائق ہر عمل سے ہاتھ ہیں
خالی

ابرار ابراہیم کا جنازہ اس وقت اک قبر کے پاس رکھا پڑا تھا، ابرار سے بڑے جرار ابراہیم اس وقت قبر میں اُترے، کنکریوں کو کپڑے کے ساتھ ایک طرف ہٹا رہے تھے، ابراہیم احمد دھندلی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، وہ قبر جو برسوں اپنے مکین کے انتظار میں تھی آج اس کو اقرار آنے والا تھا ہم سب قبروں کی امانت ہیں پھر کیوں ان امانتوں میں خیانت کرنے کا سوچتے ہیں؟

قبر کی کنکریاں صاف ہوچکیں تو ابرار ابراہیم کا بے جان جسم قبر میں منتقل کیا جانے لگا۔ بہت سی آنکھوں میں دھند کی چادر سی اترنے لگی۔

اے مالک! بے شک موت برحق ہے، ہم تیری رضا میں راضی ہیں اے مالک مگر کسی بھی باپ کو یہ دن نہ دکھانا، اے پروردگار بیٹوں کو قبر میں اتارنا بہت مشکل ہوتا ہے مالک بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہوں نے دل ہی دل میں اپنے رب کو پکارا، جسدِ خاکی خاک میں رکھنے کے بعد اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا گیا تھا، جرار ابراہیم قبر سے باہر آچکے تھے بلاشبہ قبر بہت گہری تھی، اندر بہت اندھیرا تھا مگر ابرار ابراہیم کا چہرہ قبر کے اندر جھانکتے سب لوگوں کو واضح نظر آرہا تھا روشن چمکتا چہرہ **''وجوہ یومئذٍ مسفوۃ''** قیامت کے دن بہت سے چہرے روشن ہونگے جن کے چہرے قبروں میں روشن ہوجائیں قیامت کو بلاشبہ روشن ہونگے۔

قبرستان سے نکلتے ہوئے انہوں نے اک عہد باندھا تھا، ابرار کے یوں اچانک چلے جانے سے سب کچھ ختم نہیں ہورہا تھا بلکہ اب ہی تو کچھ شروع ہوا تھا، ابرار کی شادی کے بعد وہ سمجھتے تھے سب فرض ادا ہوچکے مگر وہ غلط تھے۔ فرائض کی ادائیگی کا تو ابھی وقت شروع ہی نہیں ہوا تھا۔ زندگی کا مقصد ابھی باقی تھا، ابرار ابراہیم کے چھ بچوں اور بیوہ کی کفالت اب ان کی ذمہ داری تھی، ابرار کے بچوں کی تربیت اب انہیں خطوط پر کرنی تھی جن کا ابرار خواہاں تھا، لڑکپن ابرار کا بھی غفلت ونسیاں میں گزرا تھا مگر پھر انہوں نے توبہ کی اور یہ توبہ آخر دم تک توبۃ النوح رہی یہاں تک کے بے رحم موت نے اپنے پنجے گاڑھ لیے۔

☆......☆......☆

جی تو بیوٹیشن کلاس ذرا ادھر میرے سامنے پیش ہوں میڈم شمسہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو بیوٹیشن کلاس کے سارے طوطے، کبوتر، بٹیر

ایک ساتھ اُڑے تھے ساری کلاس الرٹ ہوئی۔

جب سے کورس اسٹارٹ ہوا تب سے ہمارے پورے ادارے کا ناک میں دم ہو چکا ہے، نہ تو آپ نے لوگوں نے کسی درخت کی کوئی شاخ چھوڑی جس پر آپ بندروں کی طرح نہ لٹکیں ہوں نہ آپ نے کوئی پھل دار درخت چھوڑا۔ اب مجھے بتائیں پرسوں کیلئے کس کسے نے توڑے تھے؟

میڈم شمسہ کا غصہ چڑھتے سورج کی طرح آگ برسا رہا تھا، بیوٹیشن کلاس اس وقت اتنی معصوم اور سہمی ہوئی لگ رہی تھی کہ کسی ماں نے ان جیسی معصوم لڑکیوں کا جنا نہ ہوگا۔ میں پوچھ رہی ہوں کون کون تھا کھڑا ہو جائے جو بھی گیا تھا پچھلے گیٹ کی طرف۔

میڈم شمسہ کی دھاڑ پر فوراً سے پیشتر ساری کلاس کھڑی ہوگئی سوائے مریم فاطمہ کے، وہ اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی رہی۔

میڈم نے ایکسرے نگاہوں سے ساری کلاس کو ملاحظہ کیا اک اک لڑکی سے ہوتی ہوئی نگاہیں قندیل پر جا ٹھہریں۔

تمہاری امی کا کیا حال ہے قندیل؟

قندیل نے نچلا لب دانتوں سے کچلا۔

جی میم وہ بالکل ٹھیک ہیں، آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔

جس انداز میں قندیل نے کہا میڈم کے ہونٹوں پر نامحسوس مسکراہٹ پھیلی، وعلیکم السلام کیوں ان کو پتا تھا ان کی بیٹی کیلئے چرانے والے مجرموں کے گینگ میں ہوگی جو انہوں نے مجھے سلام بھیج دیا؟

میڈم کے لبوں پر ایک کھلتی مسکراہٹ تھی، باقی کلاس بھی دبی دبی ہنسی ہنسے لگی۔

میری ماں کو میرے کارناموں کے آل ریڈی ابہام ہو جاتے ہیں، بقول امی میں اس دنیا میں آئی ہی لوگوں کو تنگ کرنے ہوں میرا مقصد زندگی ہی بس لوگوں کو تنگ کرنا ہے چاہیے وہ کوئی ادارے والے ہوں یا گھر والے یا رشتے دار۔

قندیل کی بات پر میڈم قہقہہ لگا کر ہنسی، ساری کلاس نے ممنون نگاہوں سے قندیل کو دیکھا وہ سب کو کور کر گئی تھی ورنہ آج جو میڈم کا غصہ تھا ساری کلاس کو نیست و نابود کرنے والا تھا۔

بہت اچھا مقصد ہے نا بیٹے پھر آپ کی زندگی کا؟ میڈم کا ململ میں لپٹا جوتا قندیل نے خوشدلی سے وصول کیا تھا۔

میم جی! میری زندگی کے مقاصد کو طے کرنے والے کوئی اور ہیں جو مقصد میں طے کر چکی ہوں اس کے مطابق ہر ادارے، رشتے دار اور ساتھیوں کی ''خدمت'' میرا اولین فرض

دشمن ہے۔

اک اعتماد سے کہہ کر اس نے سر جھکایا، ساری کلاس نے پرستائش نگاہوں سے اسے دیکھا۔

آپ ماشاء اللہ ہمارے ادارے کی کچھ زیادہ ہی ''خدمت'' کر رہی ہو، درختوں کو شاخوں سے محروم کرکے، پھلوں کو درختوں سے جدا کرکے اور بھی آپ کی بے شمار ''خدمات'' جو میں یہاں بیان نہیں کرنا چاہتی...... تو آپ کی اتنی خدمات کے اعتراف کے طور پر میرا خیال ہے آپ کو کوئی ایوارڈ ضرور ملنا چاہیے، تو کیا خیال ہے آپ کا آپ نے کل جو خدمت کیلئے کے درخت کیلئے سرانجام دی ہم بھی آپ کو اس کا کوئی اعزازیہ دیں؟

میڈم نے الفاظ تو بلاشبہ شوگر کوٹڈ استعمال کیے تھے شرینی میں لپٹے میٹھے الفاظ مگر ان الفاظ کا مفہوم نیم کے کڑوے پتوں جیسا تھا۔

نوازش ہوگی میم جی، بندی ناچیز کو یہ انعامات بکثرت ملتے ہیں ہم اس کو رب کریم کی عطا سمجھ کر وصول کرتے ہیں۔

کورنش بجالاتے ہوئے اس نے کہا تو ساری کلاس کھلکھلائی، کمال کا تھا قندیل کا اعتماد۔

آپ کا ایوارڈ یہ ہے بیٹا کہ آپ کی ساری کلاس آج مینی کیور پیڈی کیور کرے گی اور وہ بھی...... چند لمحے انہوں نے رک کر ساری کلاس پر نظر ڈالی، پوری کلاس پُرتجسس نظروں سے میم کو دیکھنے لگی۔

وہ بھی آپ ساری سلائی والی لڑکیوں کے کریں گی اپنی کلاس کی نہیں، اک ادا سے کہہ کر وہ جتلاتی مسکراتی نظر اس ڈھیٹ کلاس پر ڈال کر کمرے سے باہر چلی گئیں جبکہ بیوٹیشن کلاس نے کمرہ سر پر اُٹھالیا۔

کیوں ہم کیوں لگائیں کسی کے پاؤ کو ہاتھ، اپنی کلاس ہوتی تو بات اور تھی، یہ غیر کلاس ہے، میں تو نہیں لگاؤں گی کسی کے پاؤں کو ہاتھ، نفیسہ ریاض جو عموماً سب سے پہلے بولتی تھی اب بھی بول کر فرض ادا کر رہی تھی، سب لڑکیاں اونچا اونچا بول رہی تھیں، اک مریم فاطمہ اور قندیل خاموش تھیں مریم تو کسی بھی معاملے میں کم ہی بولتی تھی جبکہ قندیل کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ اس کو کسی کے پاؤں پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، سلائی میں اس کی بہنیں تھی، انہی کے اسے پاؤں پکڑنے پڑتے تھے سو وہ مطمئن تھی۔

یہ سب اس گرمی کا آئیڈیا تھا کچے کیلئے توڑ کر کھانے کا ایڈونچر کی کچھ لگتی نے ہمارا ایڈونچر بنا دیا ہے، بہنوں کے کرے گی مینی کیور پیڈی کیور، لوگوں کو پاؤں چھوئیں گے مہرین چیخی تھی تقریباً، جبکہ قندیل کے چہرے پر بڑی دلنشین مسکراہٹ آئی تھی، چند منٹ گزرے تھے کہ

ساری کلاس مینی کیور پیڈی کیور میں مصروف تھی۔ مجھے تو آج تک اس مینی کیور پیڈی کیور کا پتہ نہیں چل سکا آخر یہ ہے کس بلا کا نام؟ اریشہ کے کہنے پر قندیل نے اسے گھورا، تمہارے ان بدصورت، بھدے کالے ہاتھوں کو خوب صورت بنانے، نرم وملائم کرنے اور گورے کرنے کو مینی کیور، اور تمہارے ان ہاتھی جیسے بدنما مٹی سے اٹے، دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ محترمہ دس ایکٹر کماد میں پانی لگا کر آئی ہیں، ان پیروں پہ محنت کرکے، ان کو نرم وملائم اور خوبصوت بنانے کا نام پیڈی کیور ہے اب آئی سمجھ؟ یا بھوسہ بھرے دماغ نے اگلی بھی اڑادی؟ قندیل کے انداز پر سب ہنس پڑیں جبکہ اریشہ نے لمبی سے جمائی لی۔

یہ کرتے ہیں؟ اس کے معصومیت بھرے انداز پر قندیل کو جی بھر کے تاؤ آیا، دائیں، بائیں سر گھما کر اس نے کچھ تلاشنا چاہا ہیئر سٹریٹر اُٹھا کر زور سے اسے مارا تو وہ دوفٹ اچھلی۔

ہائے اوئے ابا میں مرگئی! ہائے اوئی بلند آواز سے اس نے مصنوعی چیخنا شروع کردیا، سب ہنسنے لگیں تب ہی کمرے میں میڈم شمسہ داخل ہوئیں تو ابلتے اُمڈتے قہقہے یکدم رک گئے، میڈم نے کھا جانے والے انداز میں ساری کلاس کو دیکھا۔

بیوٹیشن کلاس آپ کو آخری بار وارننگ دے رہی ہوں اپنی اس دہشت گردی کو میرے ادارے سے دور رکھیں ورنہ میں آپ کا جو حشر کروں گی وہ قیامت تک یاد رہے گا، ڈھیٹ پن کی بھی ایک حد ہوتی ہے، آپ تو لگتا ہے ساری حدیں عبور کرکے آئی ہیں، اب آئی آپ کی کلاس میں سے ایسی آوازیں تو میں قسم سے کہہ رہی ہوں میں نے آپ کو گیٹ کے پاس مرغ بنا دینا ہے۔ سب لڑکیوں نے لب دانتوں تلے دبائے، میم جی مرغے نہیں مرغیاں، قندیل نے تصحیح کی تو میڈم نے پھر جلال نگاہوں سے قندیل کو دیکھا۔

قندیل آپ کو میں مرغی ہی بناؤں گی اور کھڑا آپ کو گیٹ کے پاس نہیں بلکہ مصنوعی کنوئیں کے اوپر کروں گی، یہ باقی سارے تو چوزے ہیں اصل مرغی تو آپ ہو، علاج بس آپ کا ہونا چاہیے۔

کلاس کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی، قندیل نے بھی مسکرا کر سر جھٹکا، ابھی وہ کچھ کہنے لگی تھی جب مریم بول پڑی:

میم سوری آئندہ آپ کو شکایت نہیں ملے گی اس بار جانے دیں۔ ٹھیک ہے آپ ابھی...... وہ مزید کچھ کہنے لگیں تھیں کہ ان کا فون بجنے لگا، کال سنتے انہوں نے قدم باہر کی طرف موڑے تو ساری کلاس نے شکر کا سانس لیا۔

قندیل کلیزنگ پہلے کرنی ہے یا سکربنگ؟؟

نفیسہ کے پوچھنے پر قندیل نے سر اُٹھایا۔

بہن مینی کیور پیڈی کیور کے بے شمار طریقے ہوں گے، ہماری مائیں جب اینٹ یا پتھر کے چھوٹے ٹکڑے سے پاؤں رگڑ رگڑ کر دھوتی تھیں یا ہاتھوں کی میل رگڑ رگڑ کر اتارتی تھیں تو وہ بھی مینی کیور پیڈی کیور تھا، یہ بس لوگوں کو غفلت میں ڈالنے کیلئے نت نئے نام اور نت نئی چیزیں نکل آئی ہیں م کلینزنگ کا مطلب ہوتا ہے جلد سے گرد وغبار صاف کرنا۔کلین انگلش کا لفظ ہے اور اسی سے کلینزنگ نکلا ہے۔

کلینزنگ سب سے پہلے کی جاتی ہے، دلہن کا میک اپ اُتارنے کیلئے بھی کلینزنگ استعمال ہوتی ہے آ، پ دکان پر جاکر کہیں ہمیں فیشل کٹ دیں تو وہ آپ کو فیشل کٹ دیتے ہیں جس میں کلینزنگ سکرب، مساج، سکن پالش، ماسک یہ سب ہوتا ہے۔

قندیل نے بہن کے پاؤں پکڑ کر گرم پانی کے ٹب میں رکھے جس میں شیمپو اور سی سالٹ ڈالا گیا تھا۔

اس نے تم سے پوچھا ہے پہلے کلینزنگ کرنی ہے یا سکربنگ، تم اتنی لمبی کہانیاں لے کر بیٹھ گئی ہو سادہ انداز میں اس کو بتاؤ کہ پہلے کلینزنگ کرنی ہے، خضریٰ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا تو قندیل نے اس کی نقل اُتاری۔

سیدھی طرح بتاؤ بندہ پہلے یہ دیکھ لے کہ اگر آگے نفیسہ ریاض جیسی ہستی ہے تو اس کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا جائے، دو چار لقموں سے ملنے والی پر جان نہیں ہے دونوں ہاتھوں سے نفیسہ کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا تو خضریٰ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

نفیسہ نے حسب معمول برا مانتے ہوئے کچھ کہنے کیلئے ابھی منہ کھولا ہی تھا، قندیل جھٹ بولی۔

سنو نفیسہ کلینزنگ پہلے کرتے ہیں، ایک کریم سی ہوتی ہے اس سے جو دھول مٹی ہوتی ہے وہ صاف ہوجاتی ہے، پھر کرتے ہیں سکربنگ، سکرب جو ہے وہ مردہ خلیوں کی تہہ کو جلد سے اتار دیتا ہے، دیکھا ہوگا تم نے کئی لوگوں کی جلد مرجھائی مرجھائی سی رہتی ہے جس وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے خلیے مردہ ہوجاتے ہیں سکربنگ سے ان کی تہہ اتر جاتی ہے پانی کو گرم کر کے اس میں سی سالٹ اور شیمپو ڈالتے ہیں اور پھر پاؤں اور ہاتھوں کے ناخنوں کی شیپ درست کرتے ہیں، سب کرنے کے بعد پھر کرتے ہیں یہ کہ پاؤں اور ہاتھوں پر لگاتے ہیں موئسچرائزنگ لوشن، اب تم موئسچرائزنگ لوشن سے گھبرانا مت، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے تم چھوٹے پتھر سے ایڑیاں رگڑ کے صاف کرنے کے بعد تیل لگالو۔ اسی کو سمجھ لو موئسچرازنگ لوشن کہتے ہیں۔

سلائی والی لڑکیاں دلچسپی سے اس کلاس کی

باتیں سن رہی تھیں، اچھا شکریہ مگر میں کسی کے نہیں کر رہی مینی کیور پیڈی کیور مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب، نفیسہ جاکر کرسی پر بیٹھ گی تو قندیل نے دانت کچکچائے۔

نہ کرو۔ بن جانا مرغی، تمہیں ذبح کر کے کھالیں اللہ کرے میڈم شمسہ۔قندیل کا انداز بالکل لڑاکا عورتوں جیسا تھا سب ہنسنے لگیں۔

نفیسہ نے مجھے کس پرواہ نہیں ہے والا انداز اپنا کر کرسی سے ٹیک لگالی، باقی سب سر جھکا کر اپنا کام کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

صبح سے لکھ لکھ کر اس کی انگلیوں میں شدید درد شروع ہوگیا تھا، گردن جھکا کر لکھنے کے باعث کندھے گویا اکڑ سے گئے تھے، اس نے لکھتے لکھتے نگاہ اُٹھا کر شیشے کے دروازے کے پار دیکھا لوگوں کا جوم ویسے کا ویسا ہی تھا جیسے صبح آٹھ بجے تھا، اس نے قلم چھوڑ کر بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ دبایا اور پھر قلم اُٹھا کر لکھنا شروع کردیا۔

میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس بوڑھی عورت سرائیکی میں اپنے دکھڑے سنا رہی تھی، وہ سر ہلاتا سن بھی رہا تھا اور لکھ بھی رہا تھا۔

شڑپ کی آواز سے اس نے پرچی پھاڑ کر اماں کی طرف بڑھائی، یہ ایک ہفتہ دوائی کھالیں ، نہ فرق پڑے تو پھر آ ییے گا، یہ لیں یہ دوائی آپ کو ہپتال سے ملے گی یا باہر اسٹور سے خود خریدنے پڑے گی، دوسری پرچی بھی اس نے اماں کے ہاتھ میں تھمائی، کتنے ویلے کھاوانی دوائی ؟اماں نے ذرا جھک کر پوچھا۔

دو ویلے لکھ دیں گے آپ کو نشان لگادیں گے اسٹور والے، اگلے مریض کی طرف سوالیہ ابرو اچکاتے اس نے کہا تو اماں آہستہ قدموں سے چلتی بارہ چلی گئیں، وہ جلدی سے اگلے مریض کو نپٹانے لگا کلاک دو بیس کا عندیہ دے رہا تھا وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔مگر پھر بھی تین چار مریض اس کی طرف لپکے۔

ڈاکٹر صاحب مہربانی ہوگی اس بچے کو دیکھیں ڈاکٹر صاحب پلیز میری مدر کو چیک کرتے جائیں۔

اس نے بے چارگی سے دہائیاں دیتی ان مکھیوں کو دیکھا جو اس کو چمٹ گئی تھیں، قلم اُٹھا کر اس نے کھڑے کھڑے، یہ مریض بھگتے اور پھر بہت مشکل سے راستہ بناتا وہ باہر نکل آیا، کئی ایکڑوں پر پھیلے ہپتال کے پارکنگ ایریا تک آتے اسے تقریباً دس منٹ لگ گئے تھے، وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا جب اس کا فون بجا، اس نے بیزاری اور کوفت سے اس آفت کو دیکھا، ماما کالنگ کے الفاظ دیکھ اس نے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا، موبائل کان سے لگا کر وہ اندر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

السلام علیکم ماما کیسی ہیں؟

ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسے ہو؟ لہجے میں مامتا کی محبت تھی، ٹھیک ہوں ماما، ابھی ابھی آف کر کے جا رہا ہوں، اس نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

ہوں، ٹھیک دوسری طرف سوچ میں ڈوبا انداز محسوس کر کے وہ چونکا۔

خیرت ماما جی! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟ سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے پوچھا تو دوسری طرف گہرا سانس لینے کی آواز سنائی دی۔

کب آ رہے ہو ملنے؟ ان کے سوال پر وہ اُلجھا۔

اس ویک اینڈ پہ تو ممکن نہیں، چھٹی نہیں مل رہی اگلے پہ انشاء اللہ! کیوں آپ اداس ہیں؟ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

مائیں کب نہیں اداس ہوتیں؟ دوسری طرف کی بات سن کر وہ مسکرایا۔

پاپا کیسے ہیں؟ گاڑی صاف شفاف خوبصورت سڑک پر گویا پھیلتی جا رہی تھی، سرخ بتی جلنے پر اس نے گاڑی روکی۔

صبح سات بجے تم سے بات کر کے جب وہ تمہیں ہوشیار رہنے کا کہہ رہے تھے تب ان سے ان کی خیرت بھی دریافت کر لینی تھی۔

ان کے جلے بھنے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

ہاہاہا...... اوہ...... ڈیئر ماما آپ اپنے شوہر پر شک نہ کریں وہ بچارے اپنی مسز کے ستائے ہوئے ہیں، میرے بیسٹ فرینڈز کو اتنا تو اختیار ہے نا کہ وہ کسی سے حالِ دل کہہ سکیں؟

شرارتی مسکراہٹ اس کے لبوں سے کھیل رہی تھی جبکہ دوسری طرف موجود صالحہ منیر کے چہرے پر خفگی کے تاثرات تھے۔

میں کہہ رہی ہوں احمر...... اب تم اس معاملے میں سنجیدہ ہو جاؤ، عابد اب مزید انتظار نہیں کر رہا۔ احمر کے ماتھے پر یکدم بل پڑے۔

کس معاملے میں ماموں انتظار نہیں کر رہے؟ مسکراہٹ کی جگہ اب سنجیدگی تھی، صالحہ نے لمبا سانس لیا۔

احمر تم اچھی طرح جانتے ہو کس معاملے میں؟ ربابہ اور تمہاری شادی کے معاملے میں بہت بار کی کی ہوئی وضاحت میں پھر کر دیتی ہوں، طنز کے ساتھ انہوں نے بات مکمل کی۔

گاڑی اک چھوٹے خوبصورت سے گھر کے پاس رک گئی اس نے ہارن پر ہاتھ رکھا، تھوڑی دیر بعد گیٹ ایک ادھیڑ عمر ملازم نے کھولا، وہ کار اندر لے گیا، موبائل ابھی تک کان سے لگا تھا صالحہ منیر تیز تیز بول رہی تھیں۔

آپ ربابہ کی کر دیں ماما...... مجھے ماریہ سے شادی نہیں کرنی...... بس اس نے بات ختم کی۔

تم نے یقیناً یہاں کوئی پسند کر رکھی ہوگی؟

ہے نا۔ مگر یاد رکھنا ماریہ کے علاوہ میں کسی بھی لڑکی کو تمہاری بیوی کے روپ میں مشکل ہی سے قبول کروں گی، انداز میں اب وارننگ تھی۔

بہت خوب ماما!...... جو انسان اپنے لئے فیلڈ خود نہ چن سکے اپنے پسند کے شعبے میں نہ آ سکا، وہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود کیسے کرے گا، میرے سارے فیصلے تو آپ کو کرنے ہیں۔ لہجہ اُس کا بھی تلخ ہو گیا۔

میں نے اگر تمہارے لئے میڈیکل کی فیلڈ کو چنا تو یہ تمہارا بھلا ہی تھا، تمہارا فیوچر سیو ہو چکا ہے بیٹا۔ ساری زندگی بیٹھ کر کھاؤ گے، قلم کی تھوڑی سی حرکت پر لاکھوں کمارے ہو اور اب بھی کہتے ہو میں نے فیلڈ غلط چنی تمہارے لیے، صالحہ منیر کی بات سن کر وہ زخمی سا ہنسا، واہ ماما جی واہ لکھتے لکھتے میرے ہاتھ ٹوٹنے لگتے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں قلم کی ذرا سی حرکت...... لگتا ہے نہ آپ سب کو کہ ڈاکٹر بہت ایزی لائف گزار رہے ہیں، تو آپ غلط سوچتے ہو ماما، ڈاکٹر کی لائف گزارنا بہت مشکل ہے آپ کو ایک مشین بن کر زندگی گزارنا ہوتی ہے جس ہوسپٹل میں آپ کیلئے دس منٹ گزارنا مشکل ہوتا ہے میں وہاں ۴۸ گھنٹے بھی گزارتا ہوں، بہت مشکل فیلڈ چنی آپ نے میرے لئے ماما، دروازہ کھول کر وہ بیڈ روم میں داخل ہوا اور پھر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

کیا بات ہے احمر آج تم کچھ ڈپریس لگ رہے ہو، کیا ہوا ہے؟ صالحہ کے تشویش بھرے انداز پر وہ مسکرایا...... آنکھوں میں نجانے کیوں آج زخمی سا تاثر تھا، وہ کبھی کبھی اس مشینی زندگی سے بہت اکتا جاتا تھا اس کا دل چاہتا تھا وہ کہیں دور جنگل میں چلا جائے جہاں کم از کم یہ دنیا کے بکھیڑے نہ ہوں۔ ہم میں سے ہر انسان کی زندگی میں ایسے لمحات ضرور آتے ہیں جب ہم چاہتے ہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی پُرسکون گوشے میں چلے جائیں، ہم میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ ایسا ہوتا کیوں ہے، ہم بھول جاتے ہیں کہ ہماری روح جس کی اللہ کے نزدیک بہت اہمیت ہے وہ روح کیوں بے چین ہو جاتی ہے۔ ڈپریشن اصل میں ایسے سگنلز ہوتے ہیں جو ہماری روح کے اندر داخل ہو کر اُسے وائبریٹ کرتے ہیں، کچھ لوگوں کیلئے یہ سگنلز واقعی فائدہ مند ہوتے ہیں اور وہ اپنی وائبریشن کرتی روح کے کنکشن اللہ کی ذات سے جوڑ لیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ اس وائبریشن کو منفی سمت میں لے جا کر خودکشی وغیرہ کر لیتے ہیں۔

احمر میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے گہری سوچ میں ڈوبے احمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

پتہ نہیں ماما...... میں اب تھکنے لگا ہوں۔ بچپن اسی سوچ میں گزرا کہ ایک دن میں پڑھ کر فری ہو جاؤں گا، لڑکپن کی حدود بھی ختم ہو گئیں، میڈیکل کی ٹف تعلیم اور پھر ہاؤس جاب کے بعد

یہ گورنمنٹ جاب ماما...... میں اب سکون کی نیند سونا چاہتا ہوں، میں سوؤں تو صبح ہسپتال جانے کی ٹینشن نہ ہو...... میں اُٹھوں تو جلدی جانے کا بھول سوار نہ ہو، ماما میں تھک گیا ہوں۔

آنکھیں بند کیے وہ تھکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

صالحہ نے سر جھٹکا۔

بیٹا اسی لئے کہہ رہی ہوں شادی کرلو، ساری تھکن دور ہوجائیگی، سکون ہی سکون ہوگا اس نے جھٹ آنکھیں کھولیں۔

بس کریں ماما آپ کو بس ایک ہاٹ ٹاپک مل گیا ہے، مجھے نہیں کرنی ابھی شادی اور ماریہ سے تو بالکل نہیں...... میں جانتا ہوں ماریہ آپ کی ذہین بھتیجی اور اسٹوڈنٹ ہے آپ کو ذہین لوگ بہت متاثر کرتے ہیں، مگر ماما مجھے ذہین لوگوں سے نفرت ہے، ہماری دنیا کے امن کو تباہ کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ ان ذہین لوگوں کا ہے نہ میں کسی ڈاکٹر سے شادی کروں گا نہ انجینئر...... باقی جس سے کہیں گی کرلوں گا۔ اس کے دوٹوک انداز پر صالحہ نے تاسف سے سر جھٹکا۔

اوکے آرام کرو، پھر بات ہوگی اس نے موبائل کان سے ہٹایا تو وہ جھٹ سے بولا۔

ناراض ہیں مجھ سے؟؟

صالحہ نے موبائل دوباہ کان سے لگایا۔

ناراض بھی ہوں تو تمہیں کونسا کوئی فرق پڑتا ہے۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے مائیں کبھی اولاد سے ناراض نہیں ہوتیں خوش رہو اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ انہوں نے فون بند کردیا۔

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے موبائل سائیڈ پر رکھا اور پھر بستر دراز ہوگیا، کچھ کھانے پینے کا ہوش نہیں تھا وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ لیٹتے ہی اس کو نیند آگئی۔

☆......☆......☆

ایک بات پوچھوں تم سے حیا۔ علی نے تیز تیز لکھتی حیا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا، تو اس نے لکھتے لکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

بالکل بھی نہیں مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا ، اگر پوچھا تو میں نے تمہارا یہ کدو جیسا سر توڑنا ہے۔

علی نے متاسف نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

کتنی بے مروت ہوتم ، ذرا تم میں اگلے بندے کا لحاظ نہیں ہوتا میں کتنی آس وامید لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور تم ہو کہ آرزدگی سے کہہ کر...... اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ حیا نے پین بند کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

کتنے پیسے چاہیں تمہیں؟ گہری سبز آنکھیں اس پہ جمائے پوچھا، تو علی کے ماتھے پر بل پڑے، تمہیں کیا لگتا ہے میں پیسے مانگنے آیا ہوں؟

(جاری ہے)

☆......☆......☆

بارش

عظمیٰ ظفر

بارش کی دیوانی چھوٹی سنبل آنگن میں اپنی ہتھیلیاں پھیلائے گرتی بوندوں کو جمع کر کے بہت خوش ہو رہی تھی، سات سال کی عمر میں اس نے بارشیں ہی کتنی دیکھی تھی مگر ایسی رم جھم بھی اس کے لیے نعمت سے کم نا تھی، وہ خوش ہو کر گول گول چکر کاٹتی تو کبھی چمپا کے پتوں پر ٹھہرے بارش کی بوندوں کو اپنے اوپر اڑا کر خوش ہوتی......

چھوٹی آپی!!! چھوٹی آپی!!!

سنبل نے آنگن میں ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ایمن کو آواز دی جسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں ، وہ اپنے بہتے آنسوں کو بھی روکتی کبھی بہنے دیتی، بارش کے کچھ چھینٹے اس تک بھی پہنچ رہے تھے...... چھوٹی آپی!!! سنبل کی آواز نے اسکی سوچوں کو توڑا تھا، اس نے کاٹ کھانے والی آواز سے کہا:

کیا ہے؟...... آپکو بارش کی دعا سناؤں سنبل نے انتہائی سنبھل کے پوچھا ورنہ اسکی خوشی بھی سہم گئی تھی۔

نہیں مجھے نہیں سننا...... ایمن یہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

جبکہ سنبل نے مایوسی سے چمپا کے گرے ہوئے پھول اٹھانا شروع کردیے۔

کچن میں موجود یہ منظر پھپو کے لیے بہت تکلیف دہ تھا مگر اس وقت انہیں سنبل سے زیادہ ایمن سے ہمدردی تھی۔ پکوڑے بناتے بناتے وہ رک گئیں اور اسکے کمرے میں آئیں کمرے میں اندھیرا تھا۔ ایمن تکیے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ اسے لگا امی پکوڑے لے کر اندر آئی ہیں۔

امی!!! وہ ایک جھٹکے سے اٹھی امی!!! ...... انہوں نے لائٹ جلا دی۔ اوہ پھپو آپ ہیں؟ لائٹ کیوں جلا دی مجھے خوشبو سے ایسا لگا کہ امی آگئیں......

ایمن نے اپنے آنسو صاف کیے۔ میری جان چلو اب اٹھ جاؤ پھر ہم پکوڑے کھاتے ہیں...... جب تک میں سنبل کو بلاتی ہوں۔

☆......☆......☆

بابا جانی آگئے!!...... بابا جانی آگئے۔

سنبل کی آواز خوشی سے بھرپور تھی...... ارے

میری گڑیا...... یہ آپ سب کے لیے جلیبیاں!!!
سنبل کی خوشی ڈبل ہوگئی تھی۔ ایمن بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہٹیں پھپو میں بنا دیتی ہوں ایمن نے کہا۔ بس اب سب بن گئے تم یہ سب میز پر رکھو سب ملکر کھائیں گے۔
بارش کی کن من ابھی تک جاری تھی۔ سب ایک ساتھ تو بیٹھے تھے مگر ایمن کی اداسی اپنی جگہ تھی، اسکی پلیٹ بھی ویسے ہی رکھی ہوئی تھی۔
بابا میں نے آپ سے کہا تھا کہ چمپا کے اس پودے کو کاٹ دیں، مگر آپ نے ابھی تک اسے نہیں کاٹا۔ سنبل نے سرد لہجے سے کہا...... چائے کی پیالی بابا جانی کے ہاتھ میں لڑکھڑا گئی...... انہیں تو لگا کے ایمن اس بات کو بھول چکی ہوگی مگر اسکے زخم ابھی تک ہرے تھے۔
نہیں بابا جانی !!! پلیز اس کو مت کاٹیں مجھے اسکے پھول بہت پسند ہیں...... مگر بابا جانی بنا کچھ جواب دیئے سنبل کے سر کو سہلاتے ہوئے کمرے کی طرف چل دیئے۔
چھوٹی آپی! آپ نے دیکھا نہیں اسکے پھولوں پر تو تتلیاں آتی ہیں اسے مت کاٹیں۔ سنبل جلیبیاں کھانا بھول کر چمپا کی فکر میں لگ گئی، اسے ڈر تھا چھوٹی آپی سچ مچ ابھی کاٹ ڈالیں گی اس پودے کو......
تم تو چپ رہو!!! ہر بات میں بولتی ہو، زہر لگتا ہے وہ پودا مجھے...... وہ پودا بھی اور تم بھی، جاؤ یہاں سے ورنہ تم کو ماردوں گی، غصے سے ایمن نے کہا......
پھپھو جان آپ مجھے بڑی آپی کے پاس بھیج دیں چھوٹی آپی ہر وقت ڈانٹتی ہیں...... سنبل بھاگ کر اندر چلی گئی۔ ایمن کی نفرت اتنی تناور بن گئی تھی اسکا انھیں اندازہ نہیں تھا۔
''ایمن! یہ تم کیا کہہ رہی ہو کچھ اندازہ ہے۔ ایک معصوم بچی سے کیسے بات کر رہی ہو بہن ہے وہ تمہاری''۔
کوئی معصوم نہیں، قاتل ہے وہ......
ایمن؟؟!!!...... وہ ششدر رہ گئیں۔
اس نے برتن اٹھائے اور کچن میں پٹخ پٹخ کر دھونے لگی......
تھوڑی دیر میں اسے اپنی غلطی کا احساس کچوکے مارنے لگا۔ بابا جانی نے چائے نہیں پی تھی۔
اس نے دوبارہ چائے بنائی اور انکے کمرے میں آگئی۔ بابا جانی چائے پی لیں۔ ایمن نے کپ سرہانے رکھا اور جانے لگی۔
ایمن! یہاں بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، ایمن انکے قریب بیٹھ گئی...... ہم!!! چائے تو بہت اچھی بنائی ہے، اچھا اس خوشی میں تمہیں ایک انعام دیتا ہوں، بابا جانی نے دراز سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا...... اور ایک انگوٹھی اسکی طرف بڑھائی۔
یہ...... یہ تو امی کی ہے...... مجھے نہیں چاہیے آپ واپس رکھ لیں۔
کیوں...... کیوں نہیں چاہیے؟؟ بابا جانی نے اسکی مٹھی میں وہ انگوٹھی رکھی۔ ایمن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں...... مجھے ایسی نشانیوں سے امی کی یاد زیادہ آتی ہے...... وہ ہمیں چھوڑ کر کیوں

چلی گئیں اللہ کے پاس؟ ایمن سسک پڑی تھی۔
ایمن آج تک نا کوئی اس دنیا میں اپنی مرضی سے آیا ہے نا اپنی مرضی سے جائے گا۔ ہم اللہ کی امانت ہیں اس زمین پر، وہ اپنی امانت جب مرضی چاہے لے سکتا ہے۔ ہمیں تو صبر کرنا چاہیے۔ شکوہ نہیں۔ بابا جانی نے کہا۔
تم اپنی بہن سے بھی نفرت کرتی ہو؟ کیوں؟
صرف اس لیے کہ بارش میں سنبل کے ساتھ کھیلتے ہوئے تمہاری امی کا پیر پھسلا اور وہ گریں تو پھر اٹھ نا سکیں اور اپنے رب سے جا ملیں...... بابا جانی نے رک کر کہا۔ بہت دنوں سے میں یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ تمہارا رویہ اس معصوم کے ساتھ درست نہیں...... ایمن نے اپنی مٹھیاں طاقت سے بھینچ لیں۔
بابا جانی اس کی اضطرابی کیفیت کو سمجھ چکے تھے، ذہنی طور پر وہ جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار کچھ سالوں سے تھی وہ جانتے تھے، مگر آج جس طرح اس نے اپنی بہن کو اس حادثے پر موردالزام ٹھہرایا وہ بھی حیران رہ گئے، لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ آج اس سے بات کر کے اسکی الجھن کو دور کر دیں...... تم اپنی بڑی بہن سے بھی فون پر بہت کم بات کرتی ہو۔ بابا جانی رک کر بولے...... وہ اتنی دور سے تمہیں فون کرتی ہے اور تم منع کر دیتی ہو کیوں بیٹا؟؟ اسکی شادی تو ہونا تھی۔ انھوں نے پوچھا۔
وہ بھی تو اتنی دور چلی گئیں کینڈا، ایک مرتبہ ہی ملنے آئی ہیں۔ ایمن نے روٹھے پن سے کہا۔ اچھا!! بابا جانی مسکرائے۔
اور چمپا کے درخت کو کیوں کاٹنا؟
اس لیے کہ وہ امی کو پسند تھا ایمن رو پڑی۔ مجھے ہر چیز سے امی کی یاد آتی ہے، میرا دل چاہتا ہے سب چیزیں توڑ دوں، ایمن رک رک کر بول رہی تھی اور بات کرنے سے وہ اپنے غصے سے باہر آنے لگی تھی......اور سنبل کیوں بری لگنے لگی آپکو؟...... ایمن خاموش تھی۔
''اس لیے کہ وہ اپنی ماں کی موت کا سبب بن گئی''۔
بابا جانی نے سب سے اہم بات اسکے سامنے رکھ دی۔
مجھے لگتا ہے کہ میں اکیلی رہ گئی ہوں، یہ سب کیوں ہوا جب بارشیں ہوتی ہیں میرا ذہن اس واقعہ کو یاد کر کے بے چین ہو جاتا ہے پھر مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا بابا جانی ایمن نے کہا۔
میری بات غور سے سننا بیٹا، بابا جانی نے کہا
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ!
''اللہ کسی شخص پر اسکی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا''۔ (البقرہ)
تو تم یہ بھول جاؤ کہ تم اس غم سے نکل نہیں سکتی۔
دوسری بات یہ کہ کیا تمہیں اللہ پر بھروسہ نہیں۔
سورہ فاطر میں اللہ فرماتے ہیں!
''کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں''۔
یاد رکھو دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے ہم عقلمندی نہیں اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا کہ امی کے جانے کے بعد جس طرح تمہاری پھپھو بیوہ ہو کر

اس گھر میں آگئیں اور اپنی اولاد کی کمی اور مامتا کی محبت کو وہ سنبل اور تم پر نچھاور کرنے لگیں یہ اللہ کا احسان نہیں ہے ہم پر......

کسی کے دنیا سے چلے جانے سے کام رکتے نہیں بیٹا......اگر ایسا ہوتا تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پہ ہماری جان قربان ہو، انکی رحلت فرمانے پر صحابہ اجمعین رضی اللہ عنہم مسجد نبوی سے لپٹ کر روتے رہتے اور اسلام کا کلمہ سربلند نا ہوتا۔

دینا کی مادی چیزیں برتنے کے لیے ہوتی ہیں اسکو نشانی بنا کر ہمیشہ اس سے محبت یا نفرت نہیں کرتے...... ہرے بھرے درختوں کو بلا ضرورت نہیں کاٹتے۔

ہاں!!! پھر بھی ان چیزوں کو دیکھ کر یا محسوس کر کے تمہیں اپنی امی یاد آتی ہیں تو تم فوراً انکی مغفرت کی دعا مانگ لیا کرو......سمجھ رہی ہو نا ایمن۔ انہوں نے پوچھا۔

جی! اس نے دھیرے سے کہا......اور سنبل کا خیال رکھا کرو، ویسے بھی مجھے پتہ ہے میری بیٹی بہت سمجھدار اور محبت کرنے والی ہے۔

ایمن کے ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں تھیں دل کی گھٹن کم ہو رہی تھی۔ وہ وہاں سے باہر آگئی...... سامنے چمپا کا پودا اسے اداس لگ رہا تھا۔

بابا جانی کی باتوں کو سوچ کر ایمن نے اپنا جائزہ لیا، واقعی وہ پرانی باتوں اور یادوں کو دل میں جمع کرتے کرتے زندگی سے نفرت اور لوگوں سے شکوہ کرنے لگی تھی۔

اب جب بھی اسے امی کی یاد آتی تو وہ انکے لیے مغفرت کی دعا مانگ لیتی۔

ربنا اغفرلی ولوالدی ولمومنین یومہ یقومہ الحساب.. (سورہ ابراہیم)

اس دعا کے مانگنے سے اسکی بے چینی کم ہوئی تھی اور اسکے دل کو صبر بھی نصیب ہوا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر بادل گھر کے آئے تھے، سوندھی مٹی کی خوشبو آنگن میں پھیل گئی تھی، ایمن کمرے سے باہر نکل آئی تیز بارش نے جل تھل کر دی مگر سنبل اداس بیٹھی تھی آنگن خالی تھا......

ایمن نے دیکھا چمپا کے پھول بھی نیچے گرے ہوئے تھے، اس نے کچھ سوچا پھر پھولوں کو جمع کر کے اسکا ہار بنایا۔

سنبل!! سنبل!!

ایمن نے اشارے سے اسے بلایا۔ پھپو!! آجائیں بارش تیز ہو رہی ہے۔ سنبل نے حیرت سے چھوٹی آپی کو دیکھا اور خوشی سے بھاگی۔

پھولوں کا ہار ایمن نے سنبل کے گلے میں ڈال دیا اور اسکا ہاتھ پکڑ کے گول گول گھومنے لگی۔

چھوٹی آپی بارش کی دعا سناؤں؟؟

ارے ہاں......جلدی سناؤ۔

اللھم صیبا نافعا......سنبل نے کہا۔

اللھم صیبا نافعا......ایمن نے بھی کہا۔

بارش نے ایمن کے دل کو بھی دھو ڈالا تھا۔ چمپا کا پودا بھی جھوم رہا تھا۔

☆......☆......☆

احساسِ ذمہ داری

حیا حریم

افوہ......کس قدر تھک جاتا ہے انسان۔ نجم کرسی پر بیٹھ کر تیز تیز سانس لینے لگا۔

پانی لیجئے۔ سدرہ نے ہاتھ بڑھا کر شربت کا گلاس اس کے سامنے کیا۔

شکریہ بھئی......نجم نے فوراً اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور تین سانسوں میں ختم کر دیا۔

ٹھنڈے پانی سے اس کے جسم میں تازگی سی عود آئی۔ اس نے کرسی کی پشت پر کچھ دیر کے لئے سر ٹکا دیا۔

سدرہ کو محسوس ہوا کہ وہ یہیں سو جائے گا۔

ارے...... یہاں سو ہی نہ جانا...... اس نے اسے جھنجھوڑا۔

اٹھ کر شاور لے لیں، میں کھانا لگا دیتی ہوں، پھر آرام کر لینا۔

کھانا تو مین کھا چکا ہوں......بس چائے لوں گا۔ وہ کمر سیدھی کرتے ہوئے بولا۔

کہاں سے کھا آئے؟؟

ارے رے رے......وہ جھک کر بوٹ کے تسمے کھولنے لگا۔

میں مکان کی قسط دے آیا ہوں، اسی گھر کے نیچے کے پورشن میں کوئی اور فیملی بھی آگئی ہے، ان سے سلام دعا ہوئی تو انہوں نے گھر لے جا کر کھانا

بھی کھلا دیا۔
اچھا...... وہاں کوئی اور بھی آ گیا ہے۔ سدرہ متفکرسی بولی۔
ہاں !! انہیں ایک ہفتہ ہی ہوا ہے شفٹ ہوئے، تھوڑے اپ ٹو ڈیٹ سے لوگ تھے، لیکن اچھے تھے۔
نجم کے کہنے پر سدرہ کچھ متفکر سی ہوگئی۔
خدا کرے اچھے لوگ ہوں، برے پڑوس سے اللہ کی پناہ!! اس نے زیرلب کہا۔
کہاں کے لوگ تھے؟ کتنے بچے تھے؟ دیندار تھے یا کوئی ماڈرن قسم کے تھے؟
حد ہے بیگم!! میں ان کا انٹرویو لینے تھوڑی گیا تھا۔ نجم زچ ہوکر بولا۔
پھر بھی بندہ کچھ دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے۔
اچھا جی...... وہ تنک سا ہوا۔
مجھے انہوں نے مالک مکان کے ساتھ دیکھا، تو ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا، تینوں نے ساتھ کھانا کھایا اور بس......
تو اس دوران آپ لوگ کیا باتیں کرتے رہیں...... کہ بچوں اور فیملی کا بھی نہیں پوچھا۔ سدرہ بھی زچ ہوئی۔
ہم تو یہ بات کرتے رہے کہ نیا وزیراعظم کون بنے گا، وہ عمران خان کی پوری پوری حمایت کرتے رہے اور میں جماعتِ اسلامی کے فوائد بتاتا رہا، جبکہ مالک مکان صاحب نواز شریف پر ہونے والے ظلم کو ثابت کرتے رہے۔
نجم ہاتھ جھاڑتے ہوئے کرسی سے اٹھا اور کمرے کی طرف چل دیا۔
سدرہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا، عجیب ہے !! کوئی بات ہی نہیں معلوم اسے...... وہ اس کے شوز اٹھا کر شیلف میں رکھنے لگی۔
تھوڑی ہی دیر میں نجم نہا کر نکلا، سدرہ چائے تیار کر کے لے آئی۔
اس مہینے کے اختتام پر یہ گھر منتقل کرنا ہے، ہر ہفتے کچھ نہ کچھ سامان پیک کرنا شروع کردو، ہر ہفتے کچھ نہ کچھ سامان لے جایا کروں گا، تاکہ عین وقت پر کوئی مشکل نہ ہو۔ اس نے چائے پیتے ہوئے کہا۔
ہاں، ٹھیک ہے یہی سوچ رہی ہوں، سدرہ کے چہرے پر ہنوز پریشانی کے آثار تھے۔
پتہ نہیں کیسے لوگ ہوں گے، آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔
کیوں ں ں...... الجھن کیسی؟ نجم نے حیرت سے اسے دیکھا۔
میں مطمئن تھی کہ اس گھر میں صرف ہم ہی رہیں گے، پاس پڑوس کے لوگوں سے تو بندہ احتیاط کر ہی لیتا ہے، لیکن اتنے قریب جو لوگ ہوں ان کے ساتھ مشکلات ہوجاتی ہیں۔
ہاں لیکن میرے خیال سے ایسی بات نہیں ہے، تم اپنی سوچ کو بدلو، میں سمجھتا ہوں کہ ایسی جگہ

پر تم دین کا اچھا کام کرسکتی ہو۔
صرف کہنا آسان ہے مگر کرنا مشکل ہوتا ہے، آج کل لوگ کہاں سنتے ہیں کوئی بات، دینداروں کو تو ویسے ہی بہت بری نظر سے دیکھتے ہیں۔
تم پریشان نہ ہو، اللہ خیر کریں گے۔ نجم نے اس سے بحث کرنا اس وقت مناسب نہیں سمجھا اور بستر پر دراز ہوگیا۔
عزیز کالونی کا یہ گھر انہیں کمپنی کی طرف سے ملا تھا، جس میں انہیں پانچ سال ہو چکے تھے، ان کے تین بچے تھے، جو ابھی چھوٹے تھے، اس محلے میں بھی وہ زیادہ تر سب سے الگ تھلگ رہتی تھی، محلے کی کچھ بچیوں کو قرآن پڑھاتی تھی، جس کی وجہ سے سب اسے قرآن والی باجی کے نام سے جانتی تھی، اور اس کا احترام کرتی تھیں، لیکن پھر بھی وہ سب کے گھر جانے سے محتاط رہتی تھی، اپنے بچوں کو بھی کسی کے گھر نہیں جانے دیتی تھی۔ اب انہیں دوسرے گھر میں منتقل ہونا تھا، سو بہت چھان پھٹک کر انہیں دوسرا گھر ایک مناسب محلے میں ملا تھا، تین منزلہ عمارت کے پورے گھر کا کرایہ دینا ان کے لئے مشکل بھی تھا اور ضرورت سے زائد بھی تھا، سو انہوں نے ایک پورشن ہی لے لیا، اب اسے پتہ چل رہا تھا کہ وہاں کوئی اور فیملی بھی منتقل ہوگئی ہے، بس یہ بات اسے پریشان کئے دے رہی تھی۔
انہیں کوئی فکر ہی نہیں ہے، اس نے منہ بسور کر بے فکری سے سوئے ہوئے نجم کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

آپ نے اس کارٹن کے اوپر اور کچھ سامان تو نہیں رکھ دیا تھا۔
نجم نئے گھر میں سامان رکھ کر آیا تھا جب ہی سدرہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
گاڑی میں تو میں نے اس کا دھیان رکھا تھا، لیکن گھر پہنچ کر وہ جو نیچے والے کرائے دار ہیں نا، انہوں نے کہا کہ سب سامان یہیں رکھ دو، میں اوپر رکھوا دیتا ہوں۔
تو کیا آپ خود اوپر نہیں گئے، سدرہ نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔
نہیں...... حیدر نام ہے ان کا شاید...... انہوں نے اپنے بچوں سے کہا کہ سامان اوپر رکھ آئیں۔
تو آپ نے اتنی دیر وہاں کیا کیا آخر؟......
اتنی دیر کہاں پگلی...... بس کچھ دیر ان کے ساتھ چائے پی...... اور باقی وقت راستے میں لگا۔
آج پھر آپ نے چائے پی وہاں !؟ اس دن کھانا بھی کھایا تھا۔
ہاں ! انہوں نے اصرار کیا تو مجھے اچھا نہیں لگا کہ منع کروں۔
کتنے بے فکر انسان ہیں آپ...... سامان کسی اور کے حوالے کردیا۔ ان کے بچوں نے پتہ نہیں کیسے رکھا ہوگا۔ کچھ توڑ دیا ہوتو؟...... اور کسی پر بھروسہ کرنے کا زمانہ ہے کیا؟...... کوئی چیز آگے

پیچھے ہو جائے تو بندہ شک سے بہتر ہے کہ احتیاط کرے نا..... وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

ہاں جناب! یہ تو ہے۔ ویسے وہ بچے سمجھدار لگ رہے تھے، بڑے تھے، کوئی ایسا کام تو نہیں کریں گے۔ نجم نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

لیکن سدرہ مسلسل اضطراب میں تھی۔ وہ لوگوں سے زیادہ معاملات نہیں بڑھاتی تھی، جب کہ نجم ان نئے پڑوسیوں سے اچھا تعلق بنا چکا تھا۔

اگلے ہفتے انہوں نے نئے گھر منتقل ہونا تھا، اسی لئے وہ نجم سے کہہ چکی تھی کہ اس سے پہلے اسے اس کی بڑی بہن سمیہ سے ملوانے لے جائے اس کا گھر یہاں سے قریب تھا، دوسری جگہ وہاں سے دور تھی، پھر آنے جانے میں مشکل ہوتی۔

بڑی مشکل ہوتی ہے سدرہ گھر منتقل کرنا کوئی آسان کام تھوڑی ہے، بندہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ہاں آپا!..... مجھے تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیسے سامان پیک کروں، کیسے چیزیں سمیٹوں۔

میں تمہارا حال سمجھ سکتی ہوں، تمہاری تو پہلی شفٹنگ ہے نا، جبکہ میں چار گھر بدل چکی ہوں، اور اس میں بہت مشقت ہوتی ہے۔

ہاں آپا..... بس دعا کریں آسانی سے سب کچھ ہو جائے۔

ہاں اللہ خیر کرے گا..... گھر تو جیسے تیسے شفٹ ہو ہی جاتے ہیں، لیکن نئی جگہ پر جا کر ایڈجسٹ کرنے میں ہی بندے کو مہینہ لگ جاتا ہے، نئے محلے داروں کے ساتھ، پانی، بجلی کے مسائل، دکان داروں کی عدم اعتمادی اور محلے والوں کی کھوجی کھوجی سی نظریں..... پورا محلہ نئے آنے والے گھر پر یوں تبصرہ کرتا ہے جیسے منڈی میں قربانی کا نیا جانور آیا ہو۔ آپا بڑے شد و مد سے اپنا تجربہ بتا رہیں تھی۔

مجھے بھی سب سے زیادہ محلے کی ٹینشن ہے، کیونکہ ہمارے نیچے والے پورشن میں تو کوئی اور فیملی بھی رہتی ہے، آنے جانے کا دروازہ بھی ایک ہے، سیڑھی بھی ان کے دروازے کے سامنے سے ہے۔ سدرہ نے کہا۔

اوہ ہو..... یہ تو بڑی غلطی کی سدرہ، مشترکہ گھر تو عذاب ہوتے ہیں..... گھنٹی بجتی ہے تو نہ اوپر والے دروازہ کھولتے ہیں، نہ نیچے والے کھولتے ہیں، دونوں ایک دوسرے پر تکیہ کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ مجھے خوب اندازہ ہے، تین سال پہلے جوہر کالونی والا گھر میں نے اسی لئے تو چھوڑا تھا۔ پانی کا ٹینکر ڈلوا دو تو ایک گھر کہتا ہے، اس نے زیادہ استعمال کیا، دوسرا کہتا ہے، اس نے زیادہ استعمال کیا۔

بجلی کے ساتھ بھی یہی رونا لگا رہتا ہے..... ان سب سے بڑھ کر نیچے والی خاتون کپڑے پھیلانے بھی اوپر آتی ہیں، بستروں کو دھوپ لگوانے بھی اوپر آتی ہیں، اور گندم، دالوں کو

سکوانے بھی اوپر آتی ہیں.....

اگر دیندار فیملی نہ ہو تو پردے کے ہزار ہزار مسائل ہوتے ہیں، گھر میں آنا جانا ایسے کرتے ہیں جیسے ہمارے مالک بھی وہی ہوں، کیا کھایا؟..... کیا پہنا؟..... کہاں گئے، کہاں سے آئے؟..... سارے حالات پر ان کی پوری نظر ہوتی ہے۔

پھر ہم تو گھر میں رہنے والی عورتیں ہی ہیں جبکہ یہ عورتیں تو سارا سارا دن باہر گھومتی ہیں، ایسے میں یہ دوسرے گھر والوں کو کہہ جاتی ہیں کہ ان کے بچوں اور شوہر کو ایک پلیٹ سالن بھیج دیں، کبھی روٹی بنا کر دے دیں، اور کبھی تو ان کے مہمان بھی سنبھالنے پڑ جاتے ہیں۔

اور جو کبھی تھوڑا سکون ہو ہی جائے تو ان کے گھر میں اونچی آواز سے گانے چلا دیتے ہیں، کبھی فلمیں اور ڈرامے..... اور قریب میں کوئی پڑوسی آجانے سے تو ان کے بازار کے سودا سلف کی تو گویا چھٹی ہی ہو جاتی ہے، نمک، چینی، پتی، آلو، پیاز، ٹماٹر، دودھ..... جیسی چیزیں تو روز مانگنا لازم ہوتا ہے۔

کسی بچے کو گھر میں کھانا پسند نہیں آتا تو آواز آتی ہے..... بہن کیا بنایا ہے؟

آپ نے تو مجھے ڈرا دیا ہے..... آپا کا زور وشور سے تبصرہ جاری تھا کہ سدرہ نے ان کی بات کاٹی۔

ارے بس..... اللہ سے دعا کرو کہ اچھے لوگ ملیں، اچھے لوگ ہوں تو جنت بن جاتی ہے زندگی..... پھر بھی احتیاط کرنا تم..... نئے لوگوں میں بہت مسئلے مسائل ہو جاتے ہیں، اور تم تو ہو بھی بھولی بھالی۔ آنے جانے میں احتیاط رکھنا۔ زیادہ فری نہ کرنا ان لوگوں کو۔ شروع دن سے ہی اپنے اصول وقواعد بنا لینا اور سخت رہنا تا کہ وہ لوگ ڈر کر رہیں۔

ہمم..... سدرہ نے سر ہلایا۔

سمجھ رہی ہو نا؟..... آپا نے اسے گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر کہا۔

جی جی آپا میں سمجھ رہی ہوں۔ اس نے مزید تفکر سے سر ہلایا، اور گود میں لیٹی فروہ کو بستر پر ڈالا۔

☆.....☆.....☆

گھر چھوڑ کر جاتے ہوئے نجم جس قدر خوش تھے کہ وہ نئے گھر میں جا رہے ہیں، سدرہ اتنی ہی پریشان تھی۔

نئے گھر کے سامنے پہنچتے ہی گاڑی رکی، حیدری صاحب کو نجم پہلے ہی فون کر کے بتا چکے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو لے کر آ رہا ہے، سو وہ دوڑ کر باہر نکلے، نجم کا استقبال کیا، اور اپنی بیوی کو آوازیں دینے لگے۔

سدرہ نے دیکھا کہ ایک پکی عمر کی خاتون لیکن نہایت ٹپ ٹاپ والی، سامنے آئی اور سدرہ کو

بڑی محبت سے اپنے گھر میں لے گئی۔

ارے میں اوپر ہی جاؤں گی......سدرہ نے گھبرا کر کہا۔

تمہارا اپنا ہی گھر ہے، بیٹا چلی جانا...... پانی پی لو بیٹھ کر۔ بچوں کو یہاں بٹھا دو، میں اپنی لڑکیوں سے کہتی ہوں اوپر صفائی کرا آئیں۔ وہ کہہ رہی تھی اور سدرہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنے انداز میں جتنی سختی اور دوری لانے کی کوشش کر رہی تھی، ان خاتون کے لہجے میں اسی قدر محبت ٹپک رہی تھی، وہ ان کی محبت سے متاثر تو ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی ان کے رہن سہن اور انداز و اطوار سے اسے کوفت سی ہو رہی تھی۔

فیشن ایبل سا ماحول تھا، کھلے بالوں، تنگ کپڑوں کے ساتھ گھوم رہیں تھی۔ اسے آپا کی بات یاد آئی کہ دیندار نہ ہوں تو کس قدر مشکل ہوتی ہے، وہ خود کو ذہنی طور پر آئندہ کی مشکلات کے لئے تیار کر رہی تھی۔

شام کا کھانا بھی انہوں نے اس کے لئے بنا کر بھیجا۔ نجم مطمئن تھا کہ اچھے لوگ ہیں، ان کی موجودگی میں اسے سدرہ اور بچوں کو تنہا چھوڑ کر جانے کی کوئی ٹینشن نہیں ہوگی۔

لیکن سدرہ کو یہی قلق تھا کہ وہ ان کے ساتھ کیسے گذارہ کرے گی۔

آپا کی بات کے مطابق حیدری صاحب کی بیوی نے اوپر آنا جانا شروع کر دیا تھا، سارا دن ان کے اپنے بچے اسکول، کالجوں میں ہوتے تو وہ سدرہ کے بچوں کے ساتھ وقت گزارتی۔

سدرہ کو ایک طرح آرام بھی تھا کہ اس کے بہت سے کام بٹ گئے تھے، وہ بچوں کو کبھی مالش کر دیتیں، کبھی کھانا کھلا دیتیں، شام کے وقت اپنے گھر لے جاتیں، دکان سے کوئی بھی چیز لا دیتیں۔

لیکن دل کا خوف کسی طور بھی کم ہونے کو نہیں آ رہا تھا...... اسے اب بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ رہن سہن کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے ساتھ کیسے رہے بھلا۔

سو وہ اس کے بعد سے ان کے گھر نہیں گئی تھی، ہمیشہ ہی مصروفیت کا بہانہ بنا دیتی تھی، جبکہ وہ سدرہ کے بچوں کے ساتھ دل بہلا لیتی تھیں۔

ارے سدرہ ...... تمہاری چھت پر کپڑے پھیلانے کی جگہ ہے کہ نہیں؟؟؟

آنٹی نے نیچے سے آواز دی۔

جی آنٹی...... اس نے مروتاً ہاں کہی۔

اسے آپا کی بات یاد آ گئی کہ یہ سب کچھ تو پھر ہوتا ہی ہے۔

اچھا میں مشین لگا رہی ہوں کپڑے زیادہ ہو گئے ہیں، آدھے اوپر پھیلا لوں گی۔

ٹھیک ہے...... انہیں نمٹا کر وہ اندر گئی تو اس کا فون بج رہا تھا۔

ہیلو آپا...... کیسی ہیں؟ اس نے دل سے کہا۔

میں تو ٹھیک ہوں، تم سناؤ کہ سیٹنگ ہو گئی، دل لگ گیا ہے؟

جی آپا اللہ کا شکر ہے۔

نچلے کرائے دار کیسے ہیں۔ کوئی مشکلات تو نہیں ہو رہیں۔ آپا نے پوچھا۔

آپا آپ کی نوے فیصد باتیں درست ثابت ہو رہی ہیں، بہت ماڈرن سے لوگ ہیں، اس نے بے دلی سے کہا۔

چلو کوئی نہیں...... اللہ انہیں تمہارے حق میں اچھا کرے گا۔ آپا نے دعا دی اور کچھ مزید رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

وہ باہر نکلی تو اسے چھت پر کوئی آہٹ سی محسوس ہوئی اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو آنٹی کپڑے پھیلانے لے کر جا رہیں تھیں۔

حیرت ہے ویسے۔ اس نے لب بھینچے۔

ساتھ والے گھر کی چھت پر بھی کوئی خاتون کسی کام میں مصروف تھیں، آنٹی نے انہیں سلام کیا اور بات چیت شروع کر دی۔

سدرہ واپس اندر مڑ گئی، اسے ڈر تھا کہ اگر وہ یہاں جائے تو دوسری خاتون سے بھی راہ و رسم نکل آئیں گے۔

یہاں کوئی نئی فیملی شفٹ ہوئی ہے کیا؟ ساتھ والے گھر کی عورت پوچھ رہی تھی۔

ہاں ایک لڑکی ہے، بہت پیاری اور شریف سی...... تین بچے ہیں، بہت خوبصورت، شریف، سلجھا ہوا گھرانہ ہے۔

اچھاااا...... ساتھ والے گھر کی عورت حیرت سے بولی۔

میں تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اتنے اچھے لوگ ہمارے گھر میں آئے ہیں، دیندار بھی ہیں، مجھے تو لگتا ہے ان کی وجہ سے ہی ہماری بخشش ہو جائے گی۔

ارے خوش قسمت ہو تم تو......

ہاں تو اور کیا۔ میں تو سوچ رہی ہوں تھوڑا سیٹ ہو جائے یہ بچی تو اس سے کہوں گی میری نماز اور قرآن بھی ٹھیک کرا دے، اس عمر میں ہی اللہ ہمیں ہدایت دے دے تو اس کا کرم ہے۔

حیدری صاحب کی بیوی کہہ رہی تھیں اور سدرہ کی آنکھیں نم ہو رہیں تھی۔

اسے اللہ نے دیندار بنا کر اس پر فضل کیا تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ دوسرے لوگوں سے غافل ہو جائے، اس پر ان سب کی ذمہ داری تھی، اسے انہیں برداشت کرنا تھا، ان سے محبت کرنی تھی اور انہیں دین سکھانا تھا، وہ مسکراتی ہوئی باہر نکلی اور آنٹی کے سامنے رکھی بالٹی میں سے کپڑے اٹھا کر ان کر پھیلانے لگی۔

☆......☆......☆

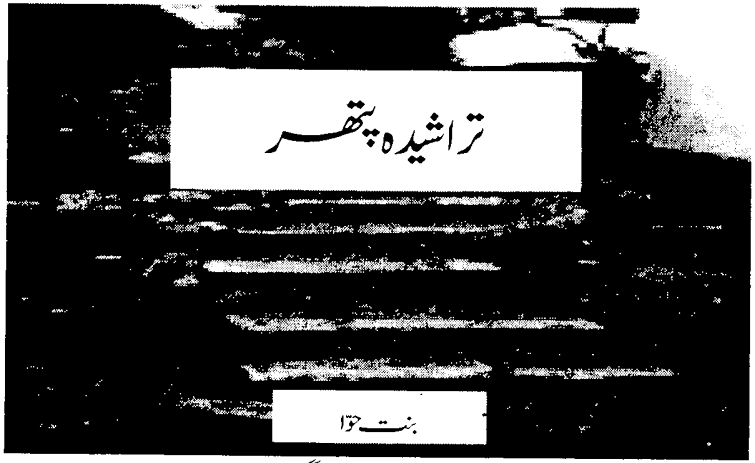

تراشیدہ پتھر

بنت حوا

زبردست! صرف چہرے دیکھ لینے سے کیا حاصل ہوتا جبکہ اپنے سرتاج کی بات ماننے سے دو فائدے حاصل ہوئے، ان کی رضا اور اللہ کی رضا وہ خوشی سے بولی۔

لیکن میری کوئی بات آپ مانتی نہیں ہو؟ وہ ناراضگی سے بولا۔

کونسی بات؟ وہ فکرمندی سے بولی۔

آپ چادر لیتی ہیں مگر چہرہ کب چھپاتی ہیں؟ وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

اب پردہ کروں گی۔ آئی پرومس حسان۔ وہ یقین دلانے لگی۔

اتنا تیار ہوکر گئیں تھیں؟ وہ اس کے سراپے پر نظر دوڑانے لگا، تابش کنفیوز ہوگئی۔

میرے لئے تو کبھی اتنی میچنگ سے تیار نہیں ہوتیں؟ وہ چھیڑنے لگا۔

آپ ہی تو کہتے ہیں میں بغیر تیار ہوئے بھی پیاری لگتی ہوں، وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

میں تو اس لئے کہتا ہوں کہ باہر تیار ہوکر مت جاؤ اور کوئی بھی مت دیکھے۔ وہ وضاحت کرنے لگا۔

بڑے چالاک ہیں آپ، وہ مُسکرا اُٹھی۔

میری بلی مجھے ہی میاؤں میاؤں...... یہ کہہ کر حسان نے اس کی ناک دبادی، جس کی وجہ سے آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

☆......☆......☆

ماریہ گھونگٹ نکال کر ہر کسی کو منہ دیتی تھی۔

ماریہ ماریہ بھابی! ہر طرف سے ماریہ کی پکار سنائی دیتی، کبھی اپنی ساس کے سر میں تیل لگا رہی ہے، کبھی استری کر رہی ہے، کبھی بچوں کو پاس بٹھا کر دینی قصے سناتی، غرض ہر طرف ماریہ چھائی ہوئی تھی۔

ماریہ چچی میرے پیارے سے بال بنادیں

پرویشن نے کہا۔

کیوں؟ وہ اُسے تنگ کرنے کی نیت سے بولی۔

ہم نانا کے گھر جارہے ہیں وہاں راحمہ (ماموں کی بیٹی) اپنی مما سے نئے نئے ڈیزائن بنا کر مجھے چڑاتی ہے، وہ سچ بتانے لگی۔

میری مما کو تو بس دو ہی بنانے آتے ہیں، وہ منہ بنا کر بولی ماریہ اس کے زاویے دیکھ ہنس دی۔

چلو آؤ آج میں آپ کی فرنچ بناتی ہوں وہ کنگھے سے بال سلجھانے لگی، بال تو بہت پیارے ہیں وہ تعریف کرنے لگی ابھی آدھی فرنچ بنی تھی، فائز آگئے۔

کیا سارے دن اُوٹ پٹانگ کام کرتی رہتی ہو وہ غصے سے بولے، ماریہ نے جلدی جلدی نیچے سیدھی چٹیا بنادی پرویشن اس پر بھی خوش ہوکر چلی گئی۔

جی بولیں کیا چاہیے؟ وہ نرمی سے بولی۔

چائے بنا کر لادو، سر میں درد ہے وہ اکھڑے لہجے میں بولے ماریہ کا موڈ آف ہوگیا۔

وہ جیسے ہی کچن میں گئی اس کی جٹھانیاں تینوں آپس میں محو گفتگو تھیں۔

ارے بھابی ماریہ یہ سب نمبر بڑھانے کیلئے کرتی ہے تاکہ سب بس اس کے بن کر رہ جائیں، فرزانہ نے زہر خندہ لہجے میں کہا۔

ابھی نئی نئی ہے اس لئے کر رہی ہے جب ان سسرالیوں کی حقیقت کھل جائے گی خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔ طلعت نے جیسے مذاق اُڑایا۔

ہاں ہم نے بھی بہت کیا پھر بھی جوتے ہی سر پر پڑے، قدرت ہنسی۔

ہر کسی کے کے آگے پیچھے گھومے گی سب سیاست ہے، کیا ہم نہیں جانتے، فرزانہ نے مرچی جیسے تیز لہجے میں کہا۔ ماریہ کے قدم من من کے ہوگئے وہ پھر بھی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

آؤ ماریہ وہ محبت سے گندھے لہجے میں بولی۔

بھابی چائے بنانی تھی، وہ لہجہ نارمل کرنے لگی۔

دل میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں، میں تو اللہ کی رضا کیلئے سب کر رہی ہوں پھر بھی ریا کے میڈل پہنائے جارہے ہیں، وہ چائے میں اُبال آتا ہوا دیکھ رہی تھی اُسے لگا کہ اس کے دل میں بھی اُبال آرہا ہے۔

چائے پی لیں فائز کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔

رکھ دو، پی لوں گا۔ چائے نہیں لگ رہا ہے پائے پکانے گئی تھی، عجیب انداز تھا۔ ماریہ کے تن بدن میں آگ لگ رہی تھی۔

جب شوہر غصے میں ہو بیوی کو چاہیے خاموش رہے، امی کا جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔

اچھا چائے تو پی لیں، وہ چولھا خالی نہیں تھا اس لئے دیر ہوگئی۔

تمہیں میری کیا فکر ہے؟ وہ جملہ ادھورا چھوڑ

گیا۔

میں نے آپ کی فکر کب نہیں کی؟ وہ لہجے کی تلخی چھپانے لگی۔

جب گھر آؤ سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی رہتی ہو۔ دوسروں کی چاپلوسی سے فرصت نہیں ہے، وہ اصل بات کی طرف آ گئے۔ ماریہ ہمیشہ سادگی پسند تھی، اس لئے جس حلیے میں ہوتی اُسے بُرا محسوس ہی نہیں ہوتا، جبکہ فائز ایک نفاست پسند بندہ تھا اور حسن پرست بھی تھا، سارے دن دفتروں میں نظریں بچاتا ہوا گھر پہنچتا تو بیوی ماسی سے بھی بری حالت میں ملتی تھی، تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔

آپ بتائیں اتنی بڑی فیملی میں، دلہن بن کر بیٹھ جاؤں، فائز کی بات اس کے سر پر لگی اور تلوؤں میں بجھی۔

دلہن بننے کو میں کب کہہ رہا ہوں؟ بندہ اپنے آپ کو مین ٹین رکھے، جب پورے خراب حلیے میں ہو گی اور میرے آنے کے وقت میں سجنے سنورنے لگو گی تو سب ہی محسوس کریں گے، وہ آج مکمل احتجاج کے موڈ میں تھا۔

ماریہ سوچتی رہی، اُسے لگا وہ بھنور میں ڈوبتی چلی گئی، فائز پتا نہیں کون کون سے شکوے کر رہا تھا وہ سن ہوئے دماغ سے سنے جا رہی تھی۔

عشاء کے بعد رانی کا فون آ گیا اُسے اس سے بہتر ہمدرد کوئی میسر نہیں تھا، وہ آہستہ آہستہ ساری گفتگو بتانے لگی۔

ماریہ ضروری تو نہیں تم خوب تیار ہو، بلکہ نیچرل میک اپ کر لیا کرو۔ جو زیادہ محسوس بھی نہیں ہو، خاص فائز کے آنے کے وقت کیوں کرتی ہو تمہاری ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے، اچھے کپڑے پہنو، شوہر کیلئے تیار ہونا بھی عبادت ہے۔ ماریہ ابھی تو فائز صرف لفظوں میں کہہ رہا ہوں کہیں یہ نہ ہو کہ تمہاری لاپروائی سے کہیں اور دلچسپی لینا شروع ہو جائے، خواتین کو آج کل مصروفیت کام کاج، بچوں کو سنبھالنے کا بہانہ ہاتھ لگ گیا بچارے مرد حضرات تو گئے ایسی کی تیسی میں۔

منہ ہاتھ دھو کر سرمہ لگا لو، کاجل لگا لو، لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک یا آؤٹ لائن لگا لو، بال اچھے بنا لو۔ ماریہ تمہیں ڈیزائن اتنے اچھے آتے ہیں اور تم پر سوٹ بھی کرتے ہیں، چستی دکھایا کرو، سستی سے کام لو گی تو پچھتاؤ گی، آج کل اتنے اچھے فاؤنڈیشن یا شائنر آ رہے ہیں ایک منٹ میں چہرہ چمکا دیتے ہیں اور کوئی محسوس بھی نہیں کر پاتا۔

پھوپھو میں کچھ سست بھی ہوں اور عادت بھی نہیں ہے، فائز کہتے ہیں روز کپڑے بدلو۔ اب بتا میں کپڑے بدلنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے وہ جھنجھلائی۔

تمہارا یہ کپڑا بدلنا، تیار ہونا بھی عبادت میں شمار ہو گا، وہ اس کے لہجے پر ہنس پڑیں۔

ایک دفعہ میں خوب دل لگا کر تیار ہو گئی تھی

میری ساس سخت ناراض ہوئی تھیں۔

تمہیں اتنا تیار ہونے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟ وہ مذاقاً بولیں۔ میرے دل نے وہ بھی موڈ میں آ گئیں۔

میری باتوں پر عمل کرو پھر میں فون کروں گی اچھا اللہ حافظ، وہ لائن کٹنے پر سوچ میں ڈوب گئی۔

ماریہ میں ایک عادت بری تھی، ایک چیز کو توجہ دیتی تو دوسری طرف غافل ہو جاتی تھی، ساس سسر اور جٹھانیوں کو خوش کرنے کیلئے اور ان کی خدمت کرنے کی سوچ نے اُسے فائز سے بالکل غافل کر دیا تھا، اب وہ دونوں جگہ یکسانیت لانے کی کوشش کر رہی تھی اور کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

رمشاء کو اللہ نے ایک خوبصورت کلی سے نوازا تھا سب بہت خوش تھے۔

رمشاء میں نے سوچا تھا بیٹا ہو گا۔ جمیل کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے بولا ذکوان، عاصم کے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی اس لئے جمیل کے ذہن میں بھی یہی بات تھی۔

جس عورت کے یہاں پہلی بیٹی ہوتی ہے، حدیث کے مطابق اُسے خوش نصیب عورت قرار دیا ہے رمشاء نے الشبہ کو جمیل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اللہ پاک بیٹی کی پیدائش پر بہت خوش ہوتے ہیں اور جو بیٹی کی اچھی طرح تربیت کر کے اور اس کی شادی کر دے، اللہ کے نبی نے اس کو جنت کی خوشخبری دی ہے، وہ ذہن پر چھائے غبار کو صاف کرنے لگی۔

بھابی آپ کی موہنی سی گڑیا بہت روتی ہے تابش پیار کرتے ہوئے بولی۔

تابش بچوں کو صرف رونا ہی آتا ہے اس لئے وہ بھوک کیلئے، نیند کیلئے، گندگی صاف کروانے کیلئے اپنی اماں کی توجہ چاہنے کیلئے رو کر احساس دلاتے ہیں وہ تبسم آمیز لہجے میں بولی۔

بھابی رات کو دو بجے تک رو رہی تھی، نیچے تک آواز آ رہی تھی، میں حسان کیلئے چائے بنانے کیلئے باہر آئی تھی الشبہ کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

تابش نے بتایا حسان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، رمشاء نے فکرمندی سے پوچھا۔

نہیں ٹھیک ہیں (M.B.A) کے فرسٹ سمسٹرز کے پیپر چل رہے ہیں، نیند بھگانے کیلئے چائے پر چائے پیتے ہیں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

پھر تو آپ کو بھی حسان بھائی کے ساتھ (M.B.A) کرنا چاہیے تھا، پھر دیوانے دو ہو جاتے رحاب نے مذاق کیا۔

میں نے کہا تھا حسان کہہ رہے تھے کہ تمہیں اب گھر سنبھالنا ہے بزنس نہیں، اس پر تینوں ہنس پڑیں۔

تابش پر سختی نہیں کی گئی۔ قرآن تو خود کہتا ہے

''دین میں سختی نہیں ہے'' سختی سے ایک شخص باغی مسلمان تو بن سکتا ہے پر سچا پکا مسلمان نہیں، پابندی دین میں مطلوب ہے ہلکی پھلکی پابندی آئندہ کیلئے استقامت کا کوہِ گراں بنا دیتی ہے۔

تابش پر اُنگلیاں اُٹھانے والے، اب تابش کو دیکھ کر حیران رہ جاتے، ہر عمل میں وہ آگے بڑھتی چلی گئی اس نے اپنی زندگی میں دین داخل کرلیا، ابھی بھی گاڑی چلاتی ہے پردے کے ساتھ، تیار ہوتی جہاں شریعت اجازت دیتی ہے۔

تابش یہ تم نے آج کون سی ڈش بنائی ہے عمارہ نے پوچھا۔

امی میں نے نہیں ہم دونوں نے، نام ہے اس کا ''شیش کباب'' وہ کباب تلتے ہوئے بولی۔ آج حسان جلدی گھر آگیا تھا اس لئے سب سے پہلے وہ ہی کبابوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

سندس نے جو کردار، تابش کی ذہن سازی میں ادا کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے، تابش بھی سندس کی اتنی دیوانی ہے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عمارہ تمہیں اللہ نے ایک کے بجائے دو بیٹیاں دیدیں۔

دعا کریں ایک کے بجائے چار ایسی بیٹیاں ملیں وہ خوشی سے سرشار بولتیں، گھر بنانے میں عمارہ نے مضبوط کردار ادا کیا۔ بہو کو بیٹی سمجھا، پیار سے ہر بات سمجھاتی تھیں اگر نہیں مانتی تو اُسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتیں اور نہ ہی انا رکی اور لگائی بجھائی کرتیں، خالق کائنات تو دیکھ رہا ہے، عمارہ جو اپنی ساس کی اب تک خدمت میں مصروف ہیں اس بندی کو کیوں ناں وہ ایسی بیٹیاں عطا کرتا جو اُسے ماں سے بھی بڑھ کر چاہتیں۔

تابش کو ہدایت کیوں نہ ملتی جبکہ عمارہ کے شب میں کیے خلوص دل کے سجدے جسے رب اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا وہ ربّ رائیگاں کر دیتا؟

حسان جس نے تابش کو اعتماد دے کر اس سے ہر چاہت کو منوالیا۔

☆......☆......☆

فریدہ بیگم جویریا کیلئے آئے ہوئے رشتے کے چناؤ میں کچھ تردد محسوس کر رہی تھی۔

امی آپ آپی سے استخارہ کا کہہ دیں، منزہ نے ماں کی گتھی سلجھائی۔

جویریہ نے استخار کرلیا فریدہ بیگم پوچھنے لگیں: جویریا کچھ نظر آیا، ہرا یا سفید یا کوئی بزرگ۔ جویریا کو فریدہ کے انداز پر ہنسی آگئی۔

امی استخارہ کا مطلب ہے اللہ سے مشورہ کرنا ہے، یہ باتیں کچھ نظر آنا سب بے فضول ہیں، استخارہ رب سے مشورہ طلب کرنا ہے، اللہ سے بہترین کون مشورہ دے سکتا ہے، اگر اس کام میں بہتری ہوتی ہے تو وہ ہوجاتا ہے ورنہ وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتا، سنت استخارہ سات دن ہے۔ یہ سب کم علمی کی باتیں ہیں کہ کسی سے بات مت کرو،

قبلہ رو ہی رہو کچھ نظر آئے تو فوراً عمل کرو۔ دین اتنا آسان ہے اسے ہم نے بمشکل بنا دیا ہے۔ جویریا سمجھانے لگیں۔

آپی اب تو ٹیوی پر ایک منٹ کا استخارہ بھی کیا جاتا ہے، سدرہ بتا رہی تھی منزہ نے بتایا۔

حیرت ہے سنت سے ہٹ کر یہ امت کن چکروں میں پھنس گئی، وہ تأسف سے بولی۔

☆......☆......☆

اشعر علی کے بارے میں فریدہ کا دل مطمئن ہوگیا۔ اشعر علی تبلیغ سے منسلک تھے کئی سفر بیرون ممالک کے کر چکے تھے، گھر کا ماحول نہایت مادر پدر آزاد تھا۔

اشعر علی نے صاف کہا تھا کہ وہ کسی دینی سوچ کی حامل لڑکی سے شادی کریں گے، اشعر علی کے گھر والے جویریا اور منزہ کا خوب مذاق اُڑاتے تھے، یہ دو بیویاں بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں، لمیقہ بیگم تو خوب چڑتی تھیں لیکن وہ جویریا ان کی بہو بن کر آرہی تھی۔

فریدہ منزہ بھی شادی کی تیاریاں کر رہی تھیں، میمونہ بیگم اپنے بیٹے مزمل کیلئے ہاں کروا کر گھر سے گئیں منزہ تو سٹپٹا کر رہ گئیں۔

امی یہ کیا ہے؟ وہ خوب احتجاج کرنے لگی جویریا میں شرم وحیا کا عنصر تھا جبکہ منزہ تھوڑی شوخ اور اعتماد کا بھرپور اظہار کرنے والی تھی۔

یہ وہ ہے جو ہر ماں باپ اچھا رشتہ ملنے پر کرتے ہیں، فریدہ نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

بھابی آپ پلکنگ کروائیے گا، جویریا کی نند اروی نے کہا جو آج شادی کے ملبوسات لے کر آئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد جویریا نے فریدہ سے کہا: امی آپ انہیں کہلوا دیں میں آئی بروز نہیں بنواؤں گی، وہ غصے میں تھی۔

میں اشعر علی سے کرتی ہوں یہ بات، فریدہ سے پہلے، کسی اور ذرائع سے اشعر علی کو پہنچ گئی اس نے کہلوا دیا کہ جویریا شریعت کے مطابق ہر کام کرے، مجھے پلکنگ کے بغیر قبول ہے۔

لمیقہ کہہ رہی تھی کہ جویریا عبایا نہیں پہنے گی صرف چادر میں لے آئیں گے۔

مما! میں چاہتا ہوں وہ عبائے میں ہی رخصت ہو کر آئے، تو آپ سب اُسے اپنی ناک کا مسئلہ کیوں بنا رہے ہیں؟ وہ برہم ہوا۔

جویریا کی مدد و نصرت اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر کروائی، منزہ نے علم کے باوجود ہر ارمان پورے کئے وہ استقامت نہیں دکھا سکی۔

جویریا شادی کے فوراً بعد موریطانیہ کا تین ماہ کا تبلیغی سفر بھی کر آئی، گھر والوں کا حال جوں کا توں تھا اشعر علی اور جویریا نے مضبوطی دکھائی تو شیطان کے کنگرے خود ہی کر گئے۔

منزہ اپنے سسرال کے ماحول میں رنگ گئی۔

آج اس کی نند کی شادی تھی، ساڑھی پہنے لمبا جوڑا بنائے وہ تتلی بنی گھوم رہی تھی۔

آپ عالمہ ہیں ناں؟ ایک لڑکی نے پوچھا۔

ہاں! کیوں؟؟ اس کی شادی کو ایک سال مکمل ہو چکا تھا۔

بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی، وہ اُسکے لہجے پر خاموش ہوگئی۔

اگر جویریا یا کوئی اور سمجھاتا تو وہ کہہ دیتی کیوں عالمات کا دل نہیں ہے کیا؟ اس پر سب خاموش ہوجاتے۔

جویریا کو اللہ نے جو عزت عطا کی وہ مقدر والوں کی نصیب ہوتی ہے، ہر کوئی اس کی مثال دیتا، جویریا جس ماحول میں رہ کر دین پر چل رہی تھی وہ انگاروں پر چلنے کے مترادف تھا۔ لیقہ بیگم بھی اب تو ہر حربے استعمال کر کے تھک چکی تھیں پانی کتنا بھی اوپر چڑھ جائے گا مگر آخر کار بہنا اُسے نیچے کی طرف ہی ہوتا ہے، سب اِن ڈھلان پر گامزن تھے شیطان بھی مایوس ہو کر منہ موڑ چکا تھا۔

☆......☆......☆

زویا کو تکلیف میں اکثر عثمان کی یاد بہت آتی لیکن ساتھ ہی اُسے اپنا عہد یاد آتا جو اُسے نبھانا تھا۔

زویا آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں، انہیں دودھ، فروٹ اور جوس کی سخت ضرورت ہے۔ ڈاکٹر عارفہ نے پیشہ وارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

باہر نکل کر فرحت بیگم خوب گرجیں۔ دودھ فروٹ جوس اس کے علاوہ بھی ان ڈاکٹر نیوں کے پاس کوئی بات ہی نہیں ہے، فیشن بن گیا دوائی بھی ضروری لو یہ لوازمات بھی ضرورت بن گئے۔ ارے ہم بھی تو کھانا ہی کھاتے تھے، تو اس وقت تو یہ چونچلے نہ تھے، ان کا غصہ گھر آکر بھی کم نہ ہوا فرحت بیگم کو یہ باتیں بہت بری لگتی تھیں۔

آج کل اشیاء کا معیار بہت گر گیا ہے خالص چیزیں ناپید ہوگئیں ہیں خالہ، دوائیاں بھی ضرورت بن گئی ہیں، آپ اپنی بہو سے پوچھیں کتنا کھانا کھاتی ہیں دو روٹی بھی بمشکل لے پاتی ہوں گی اس صورتحال میں ہمارے پاس انہیں ہدایات کا آپشن باقی رہتا ہے، کل اگر کچھ اونچ نیچ ہو جاتی ہے پھر ہمیں ہی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے وہ سمجھانے لگیں۔

آج زویا کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی فرحت بیگم جلدی سے اُسے کلینک لے کر پہنچی، زویا کے چہرے پر پھیلے پلکائی اور بوڑھتی مردائی کو مدنظر رکھ کر ڈاکٹر عارفہ جو چالیس سال تجربہ کار تھیں ہدایات دے رہیں تھیں۔

☆......☆......☆

عثمان مبارک ہو تمہیں؟ فرحت نے خوشی سے کہا۔

خیرت امی؟! وہ بیچارا بے خبر تھا۔

بیٹی ہوئی ہے، وہ بتانے لگیں۔

او...... اچھا...... امی آپ کو بھی خوب مبارکباد آپ دادی بن گئیں۔ وہ چہکا۔

رات کو وہ زویا اور ننھی سی گڑیا کو دیکھ رہا تھا۔

عثمان اس کا نام میں اپنی امی کے نام پر کریمن رکھوں گی، فرحت نے دھماکا کیا۔

امی آپ اپنی کسی بیٹی کا رکھ لیتیں میں اس کا نام عائزہ رکھوں گا۔ وہ اٹل لہجے میں بولا۔

چلاؤ اپنی، میری کب مانتے ہو وہ ناراضگی سے بولیں۔

امی! عثمان بھائی صحیح کہہ رہے ہیں، کتنا اولڈ نام ہے بتاتے بھی شرم آئے گی، سدرہ نے بھی عثمان کی تائید کی۔

ہٹو تمہارے یہ اولڈ پولڈ، وہ ناراض ہو کر اُٹھ کر چلی گئیں، سدرہ بھی چلی گئی۔

دل چاہ رہا ہے کہ اُڑ کر پاکستان پہنچ جاؤں، وہ دل کی کرچیاں سمیٹ کر بولا۔

جب آپ کی چھٹیاں ہوں آجایئے گا۔ وہ تکیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے بولی۔

دل چاہ رہا ہے اتنا سارا سامان خریدوں عائزہ کیلئے کہ بس، وہ فرطِ خوشی سے بات ادھوری چھوڑ گیا۔

نانی لے آئیں گی، وہ مذاق کرنے لگی۔

نہیں زویا میں نے منع کر دیا ہے، یہ جو پیدائش پر رسم و رواج بن گئے ہیں وہ ہم نے ختم کرنے ہیں بیٹی میری پیدا ہوئی ہے، نانی نے کیا ظلم کیا ہے؟...... وہ اس کا جہیز لے کر آئیں، وہ سنجیدگی سے بولا۔

نواسی کو خوشی میں گفٹ دے رہی ہیں، زویا نے کہا۔

گفٹ تو پوری زندگی میں جب چاہیں دیدیں میں منع نہیں کروں گا، مضبوطی عیاں تھی۔

عبید بھائی کو میں نے کچھ ضروری اشیاء بتائی ہیں کچھ بھابی سے وہ پوچھ لیں گے، اگر تمہارے ذہن میں ہے مجھے بتادو وہ پوچھنے لگا۔

فرحت بیگم نے برا مانا، پر عثمان نے ضد کر کے انہیں منالیا، کماؤ پوت کی بات وہ ٹال بھی کیسے سکتی تھیں۔

زویا اپنی ضروریات کو عثمان کی خوشی کیلئے مختصر کرتی رہی، اپنے والدین کو اس نے کسی حوالے سے تنگ نہیں کیا نہ ہی حالِ دل اور حالِ زندگی سنائی۔ سب زویا کو خوش قسمت سمجھتے۔ سوچتے ریال سے خوب عیش کرتی ہے، وہ بھی اپنا بھرم خوب قائم رکھتی اور اپنی بھانپ کسی کو نہیں سناتی۔

☆......☆......☆

زویا کے ذہن میں کبھی کبھی ہاشم خان کا قصہ گونجتا جو فرحت اور عثمان نے ایک دفعہ کیا تھا، اُس کا دل چاہتا کہ وہ پوچھ لے مگر اُسے یاد آتا۔ کہیں اس طرح دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی

تونہیں ہوگی۔ وہ چپ ہوجاتی، کرید نے پر عثمان اُسے بتا تو دیتے لیکن شاید وہ آئندہ کیلئے محتاط ہوجاتے۔ عثمان کوزویا کی یہ عادت بہت پسند تھی کہ وہ کسی بھی حوالے سے کھودتی کریدتی نہیں تھی سن کربھی یہ اظہار کرتی گویا سنا ہی نہیں۔

ڈیڑ سال بعد عثمان پاکستان پہنچ گیا، ایک ہفتے بعد ہاشم خان بھی لندن سے کراچی لینڈ کر چکا تھا۔

ہاشم خان ڈاؤ یونیورسٹی کا ڈان مشہور تھا، اسپورٹس کاروں میں گھومنا، ہاتھوں میں چین، پسٹل ہر وقت ساتھ ہوتی تھی۔ لندن سے اُسے جاب کی آفر آئی وہ وہاں چلا گیا وہاں ایک دن روڈ ایکسیڈنٹ میں اُس کے دوست کا انتقال ہوگیا اور وہ موت کی کشمکش سے نکل کر نئی زندگی پا گیا۔ ہاشم خان کو دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی ہاشم ہے جو کبھی خوف کا استعارہ ہوتا تھا۔

سنت کے مطابق لباس، شرعی داڑھی اور لبوں پر مسکراہٹ...... شخصیت پہلے ہی پر کشش تھی مگر اب تو باوقار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔ فطرت ابھی تبدیل نہیں ہوئی تھی رُخ بدل گیا تھا لباس پر شکن اب بھی برداشت نہیں تھی، پاؤں ہر نئے ڈیزائن کے شوز، سینڈل سے آراستہ رہتے چیزیں ہمیشہ کی طرح برانڈڈ لیتا۔ ٹھاٹ باٹ وہی تھا پر اخلاق سے مزین ہوگیا تھا۔

ارے میرے یار میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہیں، عثمان تو پہچاننے سے انکار کرنے لگا۔

زیادہ اداکاری مت کر، ایک کنپٹی پر لگادوں گا وہ بھی پرانے لہجے پر آ گیا دونوں کی دوستی گہری تھی اسی دوستی کو ہمیشہ قائم رکھنے کیلئے ہاشم نے زویا سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا جو اس کی لا اُبالی طبیعت کے پیشِ نظر عثمان نے کافی ٹال مٹول کے بعد قبول کرلیا تھا اس وقت وہ خود بھی کون سا اتنا پرہیزگار اور نیک تھا۔

لیکن اب ہاشم کو دیکھ کر عثمان تو خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔

اچھا شادی کا ارادہ ہے عثمان اپنی پوری تیاری سے لیس آیا تھا۔

بالکل کرنی ہے پر کچھ شرئط کے ساتھ...... وہ سنجیدہ ہوگیا۔

ہاشم نہ تو میں بنگلا دے سکتا ہوں اور نہ ہی گاڑی غریب آدمی ہوں زیادہ لمبی فرمائش مت کرنا، وہ ابھی تک مذاق کے موڈ میں تھا۔

میں سیریس ہوں تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے اسے غصہ آ گیا۔

اچھا گستاخی معاف...... لال لال سوجے گی عثمان بڑا ڈھیٹ تھا باز نہ آیا۔

عثمان مجھے تمہاری شادی کی رپورٹیں لندن میں دوستوں کے ذریعے ملی تھیں، اس وقت میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ کچھ بھی ہوجائے مجھے اسی طرز پر شادی کرنی ہے، وہ بات واضح کرنے لگا۔

ہاشم تمہارے ممی ڈیڈی مانیں گے ہی نہیں، عثمان فکر مند تھا۔

وہ میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے میں انہیں بلیک میل کرنا جانتا ہوں، وہ زور سے ہنس پڑا۔

شرم نہیں آتی عثمان نے آنکھیں نکالیں۔

جب سیدھے طریقے سے قابو نہیں آئیں گے تو اپنے پرانے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

عثمان جب میں نے اپنے آپ کو بدلا، ڈیڈی کیلئے تو دنیا میں بھونچال آ گیا تھا وہ روز دھمکیاں دیتے، تم نے مجھے سرکل میں بدنام کردیا۔ ملا بننا تھا تو اُتنا پڑھنے کی ضرورت کیا تھی ہم تمہاری کبھی شکل نہیں دیکھیں گے، تمہیں جائیداد میں سے عاق کردیں گے میں نے بھی کہہ دیا کردیں عاق، مت دیکھیں میرا منہ، لنگڑا لولا تو ہوں نہیں اتنی سیلری ہے کہ لندن جیسے شہر میں ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزار سکتا ہوں، ممی تو چھپ کر بات کرلیتی تھیں مگر ڈیڈی نے پورے چھ ماہ مجھ سے بات نہیں کی، میرا فون کاٹ دیتے تھے میں نے بھی پھر کوشش نہیں کی دو ماہ پہلے لند آئے تھے مجھے سمجھانے لیکن خود ہی سمجھ کر چلے گئے، وہ سوپ کی سپ لیتے ہوئے کہنے لگا۔

ارے یہ حسان ہے ناں؟...... ہاشم نے دور سے آتا حسان کو دیکھ کر کہا۔

حسان اور تابش جو سوپ ہاؤس آئے تھے تابش عبائے میں تھی۔

یہ کون ہے اس کے ساتھ ہاشم نے پوچھا؟

بیگم ہوگی اور کون؟ عثمان نے کہا۔

میں نے تو سنا تھا اُس نے خالد راؤ کی بیٹی سے شادی کی ہے، فیشن ایبل تھی وہ، ہاشم نے بات ادھور چھوڑ دی۔

حسان دو ٹیبل چھوڑ کر بیٹھ گیا اُس نے ہاشم کو دیکھا مگر پھر شناسائی نہ ہونے کی لہر اُس کی آنکھوں میں آئی، وہ تابش سے بات چیت میں مصروف ہوگیا۔

حسان اور ہاشم دونوں کالج تک پکے دوست تھے، پھر آگے اسٹدی الگ تھی تو یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ بھی الگ تھے کسی مسئلے میں ہاشم پھنس جاتا حسان ہی اُسے نکالتا تھا، پورے سال ہاشم عیش کرتا یونیورسٹی میں کوئی اگر دو سمسٹرز میں فیل ہوجائے تو تیسرے میں انتظامیہ ایگزامز میں بٹھاتی ہی نہیں تھی، حسان اُس کے ڈپارٹمنٹ کے لڑکوں سے منت سماجت کرکے اُس کے اسائنمنٹ مکمل کرواتا، یونی میں وہ ایکسٹرا آرڈنری اسٹوڈنٹ مشہور تھا سب اس کی عزت کرتے تھے، فضول وقت ضائع کرنا اس کی ڈکشنری سے خارج تھا اس کے کہنے پر سب ہاشم کی مدد کرتے تھے۔

تابش ہمیں سوپ ہاؤس نہیں آئس کریم پارلر جانا چاہیے تھا، حسان نے فش فرائی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

آپ نے تو میری چڑ ہی بنالی۔ وہ چڑ گئی۔

اچھا موڈ تو خراب مت کرو وہ منانے لگا۔

دیکھو حسان نے مجھے پہچانا بھی نہیں، وہ سوپ کے پیالے میں چلی ساس اور سویا ساس ڈالتے ہوئے بولا۔

ہاشم تم اتنے بدل گئے ہو اچانک بات کئے بغیر تمہیں پہچاننا مشکل ہے، میری پیٹھ ہے ورنہ وہ مجھے دیکھ کر پہچان لیتا۔

ہاں تم تو اس کے بہنوئی ہو وہ بولا۔

نہ جانے رامین کہاں سے نکلی اور تابش کی ٹیبل پر آ کر رکی۔

ہیلو......!

تابش۔ وہ ملنے لگی۔

حسان بھائی السلام علیکم! حسان نے گردن ہلا کر جواب دیا۔

کس کے ساتھ آئی ہو؟ تابش نے پوچھا۔

چند دوستیں ہیں آؤ تمہیں ملواتی ہوں عابش نے حسان کی طرف دیکھا، حسان نے گردن ہلا کر اجازت دیدی تابش چلی گئی۔

چلو آؤ ملتے ہیں عثمان کھڑا ہو گیا۔

کیسے ہو حسان عثمان نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

ٹھیک آپ کب آئے؟ وہ گرمجوشی سے ملا ہاشم سے اُس نے صرف سلام کیا۔

انہیں پہچانا، وہ ہاشم کی طرف اشارہ کرتے لگا۔

حسان تم مجھے اتنی جلدی بھول گئے اس نے اپنے پرانے انداز میں آنکھیں نکالیں۔ آواز سنتے ہی حسان اس کے گل لگ گیا، پھر وہ تینوں جو ہنسے کہ الاماں والحفیظ۔

مجھے لگ رہا ہے میں خواب دیکھ رہا ہوں، حسان ابھی بھی بے یقینی کے کیفیت سے نہیں نکلا تھا ہاشم نے اس کی ران میں زور سے چٹکی بھر دی حسان کی ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

یہ سب اسپشلائزیشن کر رہی تھیں اس لئے ان کی دوستی باقی تھی، رامین، ستوت، اسیمہ اور عویمہ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی۔

تابش تمہاری آنکھوں سے میں نے تمہیں پہچانا ہے، رامین نے بتایا۔

اب آنکھیں بھی چھپانی ہوں گی وہ حیرت سے بولی۔

یہ میں نے کب کہا ہے، مجھے تم نے حسان کی وجہ سے پہچان لیا ہے وہ زور دیکر بولی۔

تابش تمہاری آنکھیں اتنی خوبصورت ہیں کہ تمہیں ہر کوئی پہچان سکتا ہے، وہ ستائشی لہجے میں بولی۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

صنف نازک

عفاف گل

ماسٹر اللہ یار صاحب ایک نیک اور انتہائی سادہ انسان تھے۔ تقویٰ، عاجزی وانکساری کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شعبے کی طرح اپنی زندگی کے ہر پہلو کے بھی امین تھے۔ جھوٹ، خیانت، حق تلفی انھیں سخت ناپسند تھی، اسی لیے معاشرے میں انھیں معزز بزرگ کی حیثیت حاصل تھی۔

ماسٹر صاحب کی زندگی پوری سنجیدگی ومتانت کے ساتھ خراماں خراماں چل رہی تھی کہ اللہ پاک نے یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں سے نوازا...... بیٹی اللہ کی رحمت ہوتی ہے...... بیٹیوں کے جنم پر وہ اللہ کی اس عطا پر بے پناہ خوش تھے۔ یہی وجہ تھی وہ بیٹیوں کے کسی معاملے میں بے توجہی نہ برتتے۔ انھیں بے پناہ پیار کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت سے بھی نوازتے رہتے...... باہر کے تمام معمولات کو چھوڑ کر عصر کے وقت وہ اپنی بچیوں کے ساتھ گھر میں کھیلتے۔

حسب معمول گھر کے آنگن میں بچیاں اپنے بابا کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ہنستی کھلکھلاتی پریوں کی ہم جولیوں کی شرارتیں، شوخیاں اور فلک شگاف قہقہے گھر کے ماحول کو بہت رونق بخش رہے تھے...... کھیل کود، شرارتوں اور قہقہوں کی رونق سے گونجتا ہوا گھر کسی حسین وادی کے سبزہ زاروں، پھولوں کی مہک سے معطر فضا کے ساتھ ساتھ کوئل کی کوک، بلبل کا ترنم اور آبشاروں کا خوشگوار منظر پیش کر رہا تھا۔

نویرہ بیگم کو یہ منظر بہت مسرور کن محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی امیر ترین عورت سمجھ رہی تھی کیونکہ جہاں اسکا بچپن ہر رشتے، ہر جذبے کی مہک سے معطر گزرا تھا وہیں اسکی بیٹیاں بھی اس دولت سے مالامال تھیں...... اسے خود پر رشک آ رہا تھا۔

نویرہ بیگم ایک خوبصورت، نیک دل، سادہ

اور انتہائی لاڈ پیار میں پلنے والی لڑکی تھی۔ موم کی گڑیا، نازک سا پھول یا آسان بھاشا کی طرح ایک سے ظاہر و باطن رکھنے والی یہ گلاب کی کلی میکے کی طرح سسرال میں بھی ہر دلعزیز تھی۔ جس کا نظریہ تھا کہ لڑکیاں اپنے باپ کی محبت کو سننا اور محسوس کرنا پسند کرتی ہیں، ہمیشہ اپنے باپ کی محبت کی توثیق چاہتی ہیں اور محبت کی یہ توثیق کبھی ماں پوری نہیں کرسکتی۔

گھر کا یہ پُررونق منظر اور ماحول کی خوشگواری دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار اپنا بچپن یاد آیا۔ گزرے دنوں کی یاد برستی گھٹا لگنے لگی جب کبھی بچپن کی حسین وادی سے اس کا گزر ہوا تو ٹھنڈی بہار کے پھولوں کی مہک سے معطر فضا کی طرح انمول یادیں اسے مسرور کردیتی تھیں۔

آج پھر سے اسی بچپن کی خواہش ہوئی......

جہاں دن رات خوشیوں کا ڈیرا تھا۔ بے خیالی میں تصور کا دریچہ بچپن کی وادی میں جا کھلا......کس قدر سہانا دور تھا۔ دن بھر بھائیوں کے کاندھوں پر گھڑسواری کا مزہ لیتی، پھر سرشام تھکن کا اظہار کرکے والدہ صاحبہ کے بے پناہ پیار اور بھرپور توجہ سے محظوظ ہوتی......کبھی شکاری کتے رکھنے کی فرمائش کرتی، کبھی تیتر، بٹیر، طوطے پال رکھتی اور امی جان کے استفسار کرنے پر بھیا جی کے سر تھوپ دیتی۔ جون جولائی کی قہر برساتی دھوپ میں حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے سب سے پہلے سو جاتی، جب موقع ملتا کبوتر پکڑنے نکل جایا کرتی تھی پھر سہہ پہر دیر تک سو جانے کا مظاہرہ کیا کرتی تھی۔ موسم گرما کی تعطیلات میں اپنی ہم جولیوں کے سنگ مالٹوں کے باغ میں دن گزارتے، ٹیوب ویل چلنے پر بطخوں کو پانی پر تیرتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتے۔ نالے میں خوب نہاتے، جب کبھی نالہ ٹوٹ جاتا تو ماموں جان کے ڈر سے دن بھر گندم کی بوریوں کے پیچھے چھپے رہتے۔ عصر کے وقت جہاں سورج کی شعائیں تالاب کے پانی سے چہ مگوئیوں میں مصروف ہوتی وہیں بابا جان کی ہمرکابی میں ہماری موجودگی محفل کو مزین کردیتی......!!!

بچپن کے بارے میں جس نے بھی کہا، کیا خوب کہا۔

میری جستجو تو کمال ہے
میری آرزو نہ کیا کر......!!!
میں ہوں وقت کا وہ حسین پل
جو گزر گیا ...... سو گزر گیا

تخیل کی دنیا میں مسرتوں کا پنچھی پوری آب و تاب کے ساتھ محو اڑان تھا کہ اچانک کھیلتے ہوئے کھلکھلاتی، شور مچاتی اسکی ''ننھی پری دیا'' نے گود میں پناہ لیتے ہوئے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ نویرہ بیگم اپنی بیٹی کی آسمان سر پہ اٹھاتی چیخوں پر بے اختیار مسکراتے ہوئے اسے گود میں لینے لگی گویا وہ بزبان حال کہہ رہی تھیں۔

بچپنا چاٹ گئی،اب جوانی پہ
نظر ہے
عمر رواں اب تجھ کو اللہ ہی پوچھے

دیا ماں کی آغوش میں چھپنے کیلئے مچل رہی تھی اور بیگم صاحبہ اپنے بچپن کی انمول یادوں کو تازہ کرتے ہوئے دیا کو اپنی آغوش میں چھپا رہی تھیں۔

نویرہ بیگم جب بھی چھپنا چاہتی،تو اسے چھپنے کے لئے سب سے بہترین جگہ اپنی ماں کی گود ملتی، جہاں وہ چھپنے کیساتھ ساتھ امی جان کا پیار لینے کے بہانے تلاش کیا کرتی تھی......دیا کا امی جان کی آغوش میں پناہ لیتے ہی بوسہ کی طلب نے اسے باور کرادیا کہ بیٹیاں بھی تو ماؤں جیسی ہوتی ہیں،جس طرح کانٹے پھول کو لوگوں کے بے رحم ہاتھوں سے بچانے کیلئے اسے اپنی آغوش میں رکھتے ہیں،اسی طرح مائیں بھی پہلے آگے بڑھ کر اپنی ان نازک کلیوں کو زمانے کی سختیوں، ناگوار حالات کی گرفت سے بچانے کیلئے انھیں اپنی آغوش میں رکھتی ہیں پھر انھیں کسی دوسرے شخص کے ہاتھ تھما کر زندگی کے مسلسل امتحاں کے حوالے کر کے ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیتی ہیں۔

بیٹیاں بھی تو مائیں بنتی ہیں۔صنف نازک کا بیٹی سے ماں تک کا یہ سفر تمام تر خوشیوں کے باجود جس قدر دلچسپ ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ اپنے اندر محبت وقربانی کی لازوال داستان رکھتا ہے۔

☆......☆......☆

لڑکیوں سے دوستی کرنے والوں کیلئے

وہ لڑکے جو غیر اخلاقی کام کرتے ہیں اگر ان سے یہ سوال کیا جائے:

کہ کیا آپ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا پسند کریں گے جس کی دوستی پہلے کسی اور لڑکے سے رہ چکی ہو؟ یا وہ کنواری نہ ہو؟ تو بنا تاخیر کئے آپ کو جواب ملے گا کہ ''کمال کرتے ہو یار! میں بھلا کیسے کسی ایسی بدکردار لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں، مجھے تو کوئی شریف لڑکی چاہیے''۔حیرت ہے کہ پاکیزگی کی شرط صرف لڑکی کیلئے کیوں ہے، یہ شرط لڑکے کیلئے بھی برابر لاگو ہونی چاہیے! قرآن پاک اس بارے میں کہتا ہے:

ترجمہ: ''ناپاک عورتوں ناپاک مردوں کیلئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے ہیں، اور پاک وطیب عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں۔اور پاک وطیب مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے ہیں''۔ (سورۃ النور: آیت نمبر:۲۶)

(انتخاب:عامر حسین)

☆......☆......☆

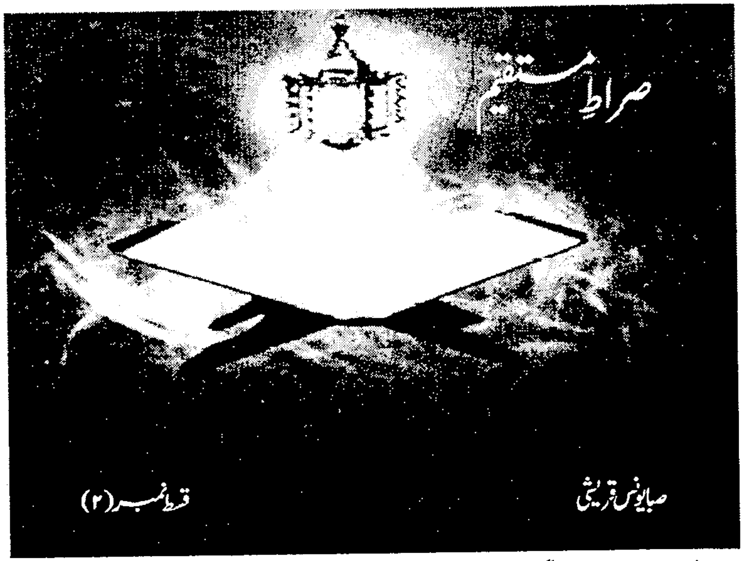

نمستے پتاہ جی! راج گھر میں داخل ہوا تو سامنے اپنے پتا جی کو دیکھ کر فوراً ہاتھ جوڑ کر گویا ہوا۔

کہاں سے آ رہا ہے تو؟ پتا جی تو شاید اسی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

میں کمبائن اسٹڈی کیلئے اپنے فرینڈز کے ساتھ تھا، کل ہمارا ٹیسٹ ہے پتا جی، راج نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

ہوں! یہ آج کل بہت زیادہ ہونے لگی ہے کمبائن اسٹڈی۔ کوئی لڑکی وڑکی کا چکر ہے تو مجھے ابھی بتادے، پتا جی خاصے مشکوک تھے۔

اوہو پتا جی! کیسی باتیں کرتے ہیں راج بے ساختہ ہنس دیا۔

اچھا چلو جاؤ آرام کرو مگر کھانا کھالینا۔

پتا جی اب کافی مطمئن نظر آ رہے تھے۔

جی! ماں کا فون آیا تھا پالک پنیر بنایا ہے، میں اسی لئے کچھ نہیں کھا کر آیا۔ راج نے قدم بڑھاتے بڑھاتے رک کر ان کو تسلی دی تھی۔

ٹھیک ہے صبح ملتے ہیں پھر۔ پتا جی کا رخ اب اپنے کمرے کی طرف تھا۔

اُف بھگوان! کمرے میں آ کر راج بیڈ پر ڈھے گیا تھا۔

اگر پتا جی کو شک بھی پڑ گیا کہ میں آج کل کس کھوج میں ہوں تو میری گردن اتار دیں گے، اس کو تصور سے ہی جھرجھری آنے لگی، ذرا دیر ستا کر وہ نہا دھو کر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ ماں

کھانے کی ٹرے لئے چلی آئی۔

پرنام ماں! اس نے جھک کر آشرواد لیا۔

جیتا رہ! ماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

میں بس آ ہی رہا تھا رسوئی میں بیٹھ کے کھاتا، راج نے ماں کے ہاتھ ڈش لیتے ہوئے شرمندگی سے کہا تھا۔

سارا دن پڑھ پڑھ کر تھک جاتا ہوگا، میں نے سوچا آج اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی کھانا۔ ماں محبت سے بولی۔

بھگوان کرے ماں کہ تو سات جنموں میں میری ہی ماں بنے، راج نے ڈش سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر اپنی ماں کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

چل پگلے! ماں نے محبت سے اس کے بال بکھیرے تھے، وہ بھی دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

بہت لذیذ کھانا ہے ماں! ماں نے لقمہ دیا تو پہلا لقمہ کھاتے ہی وہ بے اختیار بولا تھا۔

ہاں ماں کی ممتا جو گھلی ہوئی ہے اس میں، ماں نے مسکراتے ہوئے دوسرا لقمہ اس کے منہ میں دیا۔

ماں! ایک بات پوچھوں؟ ذرا دیر بعد راج نے کہا۔

ہوں! لقمہ بناتی ماں نے بس 'ہوں' یک لفظی جواب دیا تھا۔

ماں جیسے مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری کتاب ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔ ہمیں جینے کا شعور، رہنے کا ڈھنگ، معاشرتی آداب ہر چیز ہمارے نبی نے سکھائی اور نبی پر اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ اترا تھا تو ماں ہماری کتابیں، ہمارا مذہب، ہماری روایت کے بارے میں ہمارے بڑے ہمیں اس طرح کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ ہم بھی کھل کر اپنے مذہب پر ڈٹ کر جم کر دنیا سے لڑ سکیں...... آفٹر آل ماں! میں سمجھتا ہوں واحد قوم ہیں مسلمان جو اپنے مذہب کی بات ڈنکے کی چوٹ پر کرتی ہے۔ راج بولتے ہوئے ماں کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

''بس بیٹا! جو ہم بچپن سے دیکھتے آئے ہیں، جو ہمارے ماتا پتا نے سکھا دیا، سمجھا دیا وہی ہم اپنی نسل کو سکھا اور سمجھا دیتے ہیں''۔ ماں کا انداز سرسری سا تھا راج کو تقویت ملی۔

پھر بھی ماں! کچھ تو مواد ہوگا...... آخر پتا جی پنڈت ہیں کیوں ہمارے بڑے ہمیں ہمارے حقائق سے لاعلم رکھتے ہیں؟ کیا مذہب الہامی نہیں ہے آفاقی نہیں ہے؟

''راج! بس بہت بولنے لگے ہو، کھانا کھاؤ''۔ ماں کا انداز قطعی تھا۔ وہ بددل سا ہو گیا۔

فضول باتیں مت سوچا کر...... اپنے پتا کی گدی تمہیں ہی سنبھالنی ہے، وقت آنے پر سب خود بخود سمجھ آ جاتا ہے، آئندہ میں تمہیں اس طرح الجھتا نہ دیکھوں اپنے مذہب کے بارے میں، ماں نے کھانا مکمل کر کے ٹرے میں برتن سمیٹتے ہوئے

قطعیت سے کہا تو راج کے ذہن میں مزید سوالات ابھرنے لگے......

مگر یہاں سوالات کے جواب دے کر ذہن کلیئر کرنے کا رواج نہیں تھا۔

''کون سہی ہے اور کون غلط؟'' راج کھڑکی میں کھڑا پورے چاند کو دیکھ کر خود کلامی کے سے انداز میں بولا تھا۔

اگر صفوان کے پاس اپنے مذہب کی ہر بات کیلئے دلیل ہے تو میرے پاس اپنے مذہب کیلئے کیوں نہیں؟...... اگر اس کا مذہب آفاقی ہے تو ہمارا ہندو مت مذہب کہاں سے آیا؟

اگر مسلمان اپنے بچے بچے کو اپنی کتاب پانی کی طرح رٹوا دیتے ہیں، اپنے عقائد کے بارے میں ان کا بچہ بچہ یہ لمبی چوڑی تقریر کرسکتا ہے تو ہم کیوں نہیں؟......

''ارے بھگوان مجھے کیا ہو رہا ہے؟ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں...... اُف......!!'' اس نے بے اختیار اپنے بالوں میں ہاتھ چلایا تھا، ستمبر کی ٹھنڈی میٹھی راتیں تھیں وہ کھڑکی کھولے تازہ ہوا کے جھونکے لیتے رہا، کئی دنوں سے اس کی نیند اس سے ناراض سی تھی۔

''مجھے راہ سجھا دے'' سیاہ آسمان کو دیکھتے ہوئے کسی عجیب سے احساس کے تحت وہ ایک یقینی سی ہستی سے مخاطب ہوا تھا، جانے کیوں؟ سیاہ آسمان پر پورا چاند اپنی چاندنی بکھیرے مسکرا رہا تھا، چاندنی میں نہائے ستارے جیسے اس سے کوئی سرگوشی سے کرنے لگے...... اس نے جیب سے موبائل نکالا، کمرے کے دروازے کو کنڈی لگائی اور کھڑکی کے سامنے پڑے ایزی چیئر پر بیٹھ کر ہیڈ فون کانوں میں اڑسے...... موبائل آن کر کے چند بٹن کلک کئے تو اس کے کانوں میں صفوان کی بھاری گھمبیر تا سی آواز رس گھولنے لگی:

''سورۃ البقرۃ مدنی ہے''......

مطلب مدنی سے کہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

ایک بات یہاں واضح کرتا چلوں کہ اللہ پاک نے اپنی کتاب قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا ہے اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ بات تک محفوظ ہے کہ کون سی سورت مکہ میں اور کون سے مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس بات کی علامت یہ ہے بلکہ معجزہ ہے کہ قرآن پاک الحمدللہ، اللہ رب العزت کی حفاظت میں ہے......

ہاں تو دوستو! میں یہ بتا رہا تھا کہ مدنی سورت کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، تو میں آپ لوگوں کے ذہن کو اس بارے میں کلیئر کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

جی تو دوستو!

مفسرین کی اصطلاح میں ''مکی آیات'' کا

مطلب وہ آیت ہے جو آپ ﷺ کے بغرضِ ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی اور ''مدنی آیات'' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔

دوستو! یہاں ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ ''مکی'' کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ شہر مکہ میں نازل ہوئی اور ''مدنی'' کا یہ مطلب کہ وہ شہر مدینہ میں اتری، لیکن مطلب درست نہیں اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لئے انہیں ''مکی'' کہا جاتا ہے۔

چنانچہ جو آیات منیٰ، عرفات، یا سفر معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی ''مکی'' کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفر ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں ان کو بھی ''مکی'' کہا جاتا ہے، اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہرِ مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ ''مدنی'' ہیں چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیتیں ''مدنی'' ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ ان آیتوں کو بھی ''مدنی'' کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوہ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں۔

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً: سورۃ مدثر پوری مکی ہے اور سورہ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ پوری سورت مکی ہے لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئیں اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے مثلاً سورت اعراف مکی ہے لیکن اس میں:

''**وسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر**'' سے لے کر ''**واذ اخذ ربك من بني ادم**''...... تک کی آیات مدنی ہیں۔

اسی طرح سورۃ حج مدنی ہے لیکن اس میں چار آیتیں یعنی:

''**وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى**'' سے لے کر ''**عذاب يوم عقيم**''...... تک مکی ہیں۔

دوستو! اس ساری بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہوگئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں''۔

''کتنی وضاحت سے یہ اپنے مذہب اور اپنی کتاب کے بارے میں بات کر رہا ہے اور ہم؟؟؟''

راج صفوان کی بات مکمل ہونے پر سوچنے پر مجبور ہوا تھا......

''اگر ان کے خدا نے اپنی نازل کردہ کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو ہمارے بھگوانوں نے کیوں نہیں لیا؟

جب ہم سب انسان ہیں ہمارے وجود اور ضروریات اور طرزِ زندگی یکساں ہے تو ہمارے خدا الگ الگ کیوں ہیں؟''......وہ ابھی اور بھی کچھ سوچتا مگر ائیرفون میں صفوان کی نرم، بھاری پُراعتماد آواز پھر اُبھرنے لگی، وہ ذرا توقف کیا کرتا تھا تا کہ کسی کے ذہن میں کوئی اُلجھن ہو یا سوال ہو تو کلیئر کرے، مگر جب کوئی نہ بولتا تو وہ اپنا سلسلہ کلام وہیں سے جوڑتا جہاں سے چھوڑا ہوتا تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

صفوان نے ٹھہر ٹھہر کر تسمیہ پڑھی۔

''الم ''یعنی حروف مقطعات۔

دوستو! قرآن کی مختلف سورتوں کے شروع میں یہ حروف اسی طرح الگ الگ نازل ہوئے تھے۔ ان کا ترجمہ خود یہی حروف ہوتے ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔

دوستو! یوں تو اس بارے میں بہت سے مفسرین سے بہت تفصیلی گفتگو فرمائی ہے مگر میں آپ کو صرف اس کا جامع ترین مفہوم خلاصہ بتاؤں گا کیونکہ ہمارا مقصد قران کے مقصود کو سمجھنا ہے۔

تو میرے دوستو! صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں''۔

''ہر بات واضح کرتا ہے صفوان تو ان حروف کا مطلب کیوں نہیں؟'' صفوان حسبِ عادت بات کر کے چپ ہوا تھا اسی لمحے میں راج نے بے اختیار سوچا۔

ہماری زندگی میں بھی تو کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے ہر انسان کی زندگی میں کچھ نہ کچھ راز ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی کتاب کا راز یہی حروف ہوں، خود ہی سوال اور خود ہی جواب دے کر وہ مطمئن ہوگیا۔

''پتا نہیں ان کے مذہب کی باتیں تک اتنا سکون کیوں دیتی ہیں؟'' راج نے بند آنکھیں کھول کر چاند دیکھا اس کو لگا کہ اس کی بات پر چاند بھی ہنس دیا ہے، ایک دم ائیرفون میں چھایا سکوت ٹوٹا اور صفوان کی آواز ابھری۔

''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ''

یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔

''هُدًى لِلْمُتَّقِينَ''

''یہ ہدایت ہے ڈرنے والوں کیلئے''۔

یعنی اس کتاب کی ہر بات کسی شک وشبہ کے بغیر درست ہے، انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے اور اکثر

اسکی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے جس کا علم لا محدود بھی ہے اور سو فیصد یقینی بھی، اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کسی کو شک ہو تو یہ اس کی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگا۔ کتاب کی کوئی بات شبہ والی نہیں۔

دوستو! یہ تو ہوئی آیت کے پہلے ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ'' تک کی وضاحت......اب اگلے حصے کی وضاحت پیش کرتا ہوں''۔

''کس طرح ہر بات کو واضح کرتا ہے یہ شخص، یہ کہہ رہا تھا کہ اس کی مختصر وضاحت کر رہا ہے ورنہ قرآن کی تو بہت تفصیلی تفسیر ہے۔'' راج نے صفوان کے چند لمحے کے سکوت میں سوچا حالانکہ وہ اس درس میں شامل ہوکر آیا تھا وہاں بیٹھ کر اپنی آنکھوں سے سب دیکھ کر اپنے کانوں سے سب سُن کر آیا تھا مگر کچھ تھا جو اس کو کون سی طاقت کھینچ رہی ہے۔

''هُدًى لِلْمُتَّقِينَ''

یعنی اگرچہ قرآن کریم نے صحیح راستہ ہر ایک کو دکھایا ہے خواہ مومن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی ہدایت سب کیلئے ہے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کی بات مان کر اس کے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کریں۔

اس لئے فرمایا گیا کہ ''یہ ہدایت ہے ڈرنے والوں کیلئے جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں''......ڈر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا مجھے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہیے جو اس کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اسی خوف اور دھیان کا نام تقویٰ ہے۔

''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ''

یعنی'' جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں''۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ''بے دیکھی چیزوں'' کیلئے قرآن کریم نے ''غیب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں، نہ ہاتھ سے چھوکر یا ناک سے سونگھ کر انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، یعنی یا تو قرآن کریم میں اُن کا ذکر ہے یا آپ ﷺ نے وحی کے ذریعے وہ باتیں معلوم کر کے ہمیں بتائی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت دوزخ کے حالات، فرشتے وغیرہ تو یہاں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے

ارشادات پر یقین کرکے اُن چیزوں کو دل سے مانتے ہیں جوانہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے اس لئے اگر یہ چیزیں آنکھوں سے نظر آجاتیں اور پھر کوئی شخص ان پرایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کوانسان کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے لیکن اُن کے وجود کے بے شمار دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے تو ان باتوں پر ایمان لے آئے گا اور امتحان میں کامیاب ہوگا۔ قرآن کریم نے وہ دلائل بھی بیان فرمائے ہیں جو ان شاء اللہ آگے آرہے ہیں۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قرآن کریم کو حق طلبی کے جذبے سے غیر جانبدار ہوکر پڑھا جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپرواہی برتی جائے۔ راج کو یاد آیا کہ اس جملے پر صفوان نے اُس کی ذرا کی ذرا نظر ڈالی تھی اور پھر فوراً اگلی بات شروع کردی تھی۔

یہ انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی بہتری اور تباہی کا معاملہ ہے، لہٰذا یہ ڈر دل میں ہونا چاہیے کہ کہیں میری نفسانی خواہشات قرآن کریم کے دلائل ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں رکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے مجھے اس کی دی ہوئی ہدایت کو تلاشِ حق کے جذبے سے پڑھنا چاہیے اور پہلے سے دِل میں جمے ہوئے خیالات سے ذہن کو خالی کرکے پڑھنا چاہیے، تاکہ مجھے ہدایت نصیب ہو۔

اس کو محسوس ہوا کہ یہ ساری بات صفوان نے اس کو کہی تھی، حالانکہ ایسا نہیں تھا وہ تو آیت کا مفہوم کلیئر کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''یہ ہدایت ہے ڈرنے والوں کیلئے'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے:

''اور جولوگ قرآن کریم کی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں یہاں ان کی اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ ''غیب'' ان دیکھی ہوئی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اس میں تمام ایمانیات داخل ہوگئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا یا جو کچھ حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا، اس سب پر ایمان لاتے ہیں۔

دوسری صفت ڈرنے والوں کی نماز قائم کرنا بیان کی گئی ہے جو بدنی عبادتوں سے سب سے اہم ہے۔

تیسری صفت ڈرنے والوں کی اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے جس میں زکوٰۃ وصدقات آجاتے ہیں جو مالی عبادت ہیں۔

دوستو! آج کیلئے بس اتنا ہی۔ آیت نمبر چار انشاء اللہ کل عرض کروں گا۔'' ائیرفون میں صفوان کی آواز کے بعد چند لمحے سکوت رہا اور پھر مختلف

لوگوں کے سلام کی آواز گونجنے لگی۔

اس کی آنکھوں میں وہاں کا منظر گھومنے لگا جب وہ وہاں موجود تھا اور سب دعا کے بعد آپس میں سلام کررہے تھے، ایک وہ اور دو چار اور اسی کے عمر کے لڑکے تھے جو کھسک کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔

اس نے ہیڈفون کانوں سے نکالا اور موبائل سے اس کی پن الگ کرکے موبائل جیب میں ڈال لیا۔ رات گہری ہورہی تھی چاند اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا اس کی چمک کے آگے ستارے بھی ماند لگ رہے تھے مگر اس کے دل کی کیفیت اس لمحے بڑی عجیب تھی۔

''جب چاند کی روشنی کے آگے ستارے ماند پڑرہے تھے تو ایک بڑے خدا کے آگے کئی خدا کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں؟''...... ہوا کے دوش پراڑتا ہوا ایک سوکھا پتہ آکر اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا بے اختیار اُس نے پتہ پکڑ کر مٹھی میں دبوچ لیا تھا، عجیب چڑ چڑ کی آواز کے ساتھ اپنا وجود کھو چکا تھا اس کے ہاتھ میں اب سبز ریزہ تھا۔

''ہر چیز اپنی اصل سے بچھڑ کر فنا ہوجاتی ہے مگر مسلمانوں کی کتاب چودہ سو سال سے محفوظ ہے، سرسبز ہے...... موجود ہے...... ہر ہر بات ہر ہر چیز واضح ہے ان کی کتاب اس پتے کی طرح کیوں نہ سوکھ گئی۔ شاید وہ کتاب اب تک اپنی اصل سے جڑی ہوئی ہے یعنی ان کے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس دن یہ کتاب اپنی اصل سے یعنی ان کے رب کی حفاظت سے نکل گئی اس دن اس کتاب کا حال بھی اس پتے کی طرح ہوگا''...... مگر میں یہ سب کیوں سوچ رہا ہوں؟؟ کیوں مجھے مسلمانوں کی کتاب اور عقائد اتنا متاثر کررہے ہیں؟؟ یکدم وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں مخصوص جگہ پر رکھے بھگوان کے سامنے آکر وہ رک گیا تھا۔

''ارے بھگوان!! اگر مسلمانوں کا رب اور کتاب سچی ہے تو پھر تو کیا ہے؟ تیری حقیقت کیا ہے؟''

ایک عجیب سی کیفیت کے زیرِ اثر اس نے چھوٹی سی مورتی کو ہاتھ میں اُٹھا کر غور سے دیکھا تھا، پتا نہیں اس کو کیوں لگا کہ وہ مورتی کہہ رہی ہے میرا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس نے مورتی کو واپس اس جگہ رکھ دیا تھا اور اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گیا پھر جیسے خیال آنے پر اس نے موبائل نکال کر اس کا پاس ورڈ بدل دیا اور اسکرین لاک لگا کر موبائل آف کرکے حسب عادت سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کی، اب وہ کچھ پُرسکون تھا شاید اب نیند آجانی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ آپ کا آفس ہے آج سے مس فضہ حیات!'' سندس میم نے اپنے آفس کے برابر والے آفس میں لے جا کر اس کو بتایا۔ فضہ کا جاب

کا پہلا دن تھا آج ابھی چند منٹ پہلے ہی اس کو صفوان یونی جاتے ہوئے ڈراپ کرگیا تھا، وہ اپنی جاب کے حوالے سے کافی پُرجوش تھی۔ میم سندس نے ہاتھ سے آفس کے لوازمات کی طرف اشارہ کرکے اس کو بتایا تو اس نے بے اختیار بے انتہا قیمتی آرائشی سامان سے مزین ٹیبل کو دیکھا۔ جس پر آرائش کے ساتھ ساتھ موبائل فون، لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا۔

یہ کمپنی کی طرف سے آپ کیلئے ہے اور اگر آپ کا کام معیاری رہا تو آپ کو کمپنی گاڑی بھی دے گی اور فری میڈیکل بھی دے گی اور شاید گھر بھی مل جائے۔

فضہ کے سوالیہ انداز دیکھنے پر میم سندس نے وضاحت کی تھی۔

(Oh Thanx Mamm) فضہ تشکر سے بولی۔

''یہ تمام مراعات مہیا کرنے سے محض یہ مقصد ہے کہ اسٹاف یک سوئی سے کام کرسکے، اس کا ذہن اپنی ضروریات زندگی میں الجھا نہ رہے، اور کمپنی کسی خسارے کا شکار نہ ہو''۔ میم سندس نے مسکرا کر تفصیل بتائی ان تمام نوازشات کی۔ اگرچہ میم مسکرا رہی تھی مگر انداز کچھ ایسا تھا کہ فضہ ٹھنڈی سی پڑگئی۔

موبائل کے ساتھ سم بھی رکھ ہے آپ کی مرضی ہے کہ یہی نمبر استعمال کریں یا اپنا کوئی اور نمبر اس میں استعمال کریں۔ اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

''وہ میم! اصل میں بات یہ ہے کہ یہ جاب میرے شوق سے زیادہ میری ضرورت ہے، تو میں شرعی پردہ کرتی ہوں تو میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی جاب اپنے اس اصول کے ساتھ جاری رکھوں، اُمید ہے کہ آپ کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوگی''۔ سندس نے سم کے بارے میں کوئی پابندی نہ عائد کرکے اس کو بات کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔

''یہ آپ کا مسئلہ ہے، مجھے آپ کے حلیے سے نہیں آپ کے کام سے غرض ہے''۔ سندس نے نرمی سے جواب دیا تو اس کو لگا کہ اس کا رُکا ہوا سانس بحال ہوا۔

ٹھیک ہے آپ اپنی سیٹ سنبھالیں آج ہی سے اپنا چارج اسٹارٹ کرلیں، باقی کسی بھی مسئلے کیلئے آپ مجھ سے آفس میں آکر بھی مل سکتی ہیں اور فون پر بھی رابطہ کرسکتی ہیں۔ سندس نے دروازے کی طرف قدم بڑھاتے بڑھاتے رُک کر کہا اور اس کے آفس سے نکل گئی۔

''یا اللہ! تیرا شکر! پتا نہیں یہ جاب میرے جیسی لڑکی کو کیسے مل گئی؟ پتا نہیں اس سیٹ کے کتنے تمنائی ہوں گے؟ ماں کی دعا لگ گئی مجھے یا صفوان بھائی کی''۔ کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

لیپ ٹاپ تو اس کام کی بنیاد ضرورت ہے مگر موبائل۔ کرسی پر جھولتے ہوئے اس نے موبائل

اُٹھاتے ہوئے سوچا اور موبائل دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

آئی فون سیون پلس! گولڈن کلر سیٹ ہاتھ میں پکڑے وہ حیران تھی، کم از کم بھی اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

قدرت ایسے بھی مہربان ہوتی ہے موبائل ٹیبل پر رکھ اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا، ذرا دیر بعد اس نے انٹرکام اُٹھا کر کافی آڈر کی اور لیپ ٹاپ اپنی جانب کھسکا لیا تھا۔

☆......☆......☆

''کبشہ! تمہارا خیال ہے کہ صرف ''اسلام'' آفاقی مذہب ہے؟'' پریڈ کے آف ہوتے ہی وہ دونوں حسبِ معمول کالج کے لان میں گھاس پر بیٹھی تھیں جب ذرا دیر بعد شانزے نے کئی دن سے ذہن میں اُلجھتا سوال کیا۔

نہیں یار! میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔ کبشہ نے چپس کا پیکٹ کھولتے ہوئے سرسری انداز میں جواب دیا تھا۔

پھر میں اس کتاب کا مطلب کیا سمجھوں؟ ٹھیک ہے مسلمانوں کی آفاقی کتاب قرآن مجید ہے تو عیسائیوں کی کتاب بائبل بھی تو آفاقی ہے، آخر کیوں تم مجھ پر یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ مسلمان واحد قوم ہیں دنیا میں جو حق پر ہیں باقی اقوام، باقی مذاہب باطل ہیں۔

شانزہ کی آواز لرز رہی تھی اس کی بات پر کبشہ نے اس کو بہت حیرت سے دیکھا پھر چپس کا پیکٹ واپس اپنی گود میں رکھ لیا اور بالکل اس کی طرف منہ کرکے بیٹھ گئی۔

دیکھو شانزے! میں نے تم پر کچھ بھی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں! ہم دونوں بچپن سے ساتھ پڑھ رہی ہیں، بچپن سے ہماری دوستی ہے میں نے بس یہ چاہا کہ تم غیر جانبدارانہ مطالعہ کرو۔ دیکھو شانزے! جدید دور کے آغاز تک یورپ میں جیسا کہ ترقی پذیر ملکوں میں موجود زمانے تک، مذہب کے مطالعہ میں دینیاتی رویہ ہی غالب ترین رجحان رہا تھا اور دینیاتی رویہ سے ہماری مراد وہ نقطۂ نظر ہے جس میں مطالعہ کرنے والا پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کو اپنا معیار سمجھتا ہے اور اُنہیں کے تحت چیزوں کو دیکھتا ہے، اس طرح مطالعہ میں انسان کا مقصد بنیادی طور پر چیزوں کے بارے میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، چنانچہ وہ چیزیں جو اس کے پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کے مطابق ہوتی ہیں صحیح اور اس کے علاوہ تمام چیزیں غلط ثابت کردی جاتی ہیں، چونکہ اس نقطۂ نظر کے ساتھ انسان جب اپنی روایت کے علاوہ دوسری مذہبی روایتوں کا مطالعہ کرتا ہے، تو وہ ہمیشہ اپنے مذہب کی برتری اور حقانیت ثابت کرنے اور دوسرے مذاہب کے رد اور ابطال کے درپے رہتا ہے اس لئے اس نقطۂ نظر سے دوسرے مذاہب کی وہ تصویر جو اس کے اپنے ماننے والوں

کے نزدیک ہوتی ہے سامنے آنا بہت مشکل ہے۔

اس نقطۂ نظر میں اس وقت تک تو کوئی کمی یا دشواری نہیں محسوس کی جائے گی جب تک کہ مختلف مذہبی روایتیں اپنے اپنے ماحول تک اور دوسروں کے وجود سے آنکھیں بند رکھنا چاہیں گی لیکن جب ایسی صورتِ حال پیدا ہوجائے جہاں دوسرے کے وجود کا انکشاف وہ غیر معمولی شدت اور وزن کے اختیار کر جائے کہ اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہو اس وقت ان کے وجود کو تسلیم کرنے میں یہ نقطۂ نظر بڑی حد تک حارج ہوسکتا ہے۔

لہٰذا دوسرے علوم کی طرح مطالعہ مذہب میں بھی تصورِ ارتقاء کو مختلف ماخذوں سے حاصل کی گئی معلومات کو ایک سانچے میں ڈھالنے اور اس کے ذریعہ اپنے موضوع سے متعلق ایک مربوط نظریہ کی ترکیب وتشکیل میں استعمال کیا گیا، چنانچہ انیسویں صدی کے مصنف آخر میں متعدد ماہرین علم الانسان، ماہرین عمرانیات اور علوم انسانی سے عموم دلچسپی رکھنے والے دانشوروں نے ایسی کتابیں لکھیں جن میں مذہب کی حقیقت کو ایک ارتقائی خاکہ کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مذہب کے بنیادی ماخذ اور اس کے ارتقاء کے مدارج کی تفصیل میں اگرچہ ان مصنفین میں باہم اختلاف تھا مگر وہ سب کے سب اس بات پر متفق نظر آتے تھے کہ مذہب کی ابتداء انسانی ضروریات کے تحت ہوئی ہے، تو شانزے! میں سمجھتی ہوں کہ مذہب کو مکمل اور صحیح ڈھنگ سے سمجھنے کیلئے ہمیں مذہب کا ''ہمدردانہ'' مطالعہ کرنا ہوگا۔

''ہمدردانہ مطالعہ؟؟'' کبشہ نے اپنی بات مکمل کی تو شانزے نے بے اختیار الجھ کر پوچھا تھا۔

''ہاں! ہمدردانہ مطالعہ''...... اس سے ایسا رویہ مراد ہے جس میں مطالعہ کرنے والے کو اپنے موضوع سے متعلق ظاہری یا بیرونی معلومات کے ساتھ ساتھ اس کی اندرونی حقیقت کا علم بھی خاطر خواہ ہو سکے، مذہب کا تعلق چونکہ انسانی احساسات اور وہ بھی انتہائی گہرے احساسات سے ہوتا ہے اس لئے اس مطالعہ میں معروضیت کا وہ رویہ جو کہ سائنسی مضامین میں رائج ہے اور جہاں محقق کا اپنے موضوع سے عامل ومعمول جیسا سرد اور میکانکی تعلق ہوتا ہے، کام نہیں دے سکتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شانزے کہ مذہب کا مطالعہ کرنے والے شخص میں یہ صلاحیت مطلوب ہو کہ وہ اپنے موضوع کو اپنے اوپر طاری کر کے کسی درجہ میں بھی اُس کے اندرونی جہت دیکھنے میں کامیاب ہو سکے۔

''لو بھلا ایک مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص کسی دوسری مذہبی روایت کے سلسلے میں اس طرح کا رویہ کیوں کر اپنا سکتا ہے؟'' شانزے نے سوال اُٹھایا۔

اگر دورانِ مطالعہ، مطالعہ کرنے والا شخص اپنے ذاتی عقائد، اور ذہنی تحفظات کو قابو میں رکھ سکے۔ انہیں اپنے مطالعے میں مداخلت کا موقع نہ دے اور اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ رکھ کر محسوس کرنے کی صلاحیت اپنے میں پیدا کر سکے تو وہ دوسری مذہبی روایت کی حقیقت سے نسبتاً زیادہ قریبی اور بہتر فہم پیدا کر لے گا۔ خلاصہ یہ کہ ہم خود کو مسلمان یا ہندو یا عیسائی سمجھ کر مطالعہ نہ کریں ،بالکل غیر جانبداری سے جس مذہب کو کھوج رہے ہیں اس کا مطالعہ کریں بے شک تمام مذاہب کا کریں تو ایسے میں حقیقت اپنے آپ کو خود بخود منوا لے گی جو بات جو چیز صحیح ہوگی عقل خود بخود اس کو تسلیم کرے گی، میرا مقصد تمہارے مذہب کی توہین یا اس کو غلط کہنا نہیں ہے شانزے! میں نے تمہیں دنیا کے دیگر مذاہب کے مطالعے کی دعوت دی کہ تم خود اپنا راستہ تلاش کرو۔ جو مذہب تمہارے وجود کو نور کی طرح منور کردے، تمہارے راستے کو تمہارے لئے عیاں کردے، تمہاری زندگی کو تمہارے بامقصد بنادے، تمہاری مشکلات کا سبب تمہیں تھما دے، تو تم سمجھ لینا یہی حق ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

کبشہ نے بہت خوبصورتی سے اُس کا ذہن صاف کردیا تھا اور اب شانزے یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ واقعی ہمیں حق ہے کہ ہم صحیح اور غلط کو خود تلاش کریں۔

تمہارے ابا جی تمہارے مذہب کے اسکالر ہیں نا! اس لئے تم اتنی لمبی لمبی تقریریں کر لیتی ہو، اپنی بات منوانے کیلئے شانزے نے گود میں رکھی کتاب اس کے کندھے پر ماری تھی۔

اُٹھو کبشہ!! شوشیار جی کا پریڈ شروع ہونے والا ہے، میم عنزہ تو آنکھوں سے ہی ہمیں نگل لیں گی شانزے کی نظر اچانک اپنی گھڑی پر پڑی تو وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

اب ایسی بھی کوئی بلا نہیں میم عنزہ، کبشہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

تیرا کوئی حال نہیں کبشہ! عنزہ نے تاسف سے سر ہلایا اور قدم بڑھا دیئے۔

شانزے! ساتھ چلتے ہیں کبشہ اپنا بیگ اُٹھاتے ہوئے پکاری تو وہ ہیں رک گئی۔

آج کافی دن بعد شانزے کا رویہ اس کے ساتھ نارمل ہوا تھا، ورنہ جس دن سے کبشہ نے اس کو گفٹ دیا تھا تو وہ چپ چاپ کلاس میں بیٹھی رہتی تھی نہ اس سے ناراضگی کا اظہار کرتی تھی نہ ہی ٹھیک سے بات کرتی تھی، مگر کبشہ نے آج اس کا ذہن کلئیر کردیا تھا مگر وہ یہ بات شانزے کو نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کی زندگی کی ایک بہت بڑی خواہش یہ بھی ہے کہ شانزے مسلمان ہوجائے۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

☆......☆......☆

تیری راہبری کا سوال ہے!!

عفاف بنت مفتی عبدالباری

ہر یاد وقت کے ساتھ پرانی ہو جاتی ہے اور ایک بوسیدگی کی چادر اس چیز کو ذہن سے اوجھل کر دیتی ہے...... لیکن بعض چیزیں ہر دور میں خود کو دوہراتی ہیں اور ہر پرانی مہک یا زخم تازہ کر دیتی ہیں۔

وہ بھی ایک عام سی لڑکی تھی جس کے دل میں خاص بننے کی چاہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی...... جسے تعلیم سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی، جسے اردو انگلش ادب اور اشعار سے عشق تھا مگر اس سب کے باوجود اس کی صلاحیتیں کچھ نہ کر سکیں اور نہ ہی اسے خاص بنا سکیں...... کیونکہ خاص بننے کے لئے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حوصلہ افزائی ایسی سیڑھی ہے جو انسان کو بلندی پہ چڑھاتی ہے۔

وہ بھی اپنی ہر محنت پر حوصلے کی خواہاں تھی۔ پھر وہ رات رات تک کام کرتی...... وہ اپنی ہر کمزوری کو مٹانے کی کوشش کرتی...... لیکن اس کے باوجود دنیا کا یہ اصول ہے کہ مثبت بات نہ دیکھو بس منفی خصوصیات ہی دیکھتے رہو۔

وہ جسے انگلش بے حد پسند تھی، وہ انگلش میں خود کو ناکام سمجھنے لگی۔ اسے لگتا کہ وہ کبھی بھی انگلش میں کچھ نہیں کر پائے گی۔ شاید اسے حوصلہ نہیں مل سکا تھا۔ وہ رات رات تک انگلش کا کام کرتی مگر اسے وہ حوصلہ افزائی نہ مل سکی جو یقیناً اس کا حق تھا۔ پہلے اسکول میں بھی کبھی اسے سراہا نہ گیا۔ بعض مرتبہ اس نے آرٹ کمپٹیشن میں حصہ لیا مگر کبھی کسی وجہ سے اور کبھی کسی وجہ سے اسے انعام نہ دیا گیا۔ وہ بہت چھوٹی بچی تھی۔ اسے یقیناً مضبوط بننے کے لئے ٹیچر کے الفاظ کی ضرورت تھی۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ استاد عموماً توجہ نہیں دیتے۔ وہ توجہ جو کسی شاگرد کا مستقبل سنوار سکتی ہے، وہ توجہ جو کسی شاگرد کے اندر چھپی صلاحیتوں کو نکھار سکتی ہے، استاد محسوس ہی نہیں کرتے کہ کونسا شاگرد زیادہ حساس ہے اور زیادہ توجہ کا مستحق ہے، بلکہ اساتذہ کرام شاگرد کی غلطیوں کو ہی گاتے ہیں مگر کبھی اس کی صلاحیتوں کو نہیں سراہتے ہیں۔

اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جب اسے آرٹس میں اپنی محنت کا صلہ نہ ملا تو اس نے آرٹس چھوڑ دیا۔ یوں اُس کا بہترین تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال

دماغ ہمت چھوڑ بیٹھا۔ گھر والے اسے خوب سراہتے مگر اسے تو اساتذہ کی حوصلہ افزائی چاہیے تھی۔

گھر والے کہتے ہیں کہ وہ بہترین آرٹسٹ بنے گی، مگر وہ سب کچھ چھوڑ بیٹھی کیونکہ اسے لگتا تھا کہ اس کے والدین ایسے ہی اس کی تعریف کر رہے ہیں ورنہ اگر اس کے اندر اتنی اچھی صلاحیت موجود ہوتی تو ضرور اس کی ٹیچرز بھی تعریف کرتیں۔ مگر کیا کہا جائے کہ منصف انصاف نہ بھی کرے اقرار تو کرلے!

پھر اس کا اسکول بدل گیا۔ مگر اس نے دوبارہ بہت زیادہ ہمت نہ کی، خصوصاً آرٹس میں!!! اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کسی اور میدان میں آگے جا سکتی ہے لیکن آرٹس اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس نے اپنی ساری توجہات انگلش پر صرف کر دیں۔ ساری محنت ساری لگن انگلش پر لگا دی، مگر اس کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے گھر والے یہی کہتے کہ وہ انگلش میں بھی بہترین صلاحیتیں رکھتی ہے، مگر افسوس انگلش کی ٹیچر اس کی صلاحیتوں کو نہ پہچان سکیں۔ اسے اس کی محنت جیسا نتیجہ نہ مل سکا۔ اس کی خوبیوں کو نہ دیکھا گیا بلکہ صرف اس کی خامیوں پر اسے ٹوکا گیا۔ ہمیشہ وقت پر کام کرتی اور کبھی سال میں رہ جاتا تو اسے نالائق کا لیبل لگا دیا جاتا۔ کہا جاتا کہ وہ کبھی ٹینسز نہیں سیکھ پائے گی۔ بعد میں اسے بہت سے اچھے اساتذہ ملے۔ مگر وہ ایک ٹیچر کی بات سے مایوس ہو چکی تھی...... اسے لگتا کہ انگلش بھی اس کے بس کی بات نہیں ہے!!

اسی طرح سائنس سبجیکٹس میں بھی وہ مایوس ہوگئی۔ وہ یہ سمجھتی کہ سائنس کی باتیں اس کے دماغ سے باہر ہیں اور میتھمیٹکس سے تو اسے بہت ہی خوف آتا۔ حد تو یہ تھی کہ وہ خود کو اسلامیات میں بھی نالائق سمجھنے لگی۔ قرآن پڑھنا اسے دشوار لگتا۔ مدرسے میں بھی یہی معاملہ رہا کہ تعریف پر تو کبھی نہ سراہا گیا مگر چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر اس کا حوصلہ قتل کر دیا گیا۔ وہ جو قرآن یاد کر رہی تھی اسے کہا جاتا کہ اسے اچھا پڑھنا نہیں آتا! اس کی آواز میں درد نہیں ہے!!

اور قرأت جس پر اس کی سامعین نے خوب تعریف کی، اس پر بھی کہ وہ اپنے والد جیسا نہیں پڑھ سکتی۔ وہ ہمت ہار بیٹھی۔ کبھی کبھی وہ یہ سوچتی کہ وہ اپنے گھر والوں سے کہہ دے کہ وہ قرآن نہیں یاد کر پائے گی۔ وہ ساری زندگی مدرسے میں رہے گی لیکن ختم نہیں کر پائے گی۔

پھر قدرت نے اسے وقتاً فوقتاً بہترین اساتذہ فراہم کیے اور کچھ یہ کہ وہ سمجھدار ہوئی ہوگئی۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ ساری اس کی غلطی نہیں ہے اور وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ اپنی ہر کمزوری کو ختم کرلے گی۔ وہ ہر مضمون کی بہترین طالبہ بنے گی۔ پھر وہ ہر مضمون کی بہترین طالبہ بن گئی۔ وہ میتھمیٹکس جس میں وہ خود کو بلکل ناکام سمجھتی تھی ایک بہترین ٹیچر نے اسے بہترین شاگرد بنا دیا۔ وہ ہر سوال منٹوں میں حل کر لیا کرتی، مگر اس کے باوجود اس کی فطرت میں ایک طبعی خوف باقی رہ گیا کہ وہ پیاری ٹیچر جب بھی موجود نہ ہوتیں وہ کچھ بھی کرنے میں ڈرتی رہتی۔ انگلش میں بھی اسے کافی

عبور حاصل ہوگیا لیکن خوف نہ ختم ہوا۔ وہ کچھ بھی لکھتی تو بار بار اپنی امی سے پوچھتی کہ اس نے ٹھیک لکھا ہے......؟؟ بار بار اس کی امی اسے کہتیں کہ بالکل ٹھیک ہے مگر اسے یقین نہ آتا۔

اسلامیات میں بھی اسے بہت عبور حاصل ہوگیا کہ اس کیلئے استاذہ کہتیں کہ وہ ایک اچھی عالمہ بھی بن سکتی ہے۔

ایک اردو کی ٹیچر ایسی تھیں جنہوں نے ہمیشہ اس کی تعریف کی، اس کی لکھائی اچھی نہ تھی مگر وہ اسے کہتیں...... تمہاری لکھائی سب سے اچھی ہے تم خطاطی والے مارکر سے ذرا سی مشق کروگی تو خطاط بن جاؤ گی...... پھر اس نے خوب مشق کی۔ ہر وقت اردو لکھتی رہتی۔ جب وہ تھوڑی بہت سیکھ گئی تو وہ پورے اسکول کو اس سے مشق کرواتیں۔ اسے خطاط صاحبہ کہتیں۔

ایک دن کہتیں...... آپ مضمون اچھا لکھتی ہو اگر آپ ذرا سی اور مشق کروگی ناں تو ایک دن آپ مصنفہ بن جاؤ گی...... اس نے بھی خوب لکھا پھر وہ میٹرک میں پہنچی تو رسالوں میں لکھنے لگی وہ اسے ننھی رائٹر کہتیں!!

وقت اور اچھے اساتذہ کی نعمت نے اس کے اندر بہت حوصلہ پیدا کردیا۔ اس نے اپنی ہر غلطی کو کامیابی سے بدلنے کی ٹھان لی۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ہر اس شخص سے پڑھے گی جو اسے کسی قابل سمجھتا ہے اور جو کچھ نہیں آتا سیکھ جائے گی۔ پھر وہ ہر اس شخص کو بتائے گی کہ جسے تم نالائق سمجھتے تھے اور جس کے بارے میں تمہارا خیال تھا کہ یہ کبھی کچھ نہیں کر پائے گی وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ بس تم نہیں پڑھا سکتے تھے۔

یقین مانئے!!...... اگر اسے کچھ نہیں آتا تھا تو استادوں کے سامنے سیکھنے ہی تو آئی تھی مگر سکھانے والے چاہتے تھے کہ انہیں وہ ملے جو پہلے سے ہی قابل ہو......

اس نے سوچ لیا کہ اگر اس کی آواز میں درد نہیں تو بھی اس کی اس میں کوئی غلطی نہیں۔ اگر اس کی تجوید نہیں درست تو اساتذہ کیوں ہیں؟؟...... کہ بچہ ماں کی گود سے ہی تجوید سیکھ کر آئے؟؟

اس نے ہر اس شخص سے اپنی جان چھڑالی جو اسے نالائق سمجھتا تھا اور ہر اس شخص کا دامن پکڑ لیا جو اسے ہنرمند سمجھ کر کچھ سکھا سکتا تھا۔

پھر اس نے قرأت بھی سیکھ لی...... تجوید بھی سیکھی...... انگلش بھی خوب سیکھ لی...... سائنس کی ٹیچرز بھی اسے کہتیں کہ وہ واحد طالبہ ہے جو رٹے نہیں مارتی بلکہ ہر چیز سمجھتی ہے اور نئے انداز سے اپنے لفظوں میں لکھتی ہے۔

آج وہ چاہتی ہے کہ ہر وہ شخص اس سے آ ملے...... جو اسے نالائق سمجھتا تھا...... پھر وہ اسے بتائے کہ ہر چیز انسان سیکھتا ہے اور استاد ہی سکھاتا ہے اور اگر نہ سکھا سکے تو یہ استاد کی کمزوری ہے۔

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر
یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا؟؟
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں
تیری راہبری کا سوال ہے!!

☆......☆......☆

سر داؤد کی کلاس

شاکر فاروقی

سر داؤد میرے پسندیدہ ترین ٹیچر ہیں۔ ان کی ایک عادت ہے کہ جب بھی کلاس روم میں آتے ہیں، ایک آدھ دل چسپ واقعہ، نصیحت آموز کلمہ یا حدیث مبارکہ ضرور سناتے ہیں۔ ایک دن اسی طرح تشریف لائے، اپنی عینک اتاری اور کپڑے کے پلو سے اُسے صاف کرنے لگے پھر فرمایا:

”عزیز طالب علمو! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ سکھایا ہے۔ چوں کہ انسان فطری طور پر سماج میں رہنا پسند کرتا ہے۔ مل جل کر بیٹھنا، باہم مشورہ کرنا اور مجالس منعقد کرنا اس کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجلس کے آداب بھی اپنی امت کو سکھائے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی مجھے اس سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی فرمان سنا سکتا ہے؟“

یہ کہہ کر سر داؤد نے اپنی مخصوص مسکراہٹ پوری جماعت پر پھینکی اور پھر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ احمد جو ہمیشہ ایسی باتوں میں دل چسپی لیتا ہے، کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا: ”سر! مجھے اپنے والد صاحب نے پانچ احادیث مبارکہ سکھائی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو آپ کو سناؤں؟“

سر داؤد نے اسے اجازت دی تو کہنے لگا: ”حضرت ابوہریرہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے اور جب مجلس سے جانے لگے تو بھی سلام کرے کیونکہ پہلا سلام آخری سلام کا حق ادا نہیں کرسکتا۔“ (ترمذی)

حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں: ”ہم میں جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا تو مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جاتا، کود پھاند کر آگے جانے کی کوشش نہ کرتا۔“ (ترمذی)

ابو جان بتا رہے تھے کہ مجلس میں پہلے سے شریک آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھنا، انصاف سے دور اور اسلامی اصولوں کے منافی بات ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مجلس میں بیٹھے کسی شخص کو اس لئے نہ اٹھائے کہ خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ ہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو چاہیے کہ وہ خود آنے والوں کے لئے مجلس میں گنجائش پیدا کردیں''۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے اگر کوئی کسی ضرورت کی وجہ سے مجلس سے اٹھ کر چلا جائے تو واپس آنے پر وہی اپنی اس پہلے والی جگہ کا زیادہ حق دار ہے''۔ (مسلم)

اسی طرح مجلس میں بیٹھے دو آدمیوں کے درمیان گھس کر بیٹھنا ان کی دل آزاری کا سبب ہے اس لئے ایسے موقع پر دونوں سے پوچھ لینا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے جد امجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ مجلس میں دو اشخاص کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس کر بیٹھ جائے'' (ابوداؤد)

احمد اپنی بات مکمل کر چکا تو سر داؤد نے بقیہ جماعت کی جانب نظر دوڑائی اور کہنے لگے ''اور کوئی ایسا طالب علم جسے مجلس کے بارے میں کسی حدیث مبارکہ کا علم ہو؟''

حذیفہ جھجکتے ہوئے بولا ''سر! کل میں جب سکول آ رہا تھا تو ایک آدمی ہماری بس میں سوار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ عطر کی شیشیاں تھیں، جنہیں بیچنے سے پہلے کچھ احادیث سنائیں۔ اگر اجازت ہو تو میں انہیں بیان کردوں؟''

''کیوں نہیں بیٹا! حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ جہاں سے ملے حاصل کرنی چاہیے۔ کیا ہوا اگر تم نے بس میں کسی بندے سے احادیث سن لیں؟ ہم توجہ سے سن رہے ہیں۔ بخوشی بتاؤ۔'' سر داؤد نے تسلی دینے والے انداز سے فرمایا تو حذیفہ گویا ہوا:

''حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو حتی کہ اگر تم اپنے بھائی سے مسکرا کر ملو تو یہ بھی نیکی ہے۔'' (مسلم)

فرمایا: ''کسی آدمی کے اسلام کے اچھا ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی (فضول بک بک) چھوڑ دے۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دوستوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے ملیں اور جب بھی کسی مجلس میں بیٹھیں بامعنی اور اچھی بات کریں ورنہ خاموش رہیں۔ اسی طرح اس عطر فروش نے اپنا مدعا بیان کرنے سے قبل یہ حدیث بھی سنائی جس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ ہر آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ میری مجلس اچھے لوگوں کے ساتھ ہو تا کہ

دینی و دنیاوی نقصانات سے وہ بچا رہے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''کسی کے ساتھ بیٹھنے والے کی مثال مشک بیچنے والے یا بھٹی میں دھونکنے والے کی ہے۔ مشک بیچنے والا یا تو تجھے بطور تحفہ مشک دے گا، یا تو اسے خریدے گا، ورنہ تجھے اس سے اچھی خوشبو تو پہنچے گی۔ لیکن بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تجھے اس سے بدبو پہنچے گی''۔ (بخاری)

یہ کہہ کر حذیفہ بھی بیٹھ گیا۔ اب کی بار سر داؤد نے میری جانب نظر گھمائی اور کہنے لگے ''محمود تمہیں آداب مجلس پر کوئی حدیث یاد نہیں؟ تمہارے والد صاحب تو ماشاءاللہ عالمِ دین ہیں۔''

''کیوں نہیں استاذ جی! مجھے ابو جی نے چند ایک احادیث یاد کروائی ہیں۔ ابو جی فرماتے ہیں کہ

''مجلس میں مہمان خصوصی کے لئے اگر کوئی جگہ مخصوص ہو تو از خود وہاں بیٹھنا یا اس کے قریب بیٹھنے پر اصرار کرنا درست نہیں۔ اس سے مجلس کا نظم و نسق خراب ہونے کے ساتھ ساتھ نمود و نمائش کی خواہش مندی کے اظہار کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی شخص کسی کی جگہ امامت نہ کرے اور نہ اس کی مسند پر بیٹھے لیکن متعلقہ شخص خود اجازت دے تو کوئی قباحت نہیں''۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی قابل تعظیم ہستی کی مسند پر بیٹھنا جائز نہیں، خواہ وہ کسی بادشاہ کا تخت ہو یا مصلی امامت، قاضی کی کرسی ہو یا استاذ کی مسند تدریس، جیسا کہ بعض طلباء کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کی مسند پر بلا جھجک بیٹھ جاتے ہیں۔

اسی طرح ابو جی نے بتایا ہے کہ اگر مجلس میں کوئی بچہ بیٹھا ہو اور اس دوران کوئی کھانے پینے کی چیز آ جائے تو سب سے پہلے وہ بچے کو دینی چاہیے۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی مشروب پیش ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ ایک نوعمر بچہ بیٹھا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ معمر لوگ بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشروب میں سے تھوڑا سا پی کر اس نوعمر سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو بقیہ حصہ ان حضرات کو دے دوں؟ وہ کہنے لگا: ''نہیں خدا کی قسم! آپ سے ملنے والے حصے میں اپنے علاوہ کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا'' چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اسی لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا''۔ اسی طرح والد صاحب نے یہ بھی بتایا ہے کہ ''مجلس میں بیٹھ کر دو آدمیوں کے سرگوشی کرنے سے دوسروں کے دل میں بدگمانی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھسر پھسر نہ کریں کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لئے باعث رنج ہوگا۔(بخاری) اس جگہ سرگوشی سے مراد وہ اشارے بھی ہیں جنہیں کانا پھوسی کے ضمن میں لیا جاتا ہے اور تیسرا آدمی ان کے ذریعے کسی بدگمانی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ایک دن درس دیتے ہوئے والد صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کی کیفیت یوں بیان فرمائی کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا اس کا استحقاق ہوتا ہم کلامی کا شرف بخشتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں۔''

میری بات اختتام کو پہنچی تو سر داؤد کہنے لگے ''پیارے بچو! ماشاء اللہ اتنی اچھی اچھی احادیث مبارکہ سنا کر تم نے میرا دل خوش کر دیا۔اللہ تعالی تمہیں سلامت رکھے۔آخر میں تمہیں میں بھی دو احادیث سنانا چاہتا ہوں۔پہلی حدیث تو اس بات پر ہے کہ مجلس میں بیٹھتے وقت اللہ تعالی کا ذکر مبارک اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر درود بھی ہونا چاہیے۔کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ'' وہ مجلس، جس میں نہ تو اللہ کا ذکر کیا گیا اور نہ ہی شرکائے مجلس میں سے کسی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، اللہ کے عذاب کی مستحق ہوگی۔اب یہ اس کی مرضی ہے چاہے عذاب میں مبتلا کر دے اور چاہے معاف فرمادے''(ترمذی)

دوسری حدیث میں فرمایا'' جس مجلس میں اللہ کا نام نہ لیا گیا، اس سے اٹھ کر آنے والے لوگوں کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جو گدھے کی میت کے پاس سے اٹھ کر آرہے ہوں اور حسرت و حرماں ان کے دامن گیر ہوں۔''(ابوداؤد)

اس لیے پیارے بچو! اپنی مجلسوں کو ذکرِ خیر سے معطر کرو۔آخر میں میں تمہیں ایک ایسی دعا یاد کروانا چاہتا ہوں کہ جسے اگر مجلس کے آخر میں پڑھ لیا جائے تو اس کی برکت سے مجلس کی بے ہودہ باتیں اللہ تعالی معاف فرما دیتے ہیں۔ ہیں نا مزے کی بات! کیا تم وہ دعا سیکھنا چاہتے ہو؟''

شوق کی وجہ سے ساری کلاس پُر جوش ہو چکی تھی۔سب نے مل کر جواب دیا ''جی سر! آپ ضرور بتائیں۔''

پھر سر نے وہ دعا ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

''سبحانک اللھم وبحمدک ، اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک''

دوسرے دن تمام طلبہ کو نہ صرف یہ دعا یاد تھی بل کہ وہ اپنے ہر پیریڈ کے بعد اسے اپنے دل میں پڑھ بھی رہے تھے۔

☆......☆......☆

قرض کی نحوست

ام طارق حجازی

وہ ایک متوسط گھرانے کی لڑکی تھی، بی اے پاس کرنے کے بعد اس کی شادی یوسف سے طے ہوئی جو ایک کمپنی میں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

ایک ہفتہ پہلے وہ اپنی ایک سہیلی کی شادی میں گئی جب اس نے واپس آکر اپنے والد کو بتایا کہ دلہن بہت پیاری لگ رہی تھی اور وہ ہیرے کا ایک ہار پہنے ہوئے تھی۔پھر صبا نے اُٹھتے ہوئے کہا: کاش میرے پاس بھی ہوتا، اس کا یہ جملہ اس کے والد کے سینہ کو تیر کی طرح پار کر گیا۔

ان کی اتنی استطاعت نہیں تھی کہ وہ ہیرے کا ہار خریدتے لیکن وہ بیٹی کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتے تھے چند دن کے بعد انہوں نے بیٹی کو ہیرے کا ہار لا کر دیا۔

اس کا چہرہ خوشی سے گلاب کی طرح کھل اُٹھا۔

یہ ہار صبا کے والد نے اپنے دوست امجد خان سے پانچ ہزار ریال ادھار لے کر خریدا تھا۔

تین ماہ بعد صبا کی شادی ہوگئی اور وہ ہیرے کا ہار پہن کر خوش خوش اپنے دولہا کے گھر آگئی۔

ایک سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو خوبصورت بیٹا دیا اور اسی دوران یوسف کی ترقی بھی ہوگئی۔

ایک دن اس کو اپنے ای میل پر اعلان ملا کہ ایک کمپنی سمندر کے کنارے فیلا بنا کر فروخت کر رہی ہے۔

یہ خبر پڑھ کر صبا پھڑک اُٹھی شام کو ہی یوسف اور صبا کمپنی کے دفتر میں پہنچ گئے، سیلز منیجر نے اپنے پلان کی خوب تعریف کی لیکن جب یوسف نے اس کی قیمت دس لاکھ ریال (ایک ملین) سنی تو اس کا دل بیٹھ گیا۔

سیلز منیجر نے رُخ دیکھتے ہی کہا آپ گھبرائیے نہیں یہ رقم آپ کو بنک سے قرض مل سکتی

ہے، میں اپنے دوست کو فون کرتا ہوں وہ آپ سے آ کر ملے گا۔

دوسرے دن صبح ہی بنک کی طرف سے مسٹر رابرٹ آ پہنچے اور فرمانے لگے ہمارا بنک آپ کے سارے معاشی مسائل حل کر دے گا، اگر آپ کورنیش پر فیلا لینا چاہتے ہیں تو ہم چھ سال کیلئے آپ کو ایک ملین ریال دلا دیں گے۔

یوسف یہ خبر سن کر حیران رہ گیا اس نے کہا: میرے پاس رہن رکھنے کیلئے کوئی جائیداد نہیں ہے۔ مسٹر رابرٹ نے کہا کوئی فکر کی بات نہیں آپ کا نیا فیلا آپ کا ہے جب قرضہ پورا ہو جائے گا آپ کے نام رجسٹری ہو جائے گی۔

یوسف کو اس تمویل شخصی اسکیم سے بڑے راحت محسوس ہوئی لیکن مسٹر رابرٹ نے جاتے جاتے بتایا اس ایک ملین کے چھ سال کے قرض پر آپ کو دو لاکھ سود دینا ہوگا۔

یوسف کو سود کے نام سے ایک جھٹکا سا لگا لیکن نئے فیلا کی چمک نے اس کو چکا چوند کر رکھا تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد اس نے کاغذات پر دستخط کر کے بارہ لاکھ ریال کا قرض اپنے سر پر رکھ لیا ایک ماہ بعد پراپرٹی ڈیلر نے نئے فیلا کی چابی لا کر ان کو دیدی اور وہ خوش خوش اس میں منتقل ہو گئے۔

نئے فیلا میں ان کی خوشیوں کے دن تیزی سے گزرنے لگے، ایک سال بعد اللہ نے ایک بیٹی اور دی اور چار افراد کا یہ خاندان تین سال تک دن عید اور رات شب برات مناتا رہا، اسی درمیان میں یوسف نے اپنی جمع پونجی اور تنخواہ سے چھ لاکھ ریال بنک کو ادا کر دیئے۔

جنہوں نے پہلے پورا سود وضع کیا اور پھر چار لاکھ قرض میں سے ادا کئے، ابھی چھ لاکھ کا اصل قرضہ باقی تھا کہ اچانک حالات نے رُخ بدلا یوسف کی کمپنی نے تجارت میں خسارے کی وجہ سے کئی آدمیوں کو ملازمت سے الگ کر دیا جس میں یوسف کا نام بھی تھا۔

بس اب کیا تھا ساری ذمہ داری یوسف کے کندھوں پر آ پڑی، اس نے دوسری سروس حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ایک سال گزرنے پر بھی کہیں ملازمت نہیں ملی۔

اسی دوران بنک سے قرض کی قسط ادا کرنے کے لیٹر پر لیٹر آنے لگے۔

جب دوسرا سال شروع ہوا اور قسطیں ادا نہیں ہوئیں تو بنک نے فیلا نیلام کرنے کی دھمکی دیدی۔

یوسف نے دوسرے بنکوں سے قرض لینے کی کوشش کی لیکن جو بنک تمویل شخصی کے اعلانات کیا کرتے تھے سب نے آنکھیں پھیر لیں اور بالآخر وہ دن آ پہنچا جب بنک نے فیلا نیلام کرنے کا نوٹس دے دیا۔

دس لاکھ ریال کے قرضہ میں سے یوسف چھ لاکھ ادا کر چکا تھا لیکن بنک نے دو لاکھ سود پہلے وضع کر لیا تھا اس لئے ابھی اصل قرضہ میں چھ لاکھ باقی تھے۔

جب یوسف کے فیلا کو بیچنے کی بات شروع ہو تو معلوم ہوا کہ ایسے کئی معاملات ہیں اور دس بارہ فیلا للبیع (For Sale) کی لسٹ پر لگے ہوئے ہیں۔

عقار والوں نے ایسے فیلا پر پانچ لاکھ ریال لگا رکھے ہیں۔

صبا یہ خبر سن کر رو پڑی، بڑی مشکل سے اس کے فیلا کی قیمت چھ لاکھ تک پہنچی جو پوری کی پوری بنک نے اپنے حساب میں وضع کر لی پھر وہ دن بھی آیا جب صبا اور یوسف اپنے نئے فیلا کی چابی نئے خریدار کو دے کر روتے ہوئے نکل آئے۔

اب نہ ان کے پاس مکان تھا۔ نہ جمع پونجی اور نہ قرض لینے کی صلاحیت۔ نئے فیلا کی چمک اور قرض کی نحوست نے اس خوشحال خاندان کو سڑک پر لا کھڑا کر دیا اور اب وہ ایک چھوٹے سے کرایہ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

ایک رات جب صبا کے پاس دونوں بچے سو رہے تھے وہ ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھی، اس نے انے والد کو خواب میں چیختے ہوئے دیکھا تھا۔

اُس نے اپنے والد سے کہا ابا جی آپ تو جنتی آدمی ہیں آپ نے کتنی نیکی کے کام کئے، غریبوں کی مدد کی، نماز روزہ کی پابندی کی آپ کیوں چیخ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

ہاں بیٹی! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جنت کا پروانہ دیا لیکن جنت کے دربان نے میرا نامۂ اعمال دیکھا تو معلوم ہوا ایک قرضہ میرے ذمہ باقی ہے اس لئے اس نے میرا جنت میں داخلہ روک دیا، اب میں یہاں دروازے پر پڑا ہوں کبھی کبھی جہنم کا دھواں مجھے لگ جاتا ہے اور اس کی تکلیف سے میں چیخ اُٹھتا ہوں۔

صبا نے کہا ابا آپ نے تو کبھی کسی سے قرضہ نہیں لیا ایسا کیسے ہوا؟

ہاں بیٹی! لیکن ایک بار میں نے تیرے لئے ہیرے کا ہار خریدا تھا۔ بس یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔

صبا کے منہ سے چیخ نکل گئی صبح ہوتے ہی اس نے اپنے گلے سے ہیرے کا ہار اُتار کر فروخت کر دیا اس کی قیمت سات ہزار ریال لگی۔ پانچ ہزار اس نے امجد خان کو واپس کئے اور دو ہزار تعمیر مسجد کے حساب سے جمع کرا دیئے۔ اگلے دن وہ اپنے والد کی قبر پر گئی اور روتے ہوئے کہنے لگی ابا نے میری وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی اللہ مجھے معاف کرے۔

☆......☆......☆

درد اور دوا

منال موسیٰ، جدہ

لو، اس نے ہاتھ میں پکڑی گیند مانو کی طرف اچھالی، مانو نے لپک کر گیند کو اپنے پاؤں سے روکا۔

یہ اس کا سارے گھر میں پسندیدہ گوشہ تھا اس کا باغیچہ۔

اس نے اس باغیچے پہ بہت محنت کی تھی، اس کو جب بھی کوئی غم پہنچتا یا کوئی خوشی پہنچتی وہ اپنے باغیچے کا رُخ کرتی، اسے لگتا تھا جب وہ خوش ہوتی ہے باغیچے کا ہر پھول اس کی خوشی میں لہلہانے لگتا اور جب کبھی وہ اُداس بلبل بنی بیٹھی ہوتی ہر پھول گویا اداس ہو کر اس کا ساتھ دیتا تھا۔ ایک اس کی مانو تھی جو ایک لمحہ بھی اس سے دور نہ رہتی، اکثر وہ اور مانو باغیچے میں رونق لگائے رکھتے تھے۔

وہ بچپن سے ہی بہت حساس تھی، دوسروں کی خدمت کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا، ہر کام میں پیش پیش رہنا چاہے گھر ہو یا مدرسہ اس کی عادت تھی۔

اس کی کوشش ہوتی کہ وہ کسی نہ کسی طرح سب کی خدمت کر سکے مگر وہی دنیا اور دنیا والے، احسان کو نظر انداز کر کے اس کی غلطیوں پہ ہی تنقید کرتے رہتے، لوگوں کی باتیں جب اسے دلبرداشتہ کر دیتیں وہ امامہ جو اسکی چچا زاد بہن اور ہم راز تھی اس سے بات کر کے اپنا دل ہلکا کر لیتی۔

مانو اس کی طرف گیند دھکیل رہی تھی کہ ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''اوہو آج مانو اور مریم کا مقابلہ ہو رہا ہے''۔

یہ آواز امامہ کی ہی تھی وہ بے ساختہ مسکرائی۔۔

''کیوں مسکرا رہی ہو؟'' اس نے کھوجتی نظروں سے اسے گھورا۔

'' میں تمہیں یاد کر رہی تھی اور تم حاضر ہو گئی''۔ مریم ہنس پڑی۔

''گستاخ مجھے شیطان کہہ رہی ہو۔ میرا شیطانوں سے دور دور تک کا واسطہ نہیں ہے''۔ امامہ نے بھنا کر کہا۔

خیر شیطان نہیں ہو تو انسانوں میں سے بھی نہیں ہو تم۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' امامہ چونکی، پھر زور سے چلائی: ''تم مجھے انسانوں کی فہرست سے خارج کر رہی ہو؟''

''تم فہرست میں تھی کب؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو پری ہوں'' امامہ نے اتراتے ہوئے کہا۔

''دیکھا؟! کہا تھا نا میں نے، تم انسان نہیں ہو۔ بھول گئی آسان منطق میں لکھا تھا جنوں کی خوبصورت عورتوں کو پریاں کہتے ہیں اور جن شیطان ہوتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ تم شیطان ہو''۔ مریم نے اپنی منطق جھاڑی۔

''پتا نہیں تمہیں منطق سے کیا عشق ہے، میں تو دال مدلول (منطقی اصطلاحات) میں پھنس کے دلیہ بن چکی ہوں''۔ امامہ اس سے ہار مانتے ہوئے کرسی پہ بیٹھ گئی۔

اس نے واپس مانو کو دیکھا مگر مانو کب کی کھسک چکی تھی۔

''تمہارا باغیچہ مزید پیارا لگ رہا ہے''۔ امامہ نے ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ دیکھو گلاب کے دو پھول کھلے ہیں اور یہ چنبیلی بھی''۔ مریم نے پھولوں کی جانب اشارہ کیا۔

''اور یہ تتلیاں؟'' امامہ نے دو تتلیوں کو دیکھا جو ایک پھول سے دوسرے پھول کی طرف اڑتی پھر رہی تھیں۔

''یہ میری دوستیں ہیں، حال ہی میں دوست بنی ہیں ہر وقت کھیلتی رہتی ہیں''۔ امامہ نے محبت سے دیکھا۔

''اف تمہاری سب سے دوستی ہو کیسے جاتی ہے چاہے وہ انسان ہوں یا جانور؟'' امامہ جھلا کر بولی۔

''ہاں ہو جاتی ہے جنوں سے بھی ہو جاتی ہے'' اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا جبکہ اس کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

''ہاں پوری دنیا کی خدمت کرو، ان سے دوستی نبھاؤ بعد میں کوئی کچھ کہے تو سات سمندر ایک کر دیتی ہو''۔ امامہ نے اسے گھورا۔

''جانے بھی دو، آؤ منطق پڑھتے ہیں''۔ مریم نے پاس رکھی آسان منطق اٹھائی۔

''ہاں بتاؤ مجھے حد اوسط کسے کہتے ہیں''۔ وہ امامہ کا امتحان لینے کے موڈ میں تھی۔

مگر آگے کسی نے جواب نہ دیا، اس نے چونک کے سر اٹھایا، تو خالی کرسی منہ چڑا رہی تھی، امامہ اس کو کتاب اٹھاتا دیکھ کر کب کی کھسک چکی تھی۔

☆......☆......☆

''مریم، مریم'' امی کی آواز سن کے وہ چونکی، اس وقت وہ ''اصول الشاشی'' کھولے سر پکڑے اسے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، آدھے گھنٹے سے وہ اس ایک مسئلہ پہ اٹکی ہوئی تھی۔

''جی امی'' وہ کچن میں داخل ہوئی۔

''بیٹا یہ برتن دھو دو بہت جمع ہو گئے ہیں'' امی

نے کہا
''جی اچھا'' اس نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برتن دھونا شروع کیے۔
''مریم کہاں ہو؟'' آپی نے اسے آواز دی۔
''کچن میں'' اس نے جواب دیا۔
''تمہیں میں نے کہا تھا نا میرا کپڑا استری کردو'' آپی غصے میں بولیں۔
''اوہ میرے ذہن سے نکل گیا اس وقت بابا نے کام دے دیا تھا'' مریم نے سر پہ ہاتھ مارا۔
''اچھا میں برتن دھو کے کر دیتی ہوں'' مریم نے آپی کو منانے کی کوشش کی۔
''رہنے دو تم سے تو کوئی کام نہیں ہوتا'' آپی یہ کہہ کے کچن سے نکل گئیں۔
مریم نے پلٹ کر دروازے کو دیکھا جہاں سے ابھی ابھی آپی نکلیں تھیں۔
''سارا وقت میں ان کا کوئی نا کوئی کام کر رہی ہوتی ہوں ایک کام بھول گئی غلطی سے آرام سے کہہ دیتیں ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی''۔ مریم کی آنکھیں بھیگ گئیں، جلدی سے اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں مبادا کوئی دیکھ نہ لے اور واپس برتنوں کی طرف متوجہ ہوگئی مگر دل بار بار بھر آ رہا تھا کہ آپی نے کیوں ڈانٹا ایک غلطی ہی تو تھی۔

☆......☆......☆

''ارے بیٹ بال کہاں ہے؟'' بھائی جو گاڑی سے سامان نکال رہا تھا ٹھٹک کے رک گیا
''میں تو سمجھا تھا آپ نے رکھ دیا ہے''۔ چھوٹا بھائی مصعب بولا۔
''میں نے مریم کو کہا تھا، رکو پوچھتا ہوں اس سے''۔
آج وہ لوگ ساحل سمندر آئے ہوئے تھے مریم پاس ہی پتھر پہ بیٹھی سمندر کو دیکھ رہی تھی، سورج غروب ہو رہا تھا، سورج کی سنہری کرنوں کا عکس سمندر کا حسن بڑھا رہا تھا۔
''مریم بیٹ بال نہیں رکھا کیا؟'' بھائی کی آواز پہ اس نے چونک کے انہیں دیکھا۔
''آپ نے کب کہا رکھنے کو'' وہ حیران ہوئی۔
''کیا ہو گیا تمہارے کمرے میں آ کے کہا تھا تم سامان سمیٹ رہی تھی بھول گئی کیا؟'' بھائی کو غصہ آگیا۔
''پتا نہیں میں نے تو نہیں سنا'' مریم بیچارگی سے بولی۔
''تم سے کوئی کام نہیں ہوتا کچھ نہ کیا کرو تو بہتر ہے اب یہاں ہم جھک ماریں کیا'' بھائی پاؤں پٹختا چلتا بنا۔
''مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا''۔ مریم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ سارا دن ان کے کام کروں بے وقت چائے بنانے کے لیے اٹھا دیتے ہیں، یہ بھی نہیں دیکھتے میں کچھ کر رہی ہوں یا نہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس سوچ نے اس کو مزید اداس کر دیا۔
وہ جو تھوڑی دیر پہلے سمندر سے لطف اندوز ہو رہی تھی یک دم تلخ ہوگئی۔

☆......☆......☆

''یہ باغیچے پہ آج اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے؟''
ایک چہکتی ہوئی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔ جانتی تھی اُمامہ کے علاوہ ہو بھی کون سکتا ہے، آج بھی شاید معمول کی طرح اسکا غم ہلکا کرنے چلی آئی تھی۔
''میں نے شاید کچھ پوچھا ہے؟'' ادھر سے پُرزور لہجے میں پوچھا گیا۔
وہ گلاب کی کلی پہ تتلیاں دیکھنے میں مگن، اپنی نم آنکھیں اٹھائیں۔ ایک نظر اسے دیکھ کے واپس نگاہیں تتلیوں پہ گاڑ دیں جو ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھیں۔
''تم رو رہی ہو؟'' امامہ پریشان ہوگئی۔
''ایک آنسو ہی تو دوست ہیں میرے، جو تنہائی میں بھرپور ساتھ دیتے ہیں، مجھے تو لگتا ہے سب کی طرح یہ بھی کسی دن روٹھ جائیں گے''...... تتلیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے آنسو پونچھے۔
''ہمم ہوا کیا ہے؟'' اب کی بار نرم لہجے میں پوچھا گیا۔
''ہونا کیا تھا کل بھائی کا بیٹ بال نہیں رکھا گاڑی میں......'' نہایت مبہم بات ہونے کے باوجود وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ بھائی کی ڈانٹ اسے پریشان کر رہی ہے۔
''جبکہ میں تو سب کے ساتھ اتنے اچھے رویے سے پیش آتی ہوں پھر بھی سب صحیح سے بات نہیں کرتے، کیا جا رہا ہے تھوڑا نرمی سے بات کرنے میں''۔ بالآخر مضبوط لہجے نے بھی ساتھ چھوڑ دیا، آنسوؤں نے اپنی رفتار تیز کر لی......
''تم یہ اچھے رویے سے پیش کیوں آتی ہو؟'' امامہ نے پُرسوچ لہجے میں سوال کیا۔
''یہ بھی کوئی سوال ہے ظاہر ہے اللہ کے لیے''۔
''تو بدلے کی امید مخلوق سے کیوں لگائی جا رہی ہے خالق کی موجودگی میں؟'' اُمامہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
مریم چونک اٹھی ''کیا مطلب''
''مطلب صاف واضح ہے، تم نے اگر اللہ کی رضا کے لیے مخلوق کی خدمت کرنی ہے تو پھر ان سے بدلے میں اچھے رویے کی امید لگانے کی کیا ضرورت۔ ویسے بھی مخلوق کبھی بھی امید پہ پورا نہیں اتر سکتی، امید پہ پورا اترنے والی ذات صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے، انہیں سے اچھی امید لگاؤ، اگر کسی کے عمل سے تکلیف ہو تو بہن برداشت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے ڈبل ثواب ملے گا، بجائے اپنے خالی دماغ پہ زور دینے کے۔ ویسے خالی چیز پہ زور دیا جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے احتیاط کیا کرو ایک ہی تو دماغ ہے ننھا سا، یہ بھی گیا تو مجھے منطق کون سمجھائے گا''۔ امامہ آخر میں شرارت سے بولی۔ پھر مریم کو دیکھا جو تتلیوں پہ نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں گم ابھی تک تتلیوں کو دیکھنے میں مگن تھی، شاید اس کی اس بات نے اسے بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا......

☆......☆......☆

تیرے قرب کی حسرت تمام شُد

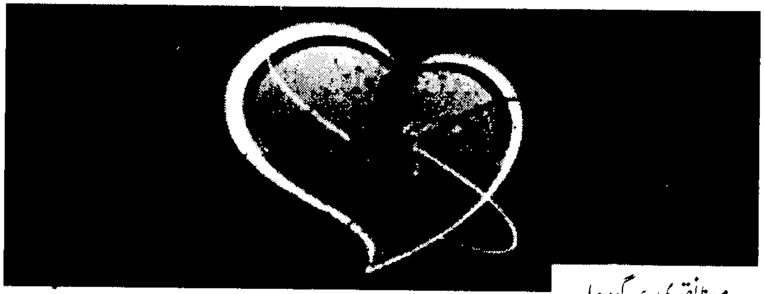

مونا نقوی۔سرگودھا

دل کے پاس نہ تو زبان ہے کہ بول کے بتائے کہ آپ کے لیے خاص جذبات رکھتا ہے اور نہ ہی ہاتھ پہ لکھ کے یقین دلائے کہ آپ کے لیے اُس میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے۔محبت اظہار چاہتی ہے اور اظہار کے لیے الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔جب تک الفاظ دل کے ترجمان نہ بنیں تب تک سامنے والا آپ کے جذبات سے واقف نہیں ہوسکتا۔نجانے کچھ لوگوں کو یہ زعم کیوں ہوتا ہے کے اُن کے اظہار کیے بنا سامنے والا اُن کی محبت میں گرفتار ہوجائے گا اور اُس کی بے تحاشا محبت کے خمار میں کھو کر اُس کی خاطر اپنی زندگی اور خوشی تک تیاگ دے گا۔سارے زمانے کو اُس کے لیے الوداع کہہ دے گا۔صرف اور صرف اُس کی ذات ہی آپ کا محور اور مرکز ہو اور دن رات آپ اُس کے وجود کا طواف کرتے رہیں۔اپنی ہر خوشی پسِ پشت ڈال کے صرف آپ کی خاطر ہر غم سہہ جائے گا۔ آپ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہے گا، اپنے سب پیاروں کو بھول کے بس آپ کے لیے اور آپ کے خاندان کے لیے زندگی گزارے گا۔لیکن ایسے لوگ یہ کیوں بھول جاتے کہ دوسرا بھی دل اور خواہشات رکھتا ہے۔اُس کے دل میں بھی جذبات ہوتے ہیں جو یہ ڈیمانڈ کرتے ہیں آپ سے محبت ،اعتماد اور خلوص کی نا صرف ڈیمانڈ بلکہ اس کا اظہار بھی۔

لفظوں کی کنجوسی کرکے آپ کو اپنی محبت کا یقین نہ دلا کر یہ امید رکھنے والے سمجھتے کہ عمر کے آخری حصہ تک آپ اُن کا ساتھ دیں گے وہ غلطی پر ہوتے ہیں۔بعض اپنی غلطی تسلیم کرکے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی سعی کرتے ہیں اور بعض اپنی انا پہ لے کر اپنے ہی ہاتھوں اپنی ساری متاع کوڑیوں کے مول بیچ دیتے جب احساس ہوتا ہے تو وقت گزر چکا ہوتا ہے۔جسے آپ کوشش کے باوجود نہیں پلٹا سکتے اور

اگر پلٹا بھی لیں تو نہ دل میں وہ پہلے سے جذبات رہتے ہیں نہ پہلے سی امنگ۔تب مجبوراً زبردستی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔

☆......☆......☆

وقت تیزی کے ساتھ گزرتا جارہا تھا۔ابھی کل ہی کی تو بات ہے وہ اک چھوٹی سی معصوم سی بچی تھی۔بےفکری کی زندگی گزار رہی تھی۔نہ کوئی ذمہ داری تھی نہ ہی سٹڈی کے علاوہ کوئی اور فکر۔موج مستی میں لائف گزر رہی تھی،فکر تھی تو یہی کہ فائنل ایر کا رزلٹ کیا آئے گا پیپرز تو سارے اچھے ہوئے تھے مگر دل واہموں میں گھِر سا جاتا تھا جیسے جیسے رزلٹ کی ڈیٹ قریب آرہی تھی ،وہ ماسٹرز کے بعد ایم ایڈ میں ایڈمشن لینا چاہتی تھی لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا شائد۔سُن کے اُسے بھی شاک لگا تھا کہ آج کچھ لوگ اسے دیکھنے آرہے ہیں۔

"لیکن دادی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" دادی کے بتانے پہ وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔شادی کی یہی سہی عمر ہوتی بیٹا۔دادی نے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پر میں ابھی آگے پڑھنا چاہتی۔" ہنوز منہ بنائے بولی۔

"تو کس نے روکا ہے بیٹا پڑھنا آگے جتنا مرضی پڑھنا شادی کے بعد۔" دادی نے محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"شادی کے بعد خاک پڑھا جائے گا دادی۔ امی آپ ہی سمجھائیں کچھ دادی کو۔" اُس نے ماں کو دیکھتے ہی منت بھرے انداز میں کہا۔

"تمہاری دادی بالکل ٹھیک کہہ رہی بیٹا۔ تمہاری عمر میں تو میں دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔" ماں کو دادی کی طرفداری کرتے دیکھ کر اُس منہ اور بھی پھول گیا تھا۔

"وہ زمانہ اور تھا امی۔اب زمانہ بدل چکا ہے۔" اُس نے اپنے تئیں سٹرونگ دلیل ماں کے گوش گزار کی تھی۔

"کوئی زمانہ نہیں بدلا بیٹا ،بس لوگوں کا نظریہ بدل گیا ہے۔اب لوگ زیادہ سے زیادہ پڑھانے کی چاہ میں بیٹیوں کی عمریں گزار دیتے شادی کی۔نہ بھئی میں تو دیر نہیں کروں گی۔" امی نے اُس کی دی گئی دلیل کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ اچانک سے آپ کو اور دادی کو کیا ہوگیا ہے۔پہلے تو ایسی کوئی جلدی نہیں تھی آپ لوگوں کو۔" اُس کی موٹی موٹی خوبصورت براؤن آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوچکی تھیں۔وہ رندھی ہوئی آواز میں شکوہ کناں لہجے میں بولی۔

"پہلے نہیں تھی پر اب تو ہم چاہتے بس چٹ سے رشتہ طے ہو تمہارا اور پٹ سے شادی کردیں۔" امی اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کو نظرانداز کرتے ہوئے بولیں۔

"ایسی کیا غلطی سرزد ہوگئی مجھ سے جو آپ لوگوں کو اتنی جلدی پڑگئی میری شادی کی؟" وہ ناک کو بےدردی سے رگڑتے ہوئے آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

نا چندا تم تو ہماری اتنی اچھی اور پیاری بیٹی ہو تم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ دادی نے پیار چمکارتے ہوئے کہا تو اُن کے لہجے میں ہمدردی کی رمق پا کر وہ بولی۔

تو پھر کہہ دیں ان لوگوں کو کہ رشتہ نہ لے کے آئیں۔

ارے رشتہ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اچھے لگے تو فی الحال صرف منگنی کر لیں گے۔ امی نے پیار سے میرے چہرے پہ آئی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

نا بھئی منگنی نہیں شادی کریں گے اگر پسند آ گیا لڑکا اور گھر بار اُن کا۔ دادی نے امی کی بات پہ نہایت ناگواری کا اظہار کرنے کے بعد کہا۔

یعنی دادی آپ کو میرا وجود کھلنے لگا ہے اب اس گھر میں۔ میری آنکھوں سے آنسو سیلاب کی صورت بہہ نکلے۔

ادھر آ میری چندا میرے پاس بیٹھ۔ دادی نے پیار سے پکارا تو میں چپ کر کے اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

بیٹیاں وقت پہ ہی اپنے گھر کی ہوتی اچھی لگتی ہیں۔ کچھ دن پہلے تمھاری امی اور میں رضیہ کے گھر گئیں تھیں۔ چار بیٹیاں ہیں اُس کی۔ سب اک جتنی لگ رہی تھیں۔ اُس نے بیٹیوں کو پڑھانے اور اُنہیں کچھ بنانے کی چاہ میں عمریں بتا دی اُن کی شادی کی۔ اب سب پڑھی لکھی نوکریوں والی ہیں، پر کوئی رشتہ نہیں آتا۔ آ جائیں تو بڑی عمر کی کہہ کے جواب دے کے چلے جاتے ہیں لوگ۔ میں تو یہ دیکھ اور سن کے ڈر گئی ہوں بیٹا، کل کلاں تمہیں اور ہمیں بھی یہ دن نہ دیکھنا پڑے۔ میری تو دعا ہے کل وہ لوگ جب آئیں تو ہاں کر کے ہی جائیں۔ دادی نے ہاتھ اُٹھا کے دعا کرتے ہوئے کہا۔ میرا دل اس آنے والے رشتے کو لے کے عجیب سے واہموں میں گھرا تھا پر پھر سب قسمت پہ چھوڑ کے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش میں لگ گئی۔ کیونکہ قسمت میں جو لکھا ہو اُس سے فرار ناممکن ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

اگلے روز نا چاہتے ہوئے بھی میں تیار ہو گئی۔ وہ تین عورتیں تھیں اور اُن کے ساتھ خالہ رشیدہ تھی۔ وہ رشتے کرواتی تھیں اور یہ رشتہ بھی وہی لائی تھیں۔

دادی اور امی اُن عورتوں کے اخلاق، رکھ رکھاو اور وضع داری دیکھ کے رشتے کے حق میں قائل ہو ہی چکی تھیں کہ لڑکے کی تصویر دیکھ کے اُن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ہاں بول لڑکے کی ماں، چچی اور بہن بھی لڑکے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں اُن کے بقول اُن کے لڑکے سے زیادہ کوئی نیک اور شریف الطبع واقع نہیں ہوا۔ امی اور دادی نے تو کہہ بھی دیا کہ اُنہیں کوئی اعتراض نہیں مگر ابو نے کہا کہ وہ پہلے لڑکے سے ملنا چاہتے ہیں تب ہی کوئی مثبت جواب دیں گے۔ ابو کی اس بات پہ میری جان میں جان آئی میں خود اس قدر جلد بازی کے حق میں نہیں تھی۔ مگر پھر بھی لڑکے کی ماں جاتے جاتے میری مٹھی میں دو ہزار دباتے ہوئے بولی: اب آپ

کی بیٹی آپ لوگوں کے پاس ہماری امانت ہے۔ امی اور دادی اُنہیں دروازے تک چھوڑنے گئیں۔ میں اچاٹ دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔ امی، دادی اور ابو اب جلد سے جلد لڑکے والوں کے گھر جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ میرا دل اس جلد بازی پہ اور بھی الجھنوں میں گھرتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو چار دن بعد امی، دادی، ابو اور آپی لڑکے والوں کے گھر گئے اور لڑکے سے مل کر بے حد متاثر ہوئے، نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ اُس کے گن گاتے نہ تھک رہے تھے۔ وہ لوگ منگنی کے بجائے نکاح کی ڈیٹ دے آئے تھے، دو ہفتہ بعد نکاح تھا، آپی نے مجھے لڑکے کی تصویر دکھاتے ہوئے اپنے تئیں خوشخبری سنائی تھی مگر میرے سر پہ یہ خبر کسی بم کی طرح پھوٹی تھی اور میں ہونقوں کی طرح آپی کو دیکھنے لگی، مگر وہ مجھے ایسے بیٹھا چھوڑ کے باہر نکل گئی۔ شام تک بھیا اور بھابھی بھی پہنچ گئے۔ سبھی خوش تھے اور میں اندیشوں کے گہرے پانیوں میں غوطہ زن تھی۔

☆......☆......☆

دو ہفتہ کے قلیل ٹائم میں نکاح کی بہت اچھی تیاری ہو گئی تھی، آپی اور بھیا اور بھابھی بھی دو ہفتہ پہلے آ گئے تھے، دن رات اک کر کے سب تیاریاں مکمل کر دی تھیں سب نے۔ بس جہیز کی چند چیزیں ہی لینی باقی تھیں، وہ نکاح کے بعد خریدنے کا پروگرام بنایا گیا۔ صبح نکاح تھا اور میرا دل اداس اور انجانے خوف کے زیر اثر تھا، میں نے لڑکے کو بھی بس سرسری سا دیکھا تھا جب آپی تصویر دکھانے لائی تھیں اور زیادہ غور کرنا ضروری بھی نہ سمجھا تھا کہ اب کون سا پسند نہ آیا تو انکار کی گنجائش ہے۔ اُن سب کے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھنے کی اطلاع پر دل بے ترتیب ہو کے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد نکاح کا فریضہ ادا کر دیا گیا تھا۔ نکاح کے بعد امی اور آپی مجھے ڈرائنگ روم میں لے جانے کے لیے آئیں۔

میں کافی پُر اعتماد واقعہ ہوئی تھی پر اس وقت سارا اعتماد جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا، اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ آرام سے چل کے ڈرائنگ روم تک پہنچ جاؤں، آپی اور امی نے مجھے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا مگر ٹانگیں کانپ رہی تھیں، مجھے اپنی اس کنڈیشن پہ غصہ بھی آ رہا تھا۔ شائد سبھی لڑکیوں کی ایسے موقع پہ ایسی ہی حالت ہوتی ہو۔ احمر کے پاس بیٹھنے سے قبل اک نظر اُس پہ پڑی وہ بہت دلکش اور سوبر سا لگ رہا تھا۔ دل جو پہلے خدشات اور وسوسوں میں پڑا تھا قدرے مطمئن ہو گیا۔ احمر کی کزنز اور بہن ہم دونوں کو شرماتے دیکھ کے مختلف دلچسپ جملے کس رہیں تھیں اور تصویریں لے رہی تھیں۔ مگر ہم دونوں بس مسکرانے پہ اکتفا کر رہے تھے۔ مغرب کے وقت یہ سادہ اور خوبصورت تقریب اختتام پزیر ہوئی۔ ایک ہفتہ بعد رخصتی کی ڈیٹ رکھ دی گئی تھی۔ اب شادی کو لے کے نہ دل واہموں میں گھرا تھا نہ کوئی بے چینی یا اندیشہ دل کو ڈرا رہا تھا۔ نکاح کی برکت تھی یا جو بھی احمر کی سادگی اور دلکشی میرے دل میں گھر کر گئی تھی۔

شادی سے اک ہفتہ پہلے والے ہفتہ میں میں نے

مستقبل کے ہزاروں رنگین سپنے بُننے میں گزار دیے۔

☆......☆......☆

وقت جیسے پر لگا کے اُڑ رہا تھا، اک ہفتہ گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا اور اب وہ وقت تھا جب میں دلہن بنی احمر کے سامنے بیٹھی تھی۔ احمر light sky blue شیروانی میں بہت جچ رہا تھا۔ میں شرمائی لجائی اُس کے سامنے بیٹھی تھی اُس کی محبت بھری نگاہیں میرے چہرے پہ گڑھی تھیں۔ چند لمحے یونہی گزر گئے پھر میرے ہاتھوں کو نرمی سے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ بولا۔

خوبصورت لگ رہی ہو، اس معصومیت اور خوبصورتی دیکھ کے دم بخود ہو گیا ہوں سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کہو۔ آپ کے ساتھ امید ہے زندگی بہت اچھی گزرے گی، آپ بہت سلجھی ہوئی اور سمجھدار لڑکی لگ رہی ہو اور اِسی سمجھداری سے آپ جلد ہی ہمارے گھر کے ماحول کو سمجھ بھی لوگی اور ڈھل بھی جاؤ گی۔ یہ گھر اب آپ کا بھی اور اس گھر کے سب رہنے والو کو بھی ہمیشہ اپنا سمجھنا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو، آپکی ہر ضرورت پوری کرنا آج سے میری ذمہ داری ہے اور اِس گھر کو خوش اسلوبی سے چلانا آپکی ذمہ داری۔

میں کوشش کروں گی کہ کبھی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔ میں نے نظریں جکاتے ہوئے کہا۔

مجھے بھی یہی امید ہے آپ سے۔ اِس نئی زندگی کی شروعات جس محبت اور سچائی سے شروع کرونگا نہ کل اُس میں کوئی جھول آئے گا نہ زندگی کے کسی اور لمحے میں۔ جیسا مجھے آج پاؤ گی زندگی کی آخری سانس تک ویسا ہی رہوں گا اور تم ویسا ہی پاؤ گی مجھے۔ میرا تم سے وعدہ ہے کہ کبھی کوئی دکھ اور تکلیف نہیں دوں گا تمہیں۔ انہوں نے محبت سے میرے ہاتھوں کو دباتے ہوئے کہا اور میرا دل بھی اُن کے اک اک لفظ پہ صدقِ دل سے ایمان لے آیا تھا۔ احمر کا ساتھ پانے پہ میں تہہِ دل سے خدا کی شکر گزار تھی۔ اُس رات آنکھوں نے بہت سے حسین خواب اور بھی سجا لیے تھے۔ سارا وجود اندر تک سرشار تھا ایک ہیرے جیسے انسان کو پا کے۔

☆......☆......☆

دلیمہ کی خوبصورت اور پُر وقار تقریب کے بعد مجھے گھر والوں کے ساتھ جانا تھا، رسم تو یہی تھی کہ دُلہا بھی ساتھ جاتا ہے مگر احمر نے کچھ مجبوری کے تحت ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اُن کی مجبوری سمجھتے ہوئے امی، دادی ابو اور کسی نے بھی ساتھ چلنے پہ زیادہ اصرار نہ کیا۔ میرا دل اُداس بھی تھا اور خوش بھی۔ گھر والوں کے ساتھ جانے کی خوشی تھی اور احمر کے ساتھ نہ آنے پہ دل اُداس سا تھا لیکن ایک رات کی ہی بات تھی صبح مجھے لینے آنے کا کہا تھا اُنہوں نے۔

شادی سے پہلے جو اندیشے اور خدشات دل کو الجھا رہے تھے وہ اک رات میں ہی دور ہو گئے تھے۔ احمر بہت اچھے اور خوبصورت دل کے مالک تھے۔ میرا دل اُن کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ رات کو اُنہوں نے کال کی اور اُن کا اتنا کہنا کہ وہ مجھے مس کر رہے دل کو اور بھی اندر تک نہال کر گیا اور دل چاہ رہا تھا کہ جلد صبح ہو اور احمر مجھے لینے آ جائیں اور رات تھی کہ جیسے گزرنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ انتظار کے پل کیوں طویل ہوتے ہیں اِس کا مفہوم میں نے اُس رات سمجھا تھا۔

☆......☆......☆

شادی کے بعد کچھ ہفتے دعوتوں میں گزر گئے۔ پھر لائف اپنی روٹین پہ آ گئی۔ میں نے پہلی بار کھانا بنایا تھا۔ جسے میری ساس دیور اور نند نے کھا کے ناپسند کیا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی کونکہ اِس سے پہلے میرے کھانے کو کبھی کسی نے نام تک نہ رکھا تھا۔ دل بہت بُرا ہوا اور اُداس بھی۔ مگر احمر کی تعریف سے دل سے اُداسی کے بادل چھٹ گئے اور میرے لیے احمر کی یہ یہ تعریف ہی کافی تھی۔

☆......☆......☆

مجھے امید تھی کے احمر کے ساتھ میری زندگی بہت خوبصورت اور شاندار گزرے گی۔ ہماری زندگی میں ہمیشہ بہار ہی رہے گی اور خزاں کا گزر تک نہ ہوگا۔ مجھے احمر کے کیے وعدوں پہ بھی مکمل بھروسہ تھا کہ وہ اُن سب وعدوں کو وفا کریں گے۔ وہ میرا مان جو اُن کی ذات پہ ہے کبھی ٹوٹنے نہ دیں گے۔ مگر شاید کچھ وعدے توڑے جانے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں۔ مجھے احمر کی طرف سے پہلا دھچکا تب لگا جب رات انہوں نے میرے بنائے کھانے کی تعریف کی اور صبح اپنی امی، بہن اور بھائی کی بدتعریفی کے بعد انہوں نے اپنا رات والا بیان بدلا اور آفس جانے سے پہلے کہا کہ آج رات کا کھانا دھیان سے بناؤں کیونکہ کل رات بنایا جانے والا کھانا بہت بد ذائقہ تھا۔ لیکن رات تو آپ نے بہت تعریف کی تھی۔ تمہارا دل رکھنے کے لیے کی تھی۔ امی بھی کہہ رہی تھیں کہ کھانا بہت بُرا بنایا تھا تم نے اور کل سے میرے لیے صبح کا ناشتہ بھی تم بناؤ گی جلدی اٹھ جایا کرو۔ وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ جیسے ہی میں روم سے نکل کر باہر گئی میری ساس اور دیور نے اک دوسرے کے کان سے کان لگا کے کوئی بات کی۔ اشارہ نظروں کا میری طرف تھا مگر آہستہ کی جانے والی بات کو سمجھ نہ سکی، میں نے اپنے لیے ناشتہ بنایا اور روم میں آ گئی۔ مجھے گھر میں بہت اجنبیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے روم میں ہی رہنا بہتر سمجھا۔ مگر پھر تھوڑا تیار ہو کے باہر آ گئی۔ کچھ دیر بعد کچھ ملنے ملانے والی عورتیں آ گئیں۔ ساس نے مجھ سے اُن کا تعارف کروایا۔ اُنہیں چائے وغیرہ پلائی۔ اُنہیں میرا اخلاق اور مزاج بہت پسند آیا اور آنٹی سے تعریف کرتی رہیں کہ آپ کو بہت اچھی بہو ملی ہے۔ سارا دن محلے والوں کا آنا جانا رہا۔ رات کو کھانا بہت دل سے بنایا اور سب کو پیش کیا۔ مگر پھر وہی جملہ سننے کو ملا کہ بہت بے ذائقہ بنایا ہے اور یہ قیاس آرائی بھی کی گئی کہ کچھ آتا ہی نہیں اِس کو نہ ہی اسے کچھ سکھا کے بھیجا ہے گھر والوں نے۔ احمر نے بھی ایسے ہی ریمارکس دیئے۔ دل پہ اداسی کے

گہرے بادل چھا گئے اور تمام رات آنسو بہاتے گزر گئی دکھ اِس بات کا ہوا کہ احمر میری ہلکی ہلکی سسکیاں سن کے بھی سوتے بنے رہے۔ صبح جلد اُٹھی کہ احمر کو ناشتہ بنادوں جیسے ہی کچن کے دروازہ پہ پہنچی آنٹی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

کوئی ضرورت نہیں اتنا بیوی کو سر چڑھانے کی یا اتنی قربت دکھانے کی۔ تھوڑا فاصلہ رکھو اُس سے۔ جتنا پیار جتاؤ گے اُس کی جھجک کم ہو گی۔ بیوی کو ہمیشہ رعب تلے رکھنا چاہیئے تا کہ سر اُٹھا کے بات بھی نہ کر سکے۔ میں تو کہتی ہوں ابھی بچے پیدا کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ابھی کام تو ٹھیک سے کر نہیں پاتی وہ بچے کیا خاک سنبھال پائے گی۔ عقل بھی کچی ہے۔ پہلے کچھ سمجھدار ہو جائے وہ اور تم اپنے پیروں پہ ٹھیک سے کھڑے ہو جاؤ تا کہ بچوں کا خرچ اُٹھا سکو۔

جی امی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ماں کی کہی بات پہ احمر نے بنا سوچے سمجھے ہامی بھرتے ہوئے مُہر ثبت کر دی تھی۔

میں پچھلے قدموں ہی واپس پلٹی اور کمبل اوڑھ کے لیٹ گئی۔ وہ روم میں آئے اور بولنے لگے۔

بیگم صاحبہ جلد اُٹھنے کی عادت ڈال لیجیے۔ آپ کسی ملک کی ملکہِ عالیہ تو ہیں نہیں کہ جب دل چاہے اُٹھیں۔ مگر میں خاموشی سے آنسو بہاتی لیٹی رہی۔ مگر اُن کے جانے کے کافی دیر بعد اٹھی دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اور اِسی وقت یہاں سے چلی جاؤں مگر پھر صبر کا دامن تھامتے ہوئے یہی فیصلہ کیا کہ احمر کے آفس سے آنے کا انتظار کر لوں کیونکہ یہی الفاظ میں اُن کے منہ سے بھی سننا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

جیسے جیسے دن گزر رہے تھے میرے ہر کام میں سبھی کیڑے نکالتے رہے۔ میں اپنی طرف سے بہت محنت کرتی تھی مگر سب نے شائد یہی سوچ رکھا تھا کہ میرے کام کی تعریف کرنی ہی نہیں۔ نا صرف میرے ہر کام سے کیڑے نکالے جاتے تھے بلکہ ہر رات احمر کے کانوں تک بھی سب باتیں من وعن پہنچائی جاتی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مجھ سے بد دل اور بدگماں ہو گئے، آفس سے آنے کے بعد وہ ماں اور بھائی کے ساتھ ہی بیٹھے رہتے تھے کھانا بھی اُنہیں کے ساتھ کھاتے تھے اور میری بنائی ہر ڈش کھائی جانے کے بعد ریجکٹڈ قرار دی جانی معمول بن گیا تھا۔ میرا ذہن الجھتا جا رہا تھا، امی، آپی اور دادی کے لاکھ پوچھنے پر بھی اُنہیں فی الحال کچھ بتانا نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ پریشان نہ ہو جائیں۔ اسی کشمکش میں کچھ دن امی ابو کے پاس جانے کی احمر سے اجازت مانگی جو انہوں نے بخوشی دے دی۔ میں دل میں جو یہ مان لے کے پوچھنے گئی تھی کہ شائد وہ کہیں کہ مجھ سے پل بھر کی جدائی اُن سے برداشت نہیں۔ مگر اُن کے اجازت دے دینے پہ دل اور مان دونوں ہی ٹوٹ گئے۔ میرا اترا اترا چہرہ دیکھ کے امی اور دادی نے بار بار پوچھا کوئی پریشانی ہے تو ہم سے share کرو مگر میں جو چپ کا تالا زباں پہ لگا کے آئی تھی وہ لگا رہنے دیا۔ مجھے یہاں

آئے تین دن ہو چکے تھے اور احمر نے مجھے اک میسج اور کال تک نہ کی تھی۔ دل بہت افسردہ تھا۔ اوپر سے امی اور دادی بھی پوچھنے لگیں کہ احمر نے کوئی میسج یا کال کی۔ وہ بہت مصروف ہوتے ہیں دادی اس لیے نہیں کی۔ میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

مگر ایسی بھی کیا مصروفیت کے چوبیس گھنٹوں میں سے چند منٹ بھی بیوی کے لیے نہیں نکال سکتا۔ دادی نے گہری فکرمندی سے کہا۔

چھوڑیں دادی جب لینے آئیں گے تو خود ہی پوچھ لیجے گا اُن سے۔ میں نے محبت سے اُن کے گلے میں نے بانہیں ڈالتے ہوئے سر اُن کے کاندھے پہ رکھ دیا۔

ہاں پوچھوں گی ضرور پوچھوں گی آخر کو اتنی پیاری بیوی کے ہوتے ہوئے وہ اِس طرح لاپرواہی کیسے برت سکتا۔ دادی کی فکرمندی ہنوز برقرار تھی۔

چھوڑیں دادی۔ مجھے اس ٹوپک سے بوریت ہونے لگی تھی، جبکہ اندر سے اُن کے اِس رویہ پہ خود بھی دل گرفتہ تھی۔

تُو خوش تو ہے نا میری بچی۔" اُنہوں نے محبت سے میرا چہرا اپنے کمزور اور نحیف ہاتھوں میں تھامے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

جی دادی بہت خوش ہوں۔ میں نے جھوٹی مسکراہٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ مگر دادی مطمئن نہ ہو پائی تھیں اُن کے چہرے سے واضح پتہ چل رہا تھا۔ بس میری بات سن کے چپ ہو گئیں تھیں۔

☆......☆......☆

سنڈے کو میں نے خود ہی اُن سے آنے کا پوچھا کہ کیا وہ مجھے لینے آ رہے کہ نہیں۔ مگر انہوں نے دوست کی شادی کا بہانہ کر دیا اور کہا کہ میں خود ہی آ جاؤں۔ دل تھوڑا اور ٹوٹ گیا تھا۔ مگر ناچار تیار ہو گئی اور ابو کے ساتھ سسرال آ گئی، یہ دیکھ کے کہ احمر گھر پہ ہی تھے دل اور بھی اُن سے بدگمان ہو گیا تھا۔

ناراض ہو کیا؟ اُنہوں نے بیڈ پہ لیٹتے ہوئے مجھے خاموش دیکھ کے پوچھا۔ کوئی پہلی دفعہ نہیں تھا کہ میں خاموش تھی اس روم میں ہم دونوں کے ہوتے ہوئے بھی اکثر خاموشیوں کا ہی راج رہتا تھا۔

تو ناراض نہیں ہونا چاہئے کیا؟ میرے پوچھنے پہ بنا جواب دیئے وہ موبائل پہ چیٹ کرنے میں مصروف رہے۔

کیا جاتا جو آج آپ مجھے لینے آ جاتے۔ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے غصہ میں یہ لاپرواہی دیکھ کے اضافہ ہونے لگا تھا۔

یہ بات تمہیں خود سے سمجھنی چاہیے تھی کہ اک سنڈے کا دن ہوتا ہے چھٹی کا وہ بھی آنے اور جانے میں گزار دیتا۔ اک گھنٹے کا ہی تو رستہ ہے خود بھی آ جا سکتی ہو۔

لیکن آپ کا میرے ساتھ عمر بھر کا ساتھ ہے، آپ کو میرے گھر اور خاندان والوں کے ساتھ گھلنا ملنا چاہئے۔ انہیں مسلسل موبائل میں مصروف دیکھ کر

دل دُکھ رہا تھا، اُن کا یوں اگنور کرنا پاس بیٹھ کے دل کو تڑپا رہا تھا۔ مگر اُسے پرواہ ہی کب تھی۔

دیکھو یار میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے بہتر ہے کہ اس وقت کوئی بحث نہ کرو جیسے ٹائم پاس ہو رہا ہونے دو۔

وہ کہہ کر کروٹ بدل کے میری طرف کمر کر کے سو گئے۔ اُن کا شادی جیسے پاکیزہ رشتے کو ٹائم پاس کہہ دینا دل کو اور بھی چور چور کر گیا۔ میں لیٹ کے بے آواز روئی جا رہی تھی، احمر کے ساتھ شادی کو لے کر جو خواب میں سجا کے آئی تھی اور شادی کے بعد جو خواب سجائے وہ سب ریت کی دیوار کی مانند ایک ایک کر کے زمیں بوس ہو رہے تھے اور ریت کے یہ ذرات میری آنکھوں میں اس وقت بُری طرح چبھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

میرے دل پر پہلا ایٹم بم تب گرا تھا جب احمر نے کہا، تم اس گھر میں میرے گھر والوں کی خدمت گزار کے طور پہ لائی گئی ہو۔ میرے گھر والے تمہیں جو کہیں تمھارے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے، تم میرے دل میں گھر تب ہی کر سکتی جب اُن کا دل جیت لو گی۔ دوسرا بم تب گرا جب شدید بخار کی حالت میں مجھے ڈرامہ باز عورت کہا اور کہا کہ میرے سامنے تمھارے یہ مکر نہیں چل سکتے، اگر یہ مکر کرنے ہیں تو بیگ میں اپنے کپڑے ڈالو اور اپنے گھر دفع ہو جاؤ۔ شدید بخار کے اُس عالم میں بھی ہمدردی کا اک لفظ بولنے کے بجائے وہ انگارے چبا چبا کر مجھ پہ الفاظ کستے رہے۔ جب کہ رات تک وہ جان بھی گئے کہ کس قدر تیز بخار تھا مگر معذرت کا اک لفظ تک نہ بولے۔

تیسرا بم تب گرا جب مہمانوں کے سامنے مجھ سے موبائل چھین لیا۔ قصور صرف یہی تھا کہ سارا دن مہمانوں کی بیمار ہونے کے باوجود خدمتیں کرتی رہی اور رات کو برتن دھونے کی ہمت نہ تھی، احمر کی بہن کو برتن دھونے پڑے جب کہ وہ جانتی تھی کہ میری طبیعت خراب ہے۔ مگر صبح ہی صبح ماں بیٹی نے ایسے کان بھرے کہ انہوں نے میرے ہاتھوں سے موبائل چھین لیا اور مہمانوں کے سامنے اتنا فساد برپا کیا کہ مجھے اپنا وجود اُن کے سامنے چور نظر آنے لگا۔ مہمانوں کی نظروں کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی جیسے مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی، اپنا کردار داغدار معلوم ہونے لگا تھا۔ اور پھر روز ہی نئے نئے طریقوں سے وہ میری دل آزاری کا ساماں کرنے لگے، میں سمجھ چکی تھی کہ بدگمانی کا بیج جو اُن کے دل میں میرے خلاف بویا گیا تھا وہ اب اُن کے دل میں بہت گہرائی تک اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا۔ میں ہر بات سہتی گئی کہ شاید میرے قریب رہنے سے اک نا اک دن وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔ مگر میں غلطی پر تھی کہ اُن کا اس قدر دل آزاری والی باتیں سن کے اُن پہ ری ایکٹ نہ کر کے میں احمر کے دل میں جگہ بنا لوں گی۔ مگر وہ اپنے گھر والو کی باتوں کے جال میں اس طرح گرفتار تھے کہ انہیں میرا وجود اُس گھر میں نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اُن کے

نزدیک اک کام والی سے زیادہ اہمیت نہ تھی، شادی کو آٹھ ماہ ہو چکے تھے اور اُنہوں نے کوئی بھی حق زوجگی ادا نہ کیا تھا اور میرے لیے اب چپ رہنا محال تھا، دل جو کئی عرصہ سے بغاوت پہ سر اٹھا رہا تھا میں نے اُس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

گھر والے بھی سب سن کے بہت پریشان ہوئے اور مجھ پہ غصہ بھی کہ کیوں چھپایا، پہلے اُن سے کیوں یہ حقیقت پہلے نہیں بتائی۔

اِس لیے کہ شاید اُن کا دل میرے لیے نرم ہو جائے، انہوں نے جو چاہا ویسا کیا مگر بدلے میں پاگل جاہل کے لقب سننے کو ملے۔ کیونکہ اُن لوگوں کی ہر زیادتی چپ کر کے جو سہہ رہی تھی پاگل تو سمجھنا ہی تھا اُنہوں نے مجھے۔ میں [illegible] میں بتائے جا رہی تھی۔

یہ سب جاننے کے بعد میں نے اور گھر والوں نے اُنہیں اک موقع اور دینے کا فیصلہ کیا۔ امی اور دادی نے آنٹی سے سب زیادتیاں گنواتے ہوئے کہا، کہ یہ پہلا اور آخری موقع ہے آپ اپنے بیٹے کو سمجھا لیں، اگر وہ اپنے عادات و اطوار ٹھیک کر کے جو اس کے حقوق ہیں پورے کرے تو ٹھیک، ورنہ ہماری بیٹی ہم پہ بھاری نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارا حتمی فیصلہ یہی ہوگا کہ ہم اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ سب سُن کے آنٹی کے ہوش کچھ ٹھکانے پہ آئے اور اُنہوں نے اپنے رویہ کافی تبدیل کر لیا۔ اب نہ تو وہ بیٹے بیٹیوں سے میری برائیاں کرتی تھی نہ ہی میرے کھانوں اور کام میں کیڑے نکالتی تھیں۔ احمر کو بھی سمجھاتی تھیں اور بیوی کے کیا کیا حقوق ہیں، اس پہ بھی کافی لیکچر دیا کرتی تھیں، مگر اک ماہ گزرنے کے بعد بھی احمر اپنے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ لائے لیکن میں اُنہیں آخری حد تک موقع دینا چاہتی تھی اور ہر نماز میں دعا بھی کرتی تھی کہ اُن کا دل بدل جائے وہ میرے ساتھ مخلص ہو جائیں تو میں بھی اُن کی ہر غلطی ہر خطا بھول کے اور معاف کر کے نئے سرے سے زندگی شروع کروں گی۔ مگر بدقسمتی سے میری دعا بابِ قبولیت تک نہ پہنچ پائی۔ اُن کا رویہ میرے ساتھ سرد سے سرد ہوتا چلا گیا۔ اُنہوں نے خود کو بدلنے کی ذرا سی کوشش کرنا گوارہ نہ کی تھی۔ ماں، بہن، اور بھائی کے سمجھانے کے باوجود اُنہوں نے میرے ساتھ کوئی تعلق قائم نہ کیا۔ اک گھر میں رہتے ہوئے ہم اک دوسرے سے لاتعلق سے پھرتے تھے۔ میری ساس، نند اور دیور اب اپنے دل میں شرمندہ بھی تھے، احمر کو جس پٹڑی پہ چڑھا چکے تھے وہ اب اُس پٹڑی سے اترنے کو تیار نہ تھے۔ یا شائد اب اُس پٹڑی سے اُترنا اُن کی مردانہ شان کے خلاف تھا۔ تین ماہ اسی طرح گزارنے کے بعد بھی رستہ باقی بچا تھا کہ میں خود کو اس بے بنیاد رشتے سے علیحدہ کر لو۔ گھر میں سبھی اب میری خوشامد کرتے اور میرا خیال رکھ کے مجھے معصوم بچے کی طرح بہلا پھسلا کے رکھنا چاہ رہے تھے جیسے کہ کوئی انجان یا کم عقل ہوں۔ مگر میری شادی احمر سے ہوئی تھی ناکہ

اُس کے گھر والوں کے ساتھ، میں تمام عمر اُن لوگوں کی وجہ سے اِس طرح نہیں گزار سکتی تھی۔ اگر گزار بھی لیتی تو اِس اچھائی اور قربانی کا مجھے کیا صلہ ملتا۔ جب تین ماہ میں اک شخص کو احساس نہیں ہوا تھا تو کیا گارنٹی کے آنے والے وقت میں وہ اِس بات کا احساس کرتا۔ سو میں نے وہاں سے چلے آنے میں ہی بہتری سمجھی۔

☆......☆......☆

تم یقین جانو میرے دل میں تمہارے لیے بہت محبت اور عزت ہے۔ وہ میرے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

آپ کے دل میں محبت اور عزت ہے میرے لیے کیسے مان لوں جبکہ آپ نے کبھی مجھے اِس بات احساس نہیں دلایا۔

اِس ایک سال میں، میں احمر کو اپنے سامنے مجرم بنے آنکھیں جھکائے کھڑے دیکھ کر یقین نہ آنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

میں نے جو بھی کیا بہت غلط کیا تمہارے ساتھ، میں اعتراف کرتا ہوں اپنی تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کا۔ تم مجھے معاف کر کے بس اک موقع دو میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ وہ اب ہاتھ جوڑے معافی مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میرے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جس نے اک سال میں سوائے مجھے ہرٹ کرنے کے اور کوئی کام نہیں کیا۔ جس نے کبھی مجھے تنہائی میں بھی یہ نہیں کہا کہ میری ذات اُن کے لیے اہم یا کوئی معنی رکھتی ہے۔ جس نے مجھے خرچ دینا تو در کنار گھر والوں سے چوری کوئی گفٹ تک دینا بھی کبھی گوارا نہ کیا۔ اُس نے کوئی حقوق پورا نہ کیا تھا، مگر دل کہتا تھا اُسے اک موقع اور دیا جانا چاہیے۔ شاید صبح کا بھولا گھر لوٹ آئے وہ۔

ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھیے گا یہ آخری موقع ہوگا اس کے بعد کوئی موقع نہیں ملے گا آپ کو۔ میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تو اُس کا شرم سے جھکا سر اُٹھا اور اداس آنکھیں خوشی سے جگمگا اُٹھیں۔ آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں میں پیکنگ کر کے آتی ہوں۔

شکریہ تم نے میری بات مان لی یہی امید لے کے آیا تھا تمہارے پاس کہ تم معاف کر دو گی۔ تم بہت اچھی اور اچھے دل کی مالک ہو سامعہ تمہارا یہ احسان عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔ وہ میرے ہاتھوں کو محبت سے اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے کے بعد خوشی سے نہال ہوتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

سوچا تو یہی تھا کہ چلی جاؤں احمر کو اک موقع اور دوں مگر قسمت کو شائد کچھ اور ہی منظور تھا۔ میں نے عین ٹائم پہ سب تیاری کر کے بھی اُن لوگوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

جب سے وہ لوگ گئے تھے میں چپ تھی۔ امی نے کھانے کا پوچھا تو کہا ابھی جی نہیں چاہ رہا۔ کسی نے بھی مجھے کریدنے یا کچھ بھی پوچھنا

شائد ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں اپنے اس فیصلے پہ نہ تو شرمندہ تھی اور نہ ہی دل میں کوئی ملال تھا۔ میں خوش تھی اور اس رشتے سے ہمیشہ کے لیے آزادی چاہتی تھی۔ دل جو کچھ دنوں سے اُداس اور مغموم سا تھا اب خوشی سے سرشار تھا۔

یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو سامعہ؟ اور کھانا بھی نہیں کھایا تم نے؟ دادی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے کمرے میں ہی آ گئی تھیں۔

بس ویسے ہی دادی۔ میں نے کمرے کی کھڑکی سے دور تک پھیلے گھروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہر گھر کی اپنی ہی الگ کہانی ہوتی ہے۔ ہے نا دادی۔ میں چاہتی دادی مجھ سے کچھ نہ پوچھیں اس لیے جو ذہن میں آیا بول گئی۔

ہاں میری بچی، ہر گھر کی اپنی ہی الگ کہانی ہوتی ہے۔ تم مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی تھی تم تو خوشی خوشی جانے کو تیار ہو گئی تھی پھر عین وقت پہ جانے سے انکار کیوں کر دیا۔ دادی بھی گھما کے بات وہیں لے آئی تھیں۔

کیونکہ میں نے اُنہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ اُن لوگوں کے ساتھ جاؤں۔" میرے لہجے میں نخوت در آئی تھی۔

ایسا کیا ہوا، جو تم نے ایسا چاہا؟ دادی نے نرمی سے پوچھا۔

بتا دوں گی دادی مگر فی الحال میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے دل میں اُٹھتی کرب کی ٹیس کو دباتے ہوئے بولی۔

چلو ٹھیک ہے بیٹی جب دل چاہے بتانا۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں تمہیں کسی بھی لمحے تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

دادی مجھے پیار سے کہتی اُٹھ کے باہر چلی گئیں۔

دل کے لیے یہی ڈھارس کافی تھی کہ میرے گھر والے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

اسی وجہ سے ہی تو آج اپنی زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ لے لیا تھا۔ آج میں اپنے دل کی خوشی سے احمر اور اُس کے گھر والوں کے ساتھ جانے کو تیار ہوئی تھی، مجھے خوشی تھی جیسے بھی سہی احمر کو احساس تو ہوا ہے۔ اور میرے لیے یہی کافی تھا کچھ دن اور لگتے اور ہماری زندگی خوشیوں کی ڈگر پہ چل ہی نکلتی سب کچھ آہستہ آہستہ معمول پہ آ جاتا ہمارے دلوں کی خلش بھی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی میں احمر کو دل سے اک اور موقع دینے کو تیار ہوئی تھی۔ مگر جن لوگوں کے دل مادہ پرستی کا شکار ہوتے ہیں وہ کبھی بھی دل سے کسی کے ساتھ اچھائی نہ تو کرتے ہیں نہ ہی کوئی بھلائی چاہتے۔ وہ بس اپنی ناک اونچی رکھنے کی چاہ میں ہی جیتے ہیں اور اپنی عزت بچانے کی ہی فکر میں رہتے ہیں۔

☆......☆......☆

میں خوشی خوشی تیار ہو کے جب ڈرائنگ روم کے دروازہ تک گئی احمر کی آواز پہ رکی۔

امی آپ کے کہنے پہ آیا یہاں اور سامعہ سے

بات بھی کی، ورنہ نہ مجھے اُس میں کوئی دلچسپی ہے نہ یہ خواہش کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ وہ دبے دبے لفظوں سے ماں سے کہہ رہا تھا۔

آہستہ بول کوئی سُن لے گا۔ آنٹی نے اُس کی بات پہ اُسے آہستہ سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

یہ سب کرنا پڑتا ہے بیٹا خاندان میں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے، ابھی تو اک سال ہوا تمہاری شادی کو، ابھی سے طلاق ہوگئی تو خاندان بھر میں ناک کٹ جائے گی ہماری کہ سال بھر میں ہی لڑکی کے ساتھ ایسے کیا ظلم کیا جو طلاق لے کے چلی گئی۔ ارے دو تین سال اور گزرنے دے پھر چاہے تو رکھنا چاہے تو طلاق دے دینا۔ یہ سب سن کے دل جو کچھ دیر قبل خوش گمانیوں کے زیرِ اثر خوش ہوا تھا اک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ دل چاہ رہا تھا ایسے گھٹیا لوگوں کو دھکے مار کے اِس گھر سے نکال دوں جنہیں صرف اپنی ناک عزیز تھی۔ لیکن آگے جا کے میں صرف یہی کہہ کے پلٹ آئی کہ مجھے آپ کے بیٹے کا ساتھ قبول نہیں ۔ میں اب بھی اپنے فیصلے پہ قائم ہوں مجھے آپ کے بیٹے سے طلاق چاہیے۔

بھلا ایسے شخص کا ساتھ میں کیونکر قبول کر سکتی تھی جس میں رشتہ نبھانے کا کوئی سینس نہ تھا۔ ماں بہن اور بھائی بے شک قابلِ عزت اور قابلِ محبت ہوتے ہیں مگر بیوی کا بھی اپنا مقام ہوتا ہے۔ نجانے کچھ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے جب وہ کسی کی بیٹی کو بیاہ کے لاتے کہ ہم نے اِسے بھی اپنی بیٹی کی طرح ہی رکھنا ہے۔ لڑکی ابھی اُس گھر میں اپنے قدم جما نہیں پاتی کہ اُس کے پاؤں کھینچنے کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے۔ اُس نو وارد لڑکی کو اپنائیت اور محبت دینے کے بجائے اُس کے خلاف محاذ کھول دیے جاتے ہیں۔ اُس کے ہر کام میں کیڑے نکال کے اُسے پھوہڑ اور بدسلیقہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

شادی کے بعد اپنے بیٹے کے کان اُس کی بیوی کے خلاف بھرنے شروع کر دیے جاتے ہیں صرف اِس لیے کہ کہیں اُن کا بیٹا اُنہیں چھوڑ کے بس بیوی کا ہی نہ ہو بیٹھے۔ جہاں لڑکا اپنے گھر والوں کی سنے اور مانے اور بیوی کو حقیر اور اک نوکرانی سے زیادہ اہمیت نہ دے ایسی شادیوں کے انجام شائد علیحدگی پہ ہی ہوتے ہیں۔ اگر احمر اپنے گھر والوں کی مان کے بھی دل سے میرے ساتھ مخلص رہتے مجھے عزت، محبت اور بیوی کی حیثیت سے اپنے دل میں مقام دیتے تو اُن کی محبت کے سہارے اُن کے ساتھ عمر گزار دیتی۔ مگر اب علیحدگی کے بعد بھی نہ تو کوئی ملال تھا مجھے نہ کوئی پچھتاوا۔

☆......☆......☆

سروے فارم

ماہنامہ حیا جون 2005 سے اب تک اپنی زندگی کی 12 بہاریں دیکھ چکا ہے اور دھیرے دھیرے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، اس عرصہ میں اسے مختلف حالات سے گذرنا پڑا لیکن ادارہ کے کارپردازوں نے ہمت کا دامن نہ چھوڑا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور آپ بہنوں کے تعاون سے یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ یوں تو آپ بہنوں کے تاثرات کا کچھ اندازہ خطوط، ای میلز اور فون کالز سے ہوتا ہے لیکن اب ادارہ حیا نے اپنے چاہنے والوں سے تعلق کو مزید مضبوط اور مربوط کرنے کے لیے ایک فارم مرتب کیا ہے، جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیے، ہمیں انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

سوال نمبر 1:......آپ کا نام اور مختصر تعارف۔

سوال نمبر 2:......آپ ماہنامہ حیا کے ساتھ کب سے وابستہ ہیں؟

سوال نمبر 3:......کیا ماہنامہ حیا کے مطالعہ سے آپ کی زندگی یا آپ کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی؟

سوال نمبر 4:......ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے ناولوں میں سے کوئی کردار ایسا ہے جس کو پڑھ کر آپ کا دل چاہا کہ آپ اس کردار میں ڈھل جائیں؟

سوال نمبر 5:......جب سے آپ کا ماہنامہ حیا سے تعلق ہے تب سے اب تک کوئی ایسی تحریر جو آپ نہیں بھلا سکیں؟

سوال نمبر 6:......ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے آپ کے پسندیدہ ناول کا نام؟......آپ کا پسندیدہ اقتباس؟

سوال نمبر 7:......کس رائٹر کو آپ ماہنامہ حیا میں پڑھنا چاہتی ہیں؟......فہرست میں کس رائٹر کا نام بے چینی سے تلاش کرتی ہیں؟

سوال نمبر 8:......ماہنامہ حیا معاشرے میں اصلاحی پہلو اجاگر کرنے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے......کیا ماہنامہ حیا اپنے مقصد میں کامیاب ہے؟

سوال نمبر 9:......کیا آپ ماہنامہ حیا میں کوئی تبدیلی چاہتی ہیں......اگر ہاں تو کس قسم کی؟ اپنی رائے دیجئے......(اگر سروے میں زیادہ بہنوں کی رائے متفق ہوئی تو ادارہ تبدیلی لانے کی مکمل کوشش کرے گا)۔

سوال نمبر 10:......ماہنامہ حیا کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ایک شعر کے ذریعے کیجئے۔

ایمان اور گمان

عفاف عبدالباری۔ سکھر

''اب کتنی دیر بعد ہم جائیں گے''۔ یہ سوال صبح سے آٹھویں مرتبہ ثمن پوچھ چکی تھی۔

''بس بیٹا آپ کے بابا آفس سے آجائیں تو چلتے ہیں''۔ بیگم عمر نے جواب دیا۔

عمر کامران صاحب کی ایک ہی بیٹی تھی۔ دس سال کی وہ پیاری سی بچی پیاری پیاری باتوں سے دل موہ لیتی تھی۔ عمر صاحب نے اوران کی اہلیہ نے اس کی مثالی تربیت کی تھی۔ ثمن کی گرمیوں کی چھٹیاں پڑیں تو عمر صاحب نے تفریح کیلئے گلگت جانے کا پروگرام بنایا۔

آج انہیں گلگت کیلئے نکلنا تھا۔ اسی لئے بیگم عمر جوش وخروش سے تیاریوں میں مصروف تھیں اور ثمن پر تو گویا ہر لمحہ سال کے برابر ہو رہا تھا۔ عمر صاحب آفس سے آئے چائے پی کر تیار ہو گئے۔ ثمن پہلے ہی گاڑی میں بیٹھی بابا کا انتظار کر رہی تھی۔ سب گاڑی میں بیٹھے اور دعائیں پڑھ کر سفر کا آغاز کیا۔

سارے راستے خوبصورت مناظر اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔ پہاڑوں سے گھری وادیوں میں سبزہ زار اور ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے پھول، گہرے بادل اور ماحول کی پرسکون خنکی، سیب اور آڑو کے باغات...... سب سورہ رحمان کی تفسیر لگ رہے تھے۔

عمر صاحب پوری توجہ سے گاڑی چلا رہے تھے اور ثمن اپنی گول مٹول آنکھیں گھماتی قدرت کی تخلیق پر متحیر تھی۔

''ماما جان!!...... کیا ان باغ والوں سے اجازت لے کر بھی آڑو نہیں کھا سکتے؟''۔ اچانک ثمن نے سوال کیا۔

''بیٹا آپ کے بابا کے ایک دوست یہاں رہتے ہیں۔ راستے میں ان کا ہوٹل بھی آتا ہے۔۔ آپ کا دل چاہ رہا ہے تو ہم ان سے پوچھیں گے''۔ بیگم عمر نے اسے مطمئن کیا۔

کچھ دور پہنچ کر وہ ہوٹل آ گیا۔ عمر صاحب نے باغ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو امداد اللہ نے کہا ''باغ تو دیکھیں گے لیکن کھانا ہوٹل میں نہیں گھر پہ کھائیں گے''...... ان کے دوست امداد اللہ اپنا باغ دکھانے ساتھ ہی چلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی کچھ دیر بعد سڑک سے اتر کر کچے راستوں پر آ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد امداد اللہ کا باغ آ گیا۔ باغ کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے گھر میں اس کے بیوی اور بچے رہتے تھے۔ باغ میں کچھ ایسی تازگی تھی کہ لطف آ گیا۔ وہاں پر خوب آڑو کھائے۔ باغ سے تازہ رسیلے آڑو کھانے میں جو لطف تھا وہ بازار کے آڑوؤں میں کہاں تھا۔ نجانے کتنے مزیدار، رسدار

اور ذائقہ دار آڑو کھائے کہ پیٹ بھر گیا...... مگر دل نہ بھرا۔ اتنے میں امداد اللہ کی بیٹی کھانے کیلئے بلانے آ گئی۔ خوب لال اور نارنجی رنگ کے رسدار آڑو صحت کیلئے کتنے مفید تھے اس کا اندازہ امداد اللہ کی تین سالہ سرخ وسفید بیٹی کو دیکھ کر ہوتا تھا۔ قدرت کی تقسیم بھی کتنی پیاری ہے کہ جو شہر کی آسائشوں سے دور رہنے والے تھے ان کے پاس دولت نہیں تھی لیکن صحت تھی۔

اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا پھر چائے پی گئی تو گھنٹہ گزر چکا تھا۔ عمر صاحب نے امداد اللہ سے اجازت لی اور گاڑی میں آبیٹھے۔ گاڑی ایک بار پھر گلگت کی جانب رواں دواں تھی...... ابھی پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ ٹائر پنکچر ہو گیا۔ گاڑی روڈ سے بہت دور تھی اور باغات سے بھی۔ عمر صاحب اور بیگم عمر دونوں سخت پریشان ہو رہے تھے۔ عمر صاحب بار بار پسینہ پونچھتے۔ دوسرا ٹائر بھی نہ تھا اور موبائل پہ سگنلز بھی نہیں آ رہے تھے۔ جہاں کچھ دیر پہلے اس قدر خوشگوار ماحول تھا وہاں ایک دم سخت پریشانی آ کھڑی ہوئی۔ دور دور تک بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔ اسی پریشانی کے عالم میں دس منٹ گزر گئے۔

''شاید ابھی کوئی بندہ ہماری مدد کیلئے آ جائے'' ثمن نے اپنی بات کی تکرار کی۔

''بیٹا یہاں کوئی نہیں آئے گا''۔ عمر صاحب نے سخت پریشانی سے جواب دیا۔

''لیکن بابا ہم تو گھر سے دعائیں پڑھ کر نکلے ہیں۔ آپ دیکھیے گا بابا، ابھی اللہ میاں ہماری مدد کیلئے کسی کو بھیجیں گے''۔ ثمن نے پورے یقین سے کہا۔

جھنجھلاہٹ اور پریشانی کے باوجود عمر صاحب اس کی بات رد نہیں کر سکے۔ وہ دس سالہ ثمن کے یقین پر حیران تھے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دور سے ایک سوزوکی نظر آنے لگی۔ عمر صاحب کو یکدم اطمینان ہوا۔

دیکھا بابا......! بھیج دیا ناں اللہ میاں نے ہماری مدد کے لیے...... ثمن نے خوشی سے کہا۔

سوزوکی قریب آئی تو اس میں امداد اللہ بیٹھے تھے وہ پھل مارکیٹ لے جا رہے تھے۔ انہوں نے سوزوکی روکی، ایک ٹائر لا کر عمر صاحب کے ساتھ بدل دیا۔ امداد اللہ واقعی ان کیلئے اللہ کی طرف سے امداد ہی ثابت ہوا۔ انہوں نے اللہ اور امداد اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر سے سفر شروع کیا۔ جیسے ہی روڈ پر پہنچے سگنلز آنے لگے انہوں نے نیوز الرٹ دیکھے تو معلوم ہوا کہ ''گلگت سے بیس کلومیٹر فاصلے پر بارش کی وجہ سے سیلابی ریلے میں ستر گاڑیاں بہہ گئیں''۔ وہ اس وقت محض چالیس کلومیٹر دور تھے، اگر ان کی گاڑی نہ خراب ہوئی ہوتی تو ضرور وہ بھی اس ریلے سے متاثر ہوتے۔ انہیں لگا کہ آج ان کی بیٹی کے ایمان اور اللہ سے اچھے گمان نے انہیں بچا لیا، ورنہ وہ تو دعائیں پڑھنے کے باوجود بھی یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کے ذہن میں ننھی بچی کے الفاظ گردش کرنے لگے۔

''لیکن بابا ہم تو گھر سے دعائیں پڑھ کر نکلے ہیں۔ ہماری تو اللہ تعالیٰ ضرور حفاظت کریں گے''۔

☆......☆......☆

فیصلہ

بنت سیف اللہ۔ ملتان

''رابی! یہ دیکھو......'' حفصہ نے پُرجوش انداز میں رابعہ کو مخاطب کیا جو اس کے سامنے بیٹھی کتاب میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود تھیں، اس کے اس طرح اچانک چیخنے پر نہ صرف رابعہ بلکہ اردگرد موجود لوگ بھی اسے گھورنے لگے۔

حفصہ بہت ہی زندہ دل، نہایت خوش اخلاق، ملنسار اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔ خود خوش رہنے والی اور دوسروں کو خوش رکھنے والی۔ اس کی اس حرکت پر رابعہ نے اسے یوں گھورا جیسے کہہ رہی ہو: ''حفصہ! یہاں تو خاموش بیٹھو۔''

''اُفوہ!'' اس نے شرمندگی سے سب کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' رابعہ نے اسے شرمندہ دیکھ کر پوچھنا مناسب سمجھا۔

''یہ دیکھو.....اس سوال کا جواب مل گیا ہے۔'' اس نے خوشی سے بتایا۔ وہ رابعہ کے ساتھ ہی موجود کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''ارے! واہ! دکھانا ذرا۔'' رابعہ نے خوشی سے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ جلدی سے آگے جھکی اور اسی لمحے حفصہ بھی اسے جواب دکھانے کے لیے جھکی اور دونوں کے سر ایک دوسرے سے زور سے ٹکرا گئے اور دونوں سر پکڑ کر مسکرانے لگیں۔

''رابی! تمہارا سر تو بالکل پکے ہوئے تربوز کی طرح ہے، شکر ہے میرا سر نہیں پھٹا۔'' حفصہ نے سر کو دباتے ہوئے کہا اور رابعہ مسکرادی۔

رابعہ، حفصہ سے قدرے مختلف لڑکی تھی، وہ خود کو حدود میں رکھنا جانتی تھی اور اس بات کی سب سے بڑی وجہ اس کی تربیت تھی۔ وہ ایک دین دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جہاں بچوں کی اسلامی تربیت کے حوالے سے خصوصی خیال رکھا جاتا تھا۔

وہ دونوں ابھی اپنی مشکل حل ہونے پر خوشی منا رہی تھیں کہ عمار بھی وہاں آ پہنچا، وہ ان کا ہم جماعت

تھا۔

''ہائے حفصہ! کیسی ہیں آپ؟ اور آپ بھی مس ایٹی ٹیوڈ۔'' عمار نے انگریزی اور اردو کو خلط ملط کرتے ہوئے کہا۔ چونکہ رابعہ سب کو حد میں رکھنا جانتی تھی اور لڑکوں سے بات کرتی ہی نہیں تھی اور اگر کوئی ضروری بات کرنا بھی پڑ جاتی تو روکھے لہجے میں ہی کرتی تھی اس لیے اسے اکثر اپنے لیے ایسے نام سننے پڑتے تھے۔

''میں بالکل فِٹ ہوں ویسی ہی۔ آپ سنائیں؟'' حفصہ نے مسکراتے ہوئے کہا جب کہ رابعہ نے صرف ''الحمدللہ!'' کہنے پر اکتفا کیا۔

''مس حفصہ کیا مجھے آپ کے سائیکالوجی کے نوٹس مل سکتے ہیں؟'' وہ حفصہ سے مخاطب ہوا۔

''جی جی بالکل، کیوں نہیں۔'' اس نے خوش دلی سے نوٹس نکال کر اسے تھماتے ہوئے کہا۔

''تھینکس حفصہ!'' یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' پیچھے سے حفصہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ رابعہ ساری کاروائی خاموشی سے دیکھتی رہی اور عمار کے جانے کے بعد حفصہ سے مخاطب ہوئی۔

''حفصہ! یہ پرسوں بھی تمہارے نوٹس لے گیا تھا نا؟'' اس نے حفصہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! اور واپس بھی کر دیئے تھے۔ دراصل کاپی کروانے تھے۔ بہت ہی اچھے ہیں عمار بھائی۔'' اس نے ایک ہی سانس میں پوری کہانی سناڈالی۔

''اچھا...... ٹھیک ہے...... ایک بات پوچھوں؟'' رابعہ نے کہا۔

''نہیں۔'' حفصہ نے ٹکا سا جواب دیا۔

''کیوں؟'' وہ اس کے جواب پر حیران ہوئی۔

''دو باتیں پوچھو۔ میں ایک کا جواب نہیں دیتی۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔

''حد ہے لڑکی!'' وہ ناراضی سے بولی اور کچھ دیر بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

''تمہیں عمار پسند ہے؟'' اس نے مسکراہٹ کو بمشکل چھپاتے ہوئے کہا۔

''کیا؟؟؟ کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟'' وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

''نہیں تو...... کیوں؟'' رابعہ مسکرائی۔

''رابعہ! تم ایسا سوچتی ہو میرے بارے میں؟'' اس نے غصے اور دکھ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

''نہیں...... میں نہیں سوچتی مگر وہ یقیناً سوچتا ہو گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ حفصہ کچھ کہے بغیر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور رابعہ نے بولنا شروع کر دیا۔

''حفصہ! تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تمہاری اس خوش اخلاقی کے نتیجے میں لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے؟ کیا انہیں یہ خیال نہیں آتا ہوگا کہ تم ان میں دلچسپی لیتی ہو، اس لیے اتنے نرم لہجے میں اور مسکرا مسکرا کر بات کرتی ہو اور لوگوں کو تو چھوڑو اس میں گناہ علیحدہ ہے۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش

کی۔

"گناہ؟" حفصہ نے گناہ کا لفظ یوں ادا کیا جیسے اسے بہت بڑا دھچکا لگا ہو۔

"ہاں گناہ!" رابعہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی اور اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"لیکن خوش اخلاقی تو بہت اچھی بات ہوتی ہے نا؟ ہر کسی سے خوش دلی سے ملنا، مسکرا کر بات کرنا، دل آزاری نہ کرنا اور سب کے کام آنا۔ یہ سب تو بہت اچھے اور ثواب کے کام ہیں نا۔" حفصہ الجھ گئی تھی یا پھر اپنے حق میں دلائل پیش کر رہی تھی۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن یہ خوش اخلاقی کا مفہوم نہیں ہے؟" رابعہ نے اسے ٹوکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے حیرت سے بھنویں اچکائیں۔

"ہر کسی سے ایک ہی طرح کا رویہ رکھنا اخلاقیات نہیں ہوتا بلکہ جس کا جو مقام اور جو تعلق ہو اس کے مطابق ہی اسلام طے کرتا ہے کہ ہمارا رویہ اس کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟" رابعہ نے اسے خوش اخلاقی کی تعریف سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ کیسی پیچیدہ پیچیدہ سی باتیں کر رہی ہو تم؟ مجھے تو ذرا بھی سمجھ نہیں آ رہی۔" حفصہ نے کہا۔

"دیکھو حفصہ! ہمارے ارد گرد دو ہی قسم کے لوگ (مرد) ہو سکتے ہیں۔ ایک محرم اور دوسرے نا محرم..... ہے نا؟" رابعہ کے پوچھنے پر حفصہ نے تائید میں سر ہلایا۔

"اور ان دونوں طرح کے لوگوں کے لیے اخلاقیات کا معیار بالکل الگ ہے۔ محرم سے بات کرو، مسکراؤ، مذاق کرو، اس کی اجازت ہے مگر نامحرم سے مسکرا کر بات کرنا یا حد سے زیادہ بے تکلف ہونا اخلاقیات نہیں بلکہ بد اخلاقی ہے۔" رابعہ نے اپنی بات واضح کی اور حفصہ نے سر ہلا دیا۔

"قرآن میں سورۃ الاحزاب میں اللہ پاک کا فرمان ہے:

"اے نبی ﷺ کی بی بیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو۔" (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۲، پارہ ۲۲)

حفصہ! جب امہات المومنین کو یہ تاکید کی جا رہی ہے تو ہم کس کھیت کی مولیاں ہیں؟" رابعہ کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" حفصہ نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

"اور دیکھو حفصہ! ہر مرد یا تو تمہارا محرم ہے یا نا محرم..... بیچ کی کوئی قسم نہیں ہے..... کسی کو منہ بولا بھائی بنانے یا دوستیاں بڑھانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ خوش اخلاق ضرور بنو مگر ان حدود میں رہ کر جو اسلام نے قائم کی ہیں۔ شریعت کی حدود سے ذرا سا بھی تجاوز کرو گی تو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اگر آج تم ازراہ کرم بھی شریعت کی حدود پار کر کے زیادہ خوش اخلاق ہو گی تو یہ ترس اور خوش اخلاقی کسی کام کے نہیں۔" رابعہ نے مزید وضاحت کی۔

"ہمم! صحیح.....! تم نے تو پورا لیکچر ہی دے دیا۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا اور رابعہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"لیکن رابی.....! میری تو فطرت ہی ایسی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی کی دل آزاری ہو۔" حفصہ کے لہجے میں ہلکی سی پریشانی تھی۔

"فطرت کو نئے رُخ میں ڈھالا جا سکتا ہے حفصہ! سورۃ الاحزاب میں بھی تو یہی کہا گیا ہے نا کہ بی بیو! تمہارے لہجے میں جو فطری نزاکت اور نرمی ہے وہ بھی ظاہر نہ ہونے پائے یعنی فطری نرمی کو دبا لینے کا کہا گیا ہے۔" رابعہ نے ایک بار پھر سمجھایا۔

"ہاں رابی! یہ بات بھی ہے۔" حفصہ اب بہت سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"اچھا اب تم گندہ سا منہ مت بناؤ، میں تمہیں اسی سے متعلق ایک چھوٹا سا واقعہ سناتی ہوں۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل! سناؤ..... میں ہمہ تن خرگوش ہوں۔" حفصہ بھی مسکراتے ہوئے دوبارہ اپنے اصل موڈ میں آ گئی تھی۔

"ایک صاحب کہتے ہیں کہ ان کے دوست کسی کام سے ان کے گھر گئے تو وہ موجود نہ تھے، بیگم صاحبہ نے بند دروازے ہی سے بات کی اور لوٹا دیا۔ انہوں نے اپنے دوست سے کہا کہ میں تمہارے گھر گیا تو ایک محترمہ سے بات ہوئی۔

انہوں نے کہا۔ "ہاں وہ میری اہلیہ ہوں گی۔"

تو دوست نے جواباً کہا: "اچھا.....! مجھے لگا کہ شاید کوئی چڑیل پال رکھی ہے۔" رابعہ نے واقعہ سنایا۔

"اہلیہ نے بہت ہی روکھے لہجے میں بات کی ہو گی یا شاید ڈانٹ پلا دی ہو گی۔" حفصہ نے مسکرا کر کہا۔ اس پر دونوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

"شاعرہ نے یونہی تو نہیں کہا کہ

بنتِ حوا کے نرم لہجے نے
ابنِ آدم بگاڑ رکھے ہیں

رابعہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور حفصہ نے سر ہلا دیا۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ واقعی غلطی پر تھی۔ اس نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ نہ صرف خود رابعہ کی باتوں پر عمل کرے گی بلکہ اپنی دوسری سہیلیوں کو بھی سمجھائے گی کیونکہ رابعہ کی باتیں درحقیقت اس کے پیارے دین اسلام کی باتیں تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس عمل پر نادم تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کی یہ ندامت اس کے نا سمجھی میں کیے گئے گناہوں کے داغ دھو ڈالے گی۔

وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھی اور رابعہ کے ساتھ کمرۂ جماعت کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اپنی فطرت کے اسلام کے مطابق ڈھالنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

چل پڑا ہوں مصطفوی نقش قدم پر
ہر سانس پہ دنیا مجھے جینے نہیں دیتی
گرتا ہوں سنبھلتا ہوں عشق نبی ﷺ میں
عادتِ توبہ مجھے عاصی رہنے نہیں دیتی

تہجد کے وقت بلال سے اٹھا نہیں گیا کیونکہ رات بارہ بجے ساتھ والے قیوم صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔ سارا دن عزیز و اقارب ان کے آخری دیدار کے لیے آتے رہے، اس وجہ سے نمازِ جنازہ اور تدفین میں تاخیر ہوئی اس لیے آج مولوی بلال کی تہجد کی نماز کسل مندی کی وجہ سے رہ گئی۔

پچھلے کئی دن سے سخت گرمی کی وجہ سے حبس بڑھ گیا تھا۔ کل سہ پہر کے وقت گھر گھر کے آنے والے بادلوں نے بارش کی امید سی بخشی تھی۔ رات ہلکی بوندا باندی نے آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا۔ اس اچانک بارش نے موسم کی کایا پلٹ دی تھی۔ گرمی اور حبس کا یک لخت خاتمہ ہو گیا۔

آج کی صبح کافی ٹھنڈی تھی، رات بھر وقفے وقفے سے ہونے والی بارش نے موسم سرد کر دیا تھا۔

بلال ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کے بعد سر پر کریشیے کی ٹوپی جمائی، درود کا ورد کرتے دروازے کی جانب بڑھا تھا کہ کوثر نے پیچھے سے آواز دی، وہ رک گئے۔

"کتنی بار کہا ہے پیچھے سے نہیں ٹوکتے۔ کیا ہوا؟" انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

"جی وہ منی کو کل رات سے بہت تیز بخار ہے، واپسی پر دوا لیتے آنا۔" کوثر نے پریشانی سے کہا بلال کو بھی تشویش ہوئی۔

"آپ نے رات کو کیوں نہیں کہا؟ میں رات ہی لے آتا، ابھی مجھے اذان کے لیے دیر ہو رہی ہے واپسی پہ لیتا آؤں گا۔ آپ منی کا خیال رکھنا۔ اللہ نگہبان۔" اتنا کہہ کر وہ مسجد کے لیے چل پڑا۔ سارے راستے وہ منی کے لیے فکر مند ہوتا رہا۔

اضطراری حالت میں وہ دوا کا کہہ تو آیا تھا لیکن خالی جیب پر ہاتھ پڑتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔ مہینے کے آخری دن چل رہے تھے، جیب میں چند دس کے نوٹ ہی پڑے تھے۔ اذان کے بعد آج نماز پڑھ کے وہ دیر تک اپنی بچی کے لیے دعا گو رہا۔ اسے دوا سے زیادہ دعا پر یقین تھا۔

بلال نے اپنی بچی کی سلامتی اور صحت یابی کے لیے ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں اور اللہ پہ بے پناہ یقین سے ان کی قبولیت کا مان لیے محلے کے بچوں کو سپارہ پڑھانے چل پڑا۔ گھر واپس آنے تک شام ہو گئی تھی۔

اپنی پوری زندگی دین میں ڈھال کر وہ اکثر رشتوں سے غافل ہو جاتا تھا۔ بچپن سے آج تک اپنی ہر سانس میں دین کو پرو دیا تھا، اسکول چھوڑ کے وہ ہوسٹل میں رہا۔ پھر حفظ کی سند کے بعد عالم کی سند لی۔ ماں بیمار ہو کے چل بسی، ابا بھی چلے گئے۔ لیکن وہ اللہ کی راہ میں ایسی تکلیفوں کو برداشت کر کر کے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ بنتا گیا۔ سب کچھ پا کر وہ اپنے اسی محلے کی ٹوٹی پھوٹی مسجد کا امام بن کر اسے سنوارتا رہا۔

ثریا ڈھائی سال قبل اس کی زندگی میں آئی تھی، وہ آپا کی نند تھی۔ رشتے کی بات آپا کے سسرال والوں نے ہی کی تھی۔ بلال حد درجہ شریف اور نیک انسان تھا۔ نظر جھکا کر ہر کسی سے ملنے والا، کم گو مولوی بلال محلے کی سب سے معزز شخصیت تھی۔

مولوی بن کر دین کی خدمت کا بیڑہ تو اٹھا لیا لیکن شادی کے بعد منیرہ (منی) کی پیدائش سے زندگی کی گاڑی کھینچ تان کر گزر رہی تھی۔ کوئی ہنر یا دنیاوی تعلیم نہیں تھی کہ کسی نوکری کی امید ہی ہوتی۔

اس کی زندگی تو بس مسجد سے گھر تک کی تھی۔ کچھ لوگ ماہانہ بطور نذرانہ اسے کچھ نہ کچھ رقم دیتے تھے جس سے زندگی کے شب و روز گزر رہے تھے۔

آج وہ اپنی بچی کو اس حال میں تڑپتے دیکھ کر اسے پتہ چلا تھا کہ اذیت کیا ہوتی ہے۔ اللہ کی راہ میں اس نے خود کو وقف کر دیا تھا مگر آج وہ بے بس سا خود کو اس منجدھار پر کھڑا پا رہا تھا۔ جس کے ایک طرف جان سے پیاری بیٹی اور دوسری جانب اللہ سے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ وہ جب بھی سوچتا دل کے ترازو میں تولتا، تو دونوں پلڑے برابر ہی ہوتے۔ بارہا اللہ کی محبت کو بیٹی کی محبت پہ حاوی کرنا چاہا مگر نادارد۔

اولاد سب کچھ نہیں مگر سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ محبت فطری تھی، وہ چاہ کر بھی بیٹی کے پیار کا پلڑا ہلکا نہیں کر پایا تھا۔

"منی کی طبیعت بہت خراب ہے بلال! یہ صرف موسمی بخار نہیں رہا اب...... اگر خدانخواستہ منی کو کچھ ہو گیا تو......" بات پوری کرنے سے قبل انتہائی ضبط سے آنسوؤں کو چھپاتی لبوں سے بے اختیار سسکی نکلنے پر وہ منی پہ دوپٹے کا پلو رکھ کر تیزی سے بلال کے سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ ان کے

سامنے بے صبر ماں نہیں بن سکتی تھی۔

اور اب وہ باپ بن کے سوچ رہا تھا...... مولوی بلال پس پشت کھڑا تھا۔ بہت دور...... بیٹی کی تپتی پیشانی کو بار بار چھوتے اس کی حدت کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ آنسوؤں کا گلیشیئر یک دم پگھلا تھا اور بہت سارا پانی آنکھوں کے راستے آبشار بن کے گرا تھا۔ دل و دماغ پہ ثبت صبر و استقامت کی ساری آیتیں ایک ایک کر کے ڈھلتی چلی گئیں۔

''ڈاکٹر صاحب! میری بچی بہت بیمار ہے، اسے بچا لیں۔'' اندھیری رات تھی بہت اندھیری۔

وہ آج سارا دن مسجد بھی نہ جا سکا تھا۔ منی کی طبیعت حد درجہ ابتر تھی۔ میڈیکل اسٹور سے لائی گئی دوا سے بھی کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ رکشہ کر کے ڈاکٹر جاوید کو بلانے آ گیا تھا۔

''آپ اسے یہ دوا پلا دیں ضرور بہتر ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ! فکر نہ کریں یہ موسمی بخار ہے۔'' آرام سے کہہ کر انھوں نے دواؤں کا بیگ اٹھا لیا۔

''لیکن ڈاکٹر صاحب!'' بلال مضمحل سا کھڑا ہاتھ میں پکڑی دوا کو دیکھنے لگا جو ایک ہفتے سے وہ منی کو دے رہے تھے اور پھر بھی افاقہ نہ ہوا تھا۔

''کیا ہوا مولوی صاحب؟'' ڈاکٹر انہیں وہیں کھڑے دیکھ کر حیران ہوا۔

''اگر آپ میرے ساتھ گھر چل کے منی کا معائنہ کر لیتے تو...... اس پہ یہ دوائیں اثر نہیں کر رہیں۔'' اس کے لہجے میں بے بسی کی انتہا تھی۔

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ دعا سے نہیں دوا کے آسرے پر یہاں آیا تھا۔ خدا سے نہیں انسان سے مدد کی توقع کی تھی، یہ سب پہلی بار ہوا تھا۔

''گھر......؟ گھر جانے کی فیس ہے، اگر آپ کے پاس ہو تو چلیں۔'' ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا تو بلال چونکا۔

''پیسے؟ ابھی نہیں چند دن تک فیس ادا کر دوں گا ان شاء اللہ! بس ڈاکٹر صاحب ایک بار میری بچی کو دیکھ لیں۔'' وہ لجاجت سے منت کرنے لگا۔

''معذرت خواہ ہوں مولوی صاحب۔ میرا اصول ہے فیس کی ادائیگی سے قبل میں علاج معالجہ یا مریض کو گھر دیکھنے نہیں جاتا۔ آپ کو تو پتہ ہے کتنی مصروفیات ہیں، آج کل کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔ ہمہ وقت کی مصروفیت، مریضوں سے اتنی فرصت نہیں مل پاتی کہ گھر جا کر مریض پرسی کروں۔ یہ جو دوائیاں دی ہیں اسے صبح شام باقاعدگی سے دیں بچی ٹھیک ہو جائے گی۔ اس دوا کا کوئی بل نہیں۔ آپ نماز میں ہمارے امام ہیں اتنا تو حق ہے آپ کا ہم پہ۔'' خوش دلی سے کہہ کر وہ مسکرائے۔ بلال کو لگا وہ اس کی بے بسی کا تمسخر اڑا رہے ہوں۔

''آج بھی ہر ماہ کی طرح میں نے مسجد کے باکس میں دو ہزار کا چندہ ڈالا ہے، آپ بس دعا کیجیے گا۔ شب بخیر۔'' ڈاکٹر نے جلدی جلدی کہہ کر اگلے مریض کو اطلاعی گھنٹی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ اب

وہ جا سکتا ہے۔ وہ سن سا وجود لیے باہر آ گیا۔

سوچوں کا ایک سمندر اس کے اندر موجزن تھا۔ وہ دوراہے پہ کھڑا تھا اور اسے ایک راستہ منتخب کرنا تھا۔ برائی یا اچھائی کا راستہ۔ وہ جتنا سوچتا جاتا تھا اتنا الجھتا جاتا تھا اور پھر آخر کار اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔

اگلی رات وہ مسجد میں جا کر اس کا چندے کا باکس کھول رہا تھا۔

''یا اللہ! ساری عمر کی ریاضت ہے، خود کو تیرے لیے وقف کیا، اپنی ساری زندگی تیری خوشنودی اور رضا کے لیے گزار دی۔ تجھ سے ہی مدد کا طالب ہوں میری بچی کو بچا لے۔ اے میرے مالک! تیرے بندوں کے لیے رات کی نیند، دن کا چین قربان کیا، ان کے دل میں میرا احساس جگا دے۔ اے میرے مالک! میں شرمندہ ہوں۔ میرے اس قبیح فعل سے تو مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ مگر اے بندوں کے مالک! کاش! تو میرے دل میں اولاد کی محبت و شفقت نہ ڈالتا تو آج میں اس آزمائش سے نہ گزرتا۔ میں اپنی بچی کو سسکتے بلکتے موت کے پل صراط پر سے گزرتے کیسے دیکھوں؟ میرے مالک میں بہت بے بس ہوں۔ مجھے معاف فرمانا۔ بس میری بچی ٹھیک ہو جائے میں خائن نہیں ہوں۔'' آنسو ٹپ ٹپ گرتے مولوی بلال کے ملیح چہرے کی داڑھی بھگو رہے تھے۔

کانپتے ہوئے ہاتھوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ چندے کے باکس کا قفل کھولتے وہ کس جاں کنی کی اذیت سے گزر رہا تھا۔ اندر دو ہزار ہزار اور چند سو سو کے نوٹ اور سکے پڑے تھے۔ آنسوؤں سے تر چہرے پر بے دردی سے ہاتھ پھیر کر اس نے باکس میں پڑے پیسے سمیٹے اور اس کے قدم ڈاکٹر کے کلینک کا راستہ ناپنے لگے۔

کچھ ہی دیر میں وہ ڈاکٹر کے ساتھ اپنے گھر کی جانب رواں تھا۔

''ثریا! ثریا! دیکھو میں ڈاکٹر صاحب کو لے آیا۔'' گھر کے پٹ کو عبور کر کے وہ سرخوشی کے عالم میں چلایا تھا۔ سانس دھڑا دھڑ دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

ہر سو خاموشی چھائی تھی...... گھپ اندھیرا......

گھمبیر خاموشی...... موت کی خاموشی......

کمرے میں قدم رکھتے ہی سامنے کے منظر نے اس کے حواس معطل کر دیئے؛ دل گویا دھڑکنا بھول گیا؛ خاموش دل، خاموش حواس۔

یک بارگی کسی نے دل کو آہنی پنجے میں جکڑا تھا۔ وہ تڑپ کر منی کے ساکت وجود سے لپٹ گیا۔

''میری جان!'' وہ بس اتنا کہہ پایا۔

دل کر رہا تھا ماتم کرے، چیخ چیخ کر روئے لیکن اندر لفظوں کی بازگشت کا ایسا شور بپا تھا کہ وہ اف تک نہ کر سکا۔

ثریا اب بیٹی کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی لیکن بلال ساکت و جامد، منجمد برف

کے مجسمے کی طرح پتھرائی آنکھوں سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے روپوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے اسے لگا جیسے ہاتھ میں دوزخ کے دہکتے انگاروں کا ٹکڑا ہو۔

وہ بھاگتا ہوا باہر آیا تھا، بہت سی آوازیں تھیں جو اطراف سے اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔

"اور جو امانت میں خیانت کرتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں......!! اور جو خیانت کرتے ہیں اللہ ان سے اپنی امانت چھین لیتا ہے۔" تیز تیز اٹھتے قدموں میں ایک پتھر حائل ہوا تھا، وہ منہ کے بل گر پڑا۔

"اور جنہوں نے نافرمانی کی وہ خلقت میں منہ کے بل گر گئے۔" آنسو تھے؛ درد تھا؛ ندامت تھی؛ توبہ کا احساس تھا۔ وہ اٹھ کے دھیمے قدموں سے مسجد میں داخل ہوا۔

"اور توبہ کرنے والوں کے لیے رحمتِ الٰہی کا در ہمیشہ وا رہتا ہے...... اور وہ اللہ ہی ہے جو دنیا و آخرت میں سب سے بڑا منتظر ہے اپنے بندے کا؛ اس کی توبہ کا؛ اس کے غلط راستے سے صراطِ مستقیم تک آنے کا۔ اور جب اللہ تمہیں تمہاری لغزش پہ توبہ کی توفیق دے تو کہہ اٹھو اور تم اپنے رب کی کون کون سے نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" بلال آنسوؤں سے تر بتر چہرے کے ساتھ سجدہ ریز ہو گیا۔ گڑگڑا کر؛ فریادی بن کر اپنے رب کو منانے لگا۔

"اور وہ اللہ ہی ہے جو اپنے در پہ آئے سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔"

"یا اللہ! میں بہت شرمندہ ہوں۔ بہت بہت شرمندہ۔" وہ زاروقطار رونے لگا۔

"میری بچی کا دکھ میرا کلیجہ چیر رہا ہے؛ دل ماتم کناں ہے؛ آنکھیں نم ہیں؛ دل غمگین ہے مگر اے اللہ! ہم زبان سے وہی کہیں گے جس سے تو راضی ہو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ہم تیرا ہی حکم مانتے ہیں؛ تیری ہی رضا پہ راضی ہیں۔ بس تو ہم سے راضی ہو جا۔ بے شک ہم ظالموں میں سے ہیں۔ ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔" (الرحمن، ۲۶، ۲۷)

وہ سجدے میں اللہ کو منا رہا تھا۔ باہر ٹپ ٹپ بارش کی بوندیں گرنے لگیں اور بارش تو رحمتِ خداوندی ہے۔ جب وہ برستی ہے تو رب کی ساری ناراضگی دھل جاتی ہے۔ بلال مسجد کے صحن میں کھڑا رب کی برستی رحمت میں لمحہ لمحہ بھیگنے لگا۔ پچھلی خطا دھلنے کے بعد ہی وہ اپنے رب کے سامنے جائے گا اسے یقین تھا پورا یقین۔ وہ رب ہی ہے جو اپنے بندے کا یقین کبھی نہیں توڑتا۔

ٹھوکر لگی ہے ایسے پورا بکھر گیا ہوں
سجدہ کیا ندامت کا، پھر سے سنبھل گیا ہوں

☆......☆......☆

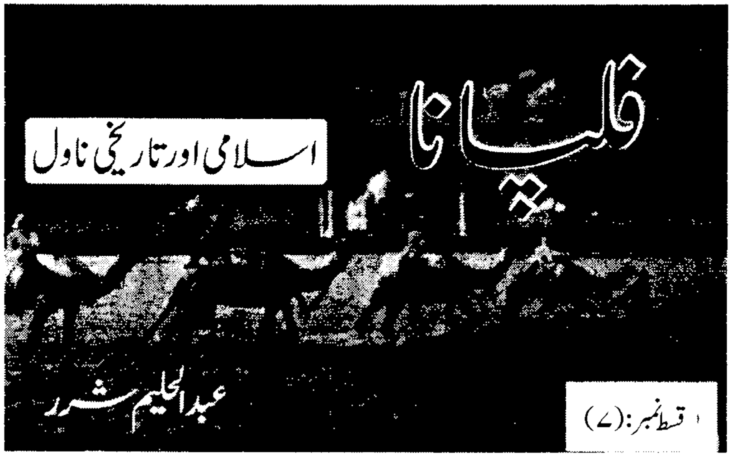

یہ کہتے وقت ابن زبیر نے دیکھا کہ میسرہ کی فوج کو مسیحی لوگ دباتے اور پیچھے ہٹائے لئے چلے جاتے ہیں، بلکہ معرکہ آرائی اور روکنے میں کئی بہادر سپہ گرانِ اسلام شہید ہو گئے فوراً تکبیر کہہ کے ادھر گھوڑا بڑھایا اور ایک ہی حملہ میں چلاتے اور للکارتے ہوئے فوج کے آگے تھے۔

یہاں تو یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر زینب جسے اس موقع پر ہمیں زبیر ہی کے نام سے یاد کرنا چاہیے بڑی مصیبتوں سے اور بہت سے مسیحوں کو چیرتی پھاڑتی اور انہیں کی زبان میں انہیں اپنی طرف سے اطمینان دلاتی ہوئی اُس مقام کے قریب پہنچی جہاں شاہزادی فلپانا تھی لیکن وہ ایسے زبردست سواروں اور ہشیار جانبازوں کے جھرمٹ میں تھی کہ کسی ایسے شخص کا جو خاص عربوں کی وضع ولباس میں ہو اس کے قریب پہنچنا غیر ممکن تھا۔ جدھر سے بڑھنے کا قصد کرتی تھی روکی جاتی تھی۔ اسی فکر میں تردد میں تھی کہ ناگہاں ایک پری وش شہسوار نے آ کے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

اخاہ۔ زینب، خوب آئیں۔

زینب: کون؟ شاہزادی! آپ اور یہاں اور وہ کلغی دار خود پہنے ہوئے کون ہے؟ میں انہیں کو شاہزادی جانتی تھی اور گھنٹہ بھر سے پاس جانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر کوئی جانے نہیں دیتا۔

فلپانا: ہاں شاید تمہیں نہ معلوم ہوگا اچھا الگ چلو تو بتادوں۔

یہ کہہ کے شاہزادی نے زینب کا ہاتھ پکڑ لیا اسے سپہ گروں اور دلاوروں کی بھیڑ سے باہر نکال لے گئی اور جب دیکھا کہ اب قریب کوئی نہیں ہے تو بولی:

زینب! میں نے آج یہ تدبیر کی ہے کہ جوزفینا کو اپنے کپڑے پہنا کے اور اپنے گھوڑے پر سوار کرا کر فوج کی سرداری پر مقرر کر دیا ہے اور ہلینا

سے کہہ دیا ہے کہ اس گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہے اور اس کی حفاظت کرے اور خود آزادی وجوش سے فوج کر لڑ رہی ہوں۔ مگر یہ مسلمان بھی بلا کے لڑنے والے ہیں۔ یہ لوگ تو کسی طرح مغلوب ہوتے ہی نہیں، میں تو اس بات کو مسیح کی بڑی مہربانی خیال کرتی ہوں کہ ہمارے لوگ اب تک مقابلہ کر رہے ہیں ورنہ مجھے ان سے امید نہ تھی۔ ہاں زینب! یہ تو بتاؤ کہ کیا خبریں ہیں؟ اور تم نے عربوں کا لشکر گاہ میں رہ کے کیا کیا؟

زینب: اور سب باتیں تو بعد میں کہوں گی مگر پہلے یہ سن لیجئے کہ آج دوپہر کی لڑائی ختم نہ ہوگی۔

فلپانا (حیرت سے): اس کے کیا معنی؟ کیا مسلمان دھوپ اور لُو میں برابر لڑتے رہیں گے؟ مجھے تو یقین نہیں آتا۔

زینب: یقین جانیے کہ آج تیسرے پہر کو سخت لڑائی ہوگی۔ مسلمانوں نے یہ تدبیر کی ہے کہ آدھی فوج کو میدان میں لائے ہیں اور آدھی خیموں میں مسلح اور تیار بٹھا رکھی ہے جو انتظار کر رہی ہے کہ حکم ہوتے ہی نکل پڑے۔

فلپانا: بڑا غضب ہوا۔ ہمارے پاس اور کوئی فوج نہیں ہے اور یہ لوگ دوپہر تک مقابلہ کرنے بعد ایسے تھک جائیں گے کہ ان سے ایک گھڑی بھر مقابلہ کرنا بھی غیر ممکن ہے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ہلینا اور جوزفینا بھی فوج سے نکل آگئیں۔ جلو کے سواروں کو ہٹا دیا اور شاہزادی کو پریشان و متفکر دیکھ کے پوچھنے لگیں:

کیوں خیریت ہے؟

فلپانا نے اس کے جواب میں اصلی حال بیان کیا اور بولی:

اب تو مجھ سے کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی میرے ہاتھ پھولے جاتے ہیں۔

جوزفینا: غنیمت سمجھیے کے پہلے سے معلوم ہوگیا ورنہ اگر خبر ہی نہ ہوتی تو قیامت ہوگئی تھی۔

فلپانا: اور کیا اب قیامت نہیں ہے؟

ہلینا: دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہم دوپہر کے بعد اپنے قلعہ میں چلے جائیں اور قلعہ بند ہو کے لڑیں اور یا جس طرح ممکن ہو لڑائی ختم ہونے سے پہلے چند روز کیلئے صلح کر لیں۔

فلپانا: قلعہ بند ہو کے لڑنا بالکل بے سود ہے۔ ہمارا قلعہ بس نام ہی کو قلعہ ہے، اس قابل نہیں کہ اس میں اطمینان سے بیٹھ کے مقابلہ کیا جا سکے۔ مسلمان ایک ہی دن میں اندر داخل ہو جائیں گے۔ اگر قلعہ میں کچھ جان ہوتی تو ہمیں یہ روزروز آکے مقابلہ کرنے کی زحمت کیوں اُٹھانی پڑتی؟ باقی رہا صلح کرنا، اس کو مسلمان کیوں ماننے لگے؟ وہ ہرگز نہ منظور کریں گے۔

ہلینا: تو ایک کام کیجئے۔ آدھی فوج کو اسی وقت میدان سے ہٹا لیجئے تاکہ انہیں ستانے اور آرام کرنے کا تھوڑا بہت موقع مل جائے۔ شاید دو گھنٹہ دم لینے کے بعد وہ کچھ مقابلہ کر سکیں۔

فلپانا: ہاں یہ ایک بات البتہ کام کی ہے مگر اس میں اور بہت بڑا اندیشہ ہے۔

جوزفینا: وہ کیا؟

فلپانا: اس وقت جبکہ زور وشور سے جنگ مغلوبہ ہو رہی ہے اگر تھوڑے آدمی بھی پیچھے ہٹے تو سب کو یقین ہو جائے گا کہ شکست ہوگئی اور پھر سب کا اس طرح قدم اُکھڑے گا کہ کسی کے روکے نہ رک سکیں گے۔ بڑی خرابی ہوئی میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے جاتے ہیں۔

زینب: شاہزادی جلد کوئی بندوبست کیجئے ورنہ سمجھئے کہ آج ہی قیامت ہوگئی۔ دوپہر کو زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ باقی ہیں۔ ایک گھنٹہ بھی اور گزر گیا تو پھر معاملہ اختیار سے باہر ہو جائے گا۔

فلپانا: اور اب بھی معاملہ اختیار سے باہر ہے۔

اتنے میں ابن زبیر اور ان کے چند پر جوش رفقا نے مسیحی فوج پر اس جوش اور بے جگری سے حملہ کیا کہ بہت سے مسیحیوں کو کاٹ کے ڈال دیا اور ان کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے اور ان کے معرکہ آرا نبرد آزماؤں کو درہم برہم کرتے ہوئے اندر گھسے اور لشکر کے ایک بہت بڑے حصہ کو مار کے اور ہٹا کے بلکہ قریب قریب شکست کے اس مقام پر جا پہنچے جہاں یہ چاروں عوتیں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ ان کو آتے دیکھ کے جوزفینا نے ایک چیخ ماری اور کہا:

شاہزادی! جلدی بھاگو۔ دشمن آپہنچے۔

زینب نے جو ابن زبیر کی صورت دیکھی تو ہوش وحواس جاتے رہے اور حد سے زیادہ بدحواسی کے ساتھ بولی:

شاہزادی: یہی وہ نوجوان ہے جو آپ کے شمع رخسار کا پروانہ ہے۔

لیکن جب تک یہ جملہ ختم ہوا ہو، ابن زبیر پاس آپہنچے تھے۔ یہاں اپنے رقیب اور دوست زہیر کو دیکھ کے ایک سناٹے میں آگئے۔ دل میں کہا:

یہ شخص یہاں کیونکر پہنچا؟ اور یہ مسیحیہ شاہزادی تک اس کی کیونکر رسائی ہوگئی؟

یکا یک شاہزادی فلپانا جسے وہ اپنے خیال میں اور اس کی ظاہری وضع سے شاہزادی کی سہیلی سمجھے ہوئے تھے، عجب طیش کے ساتھ ان کے سر پر آپہنچی اور تلوار کا وار کیا، ابن زبیر نے پھرتی کے ساتھ تلوار کو ڈھال پر لیا اور سنبھل کے کوشش کی کہ اس عورت کو ٹال کے جوزفینا کے پاس پہنچیں جو شاہزادی طرابلس بنی ہوئی ہے۔ لیکن اس میں کامیابی مشکل تھی۔ فلپانا کے وار بچاتے ہوئے آگے بڑھے اور زینب کے پاس تک پہنچنے پائے تھے کہ چاروں طرف سے مسیحی لشکر نے یورش کی۔ تینوں لڑکیاں اپنے سواروں میں غائب ہوگئیں۔ ابن زبیر نے گھبرا کے چاروں طرف دکھا شاہزادی فلپانا کا کوئی پتہ نہ تھا۔ مگر اس کی وہ سہیلی جس نے اُن پر وار کیا تھا تلوار ہلا ہلا کے اپنے بہادروں کو گھیر

کے مار لینے پر آمادہ کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے چند مسلمان دلاوروں کو بھی دیکھا جو اُن کے ساتھ لڑتے لڑتے یہاں تک آ پہنچے تھے اور جن میں سب کے آگے آگے مصری مسلمان اسقلیبیوس تھا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی ابن زبیر نے اشارہ کیا کہ یہ شخص جو مسلمانوں کے لباس میں پاس ہی کھڑا ہے اُسے گرفتار کر لو اور خود نعرۂ تکبیر بلند کر کے دشمنوں پر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ اگلے سوار ہٹتے ہٹتے پچھلوں پر جا پڑے۔ گھوڑے بھڑکے اور اُن کے بھڑکنے سے ہمارے شریف نوجوان قریش کو موقع مل گیا کہ جس طرح یہاں تک آیا تھا اسی طرح سب کو مار کے ہٹاتا اور چیرتا پھاڑتا اپنے لشکر کو نکل گیا اور اس کے پیچھے پیچھے وہ لوگ بھی چلے گئے جو اس کے ساتھ یہاں تک آئے تھے اور جنہوں نے زینب کو گرفتار کر لیا تھا۔

مسیحی بے شک زینب کو چھڑا لیتے اور یوں ان کے مجمع میں سے اُسے گرفتار کر کے نکال لانا غیر ممکن تھا مگر سبب یہ ہوا کہ طرابلسی لوگ اسے اپنی طرف کا آدمی نہیں خیال کرتے تھے۔ وہ عربوں کے بھیس میں تھی اور عرب جو اُسے اپنے درمیان میں کئے ہوئے لئے جاتے تھے تو انہیں خیال ہوا کہ اپنے کسی دوست اور عزیز شخص کو ہماری زد سے بچاتے ہوئے لئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے صحیح و سالم نکل آتے ہی پھر معمولی قسم کی لڑائی ہونے لگی۔ ابن زبیر کے جسم اور چہرے پر کئی زخم آئے تھے مگر انہیں ان زخموں کی پروا بھی نہ تھی، دشمنوں کے نرغے سے نکلتے ہی انہوں نے زہیر کو سامنے بلوایا۔ اسے گھور کے غضب ناک تیوروں سے دیکھا جن کی تیز نگاہوں کی تاب لانا ایک عورت کیلئے غیر ممکن تھا۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں اور نوجوان و فیاض شہسوار عرب نے کہا:

''اچھا سمجھا جائے گا''۔

یہ کہہ کے دو سواروں کو بلا کے کہا:

اس شخص کو ہمارے خیمے میں لے جا کے رکھو اور چاروں طرف پہرہ مقرر کر دو کہ باہر نہ نکلنے پائے۔ اگر یہ غائب ہو گیا جوابدہ ہو گے اور تمہاری جان کے سوا اس کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔

لوگ زینب کو تو اُدھر لے گئے جس کی آنکھوں کے سامنے موت پھر رہی تھی اور اسقلیبیوس نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا:

اس سے کیا قصور ہوا؟ آپ کے اس غلام کو بھی تو کچھ معلوم ہو۔

ابن زبیر جب خیمے میں اطمینان سے بیٹھوں گا اور اپنا شک اچھی طرح مٹا لوں گا اس وقت بیان کر دوں گا۔ مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ بغیر اچھی طرح دریافت کئے کسی پر کوئی الزام لگا دیا جائے۔

اب آپ میرے زخم باندھ دیجئے خون نکلنے سے ناتوانی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسقلیبوس نے فوراً اپنا عمامہ پھاڑ کے ان کے

زخم باندھے اور کہا:

تو اب بہتر ہوگا کہ آپ خیمے واپس تشریف لے چلیں۔

ابن زبیر: اے برادرانِ عجم! یہ زخم کوئی چیز نہیں جب تک جان میں جان ہے میں جہاد فی سبیل اللہ سے نہ تھکوں گا۔ یہ تو خفیف سے زخم ہیں اگر میں زمین پر زخموں سے چور اور بے حس و حرکت پڑا ہوتا تب بھی میں یہی چاہتا کہ میدان میں پڑا رہوں اور عرصۂ جنت ہی میں دم نکلے، ہم لوگوں کی دعا اور آرزو ہے کہ قیامت کے دن ہمارا حشر درندوں کے پیٹوں اور مُردار جانوروں کے پوٹوں سے ہو۔

یہ کہہ کہ جانباز بہادروں کی طرف توجہ کی اور ہر طرف اپنے جوانمردوں کی شجاعت سے لڑتے دیکھ کے کہا:

الحمدللہ کہ ہمارے لوگ ہر طرف مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہیں اور باوجود یہ کہ تھک گئے ہیں مگر نہایت ہی اطمینان و بے نفسی کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ دیکھو وہ میمنہ پر عبداللہ ابن ابی سرح اپنی جان لڑائے دیتے ہیں، میسرہ اور قلب پر دیگر ناموران، عرب جانبازی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔

یہ کہتے ہی کہتے دل بھر آیا اور ہاتھ اُٹھا کے کہا:

''خداوند! ان کے استقلال و شجاعت کی داد دے، اپنے فرشتوں کی فوج کو ان کی تائید پر بھیج اور ہمیں بہت جلد فتح عطا کر۔''

یہ کہہ کے تکبیر کہی اور جوش و خروش سے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔

شاہزادی فلپانا حملہ کو روک کے اور ابن زبیر کے ہاتھ سے نکل گئی تو جاتے ہی اصلی حال اپنے باپ سے بیان کیا اور کہا:

جلدی کوئی بندوبست کیجئے ورنہ دوپہر کے بعد کچھ بنائے نہ بنے گی۔ پھر بولی مجھے بڑا صدمہ ہے کہ بے چاری زینب مسلمانوں کے ہاتھوں میں پھنس گئی۔ اُن کو اُس پر بدگمانی ہو گئی اور بدگمانی کے ساتھ ہی وہ اسے گرفتار کر کے ہماری فوج میں سے نکال لے گئے۔

مگر گریگوری عربوں کی اس چالاکی کا حال سُن کے اس قدر گھبرا گیا تھا کہ زینب کا اُس نے خیال بھی نہ کیا اور بولا:

معلوم ہوتا ہے مسیح نے ہم لوگوں کو چھوڑ دیا اب اس وقت اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

فلپانا: کسی طرح آدھی فوج کو علیحدہ کر کے پیچھے ہٹائیے کہ ذرا دم تو لیں۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہے مگر اس طرح ہٹانا چاہیے کہ جو لڑ رہے ہوں انہیں شکست کا گمان نہ ہو ورنہ وہ بھی بھاگ کھڑے ہوں گے اور اسی وقت شکست ہو جائے گی۔

گریگوری نے یہ تدبیر سنتے ہی تیس سواروں کو

بلا کے حکم دیا کہ فوراً چاروں طرف دوڑ کے تمام افسروں کو حکم دو کہ جس وقت میں جھنڈا بلند کر کے ہلاؤں اور زور زور سے باجے بجیں سب پورے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹیں مگر اپنے ساتھیوں کو یہ یقین دلا دیں کہ آدھ میل تک ہٹ کے زور وشور سے دوبارہ حملہ کیا جائے گا۔ اور جب پوری وسعت تک سمٹ آئیں تو ان کی نصف فوج پلٹ کے حملہ کرے اور عربوں کو جہاں تک بنے پس پا کرے اور نصف فوج اپنی جگہ ٹھہری رہے۔

سوار اس حکم کی تعمیل کیلئے روانہ ہوئے اور اس نے بیٹی کی طرف دیکھ کے کہا:

شاید اس طریقے سے کسی قدر کامیاب ہو جائیں۔

فلپانا: بس یہی تدبیر تھی اور یہ تدبیر آپ کے ذہن میں آئی ہے تو مجھے یقین ہے کہ مسیح ہماری مدد بھی کریں گے۔

یہ کہہ کے فلپانا نے پھر چاروں طرف گھوڑا بڑھا بڑھا کے لوگوں کے حوصلے بڑھائے اور اس کی ہدایت کے مطابق جوزفینا جسے سارا لشکر خود شاہزادی سمجھ رہا تھا چلا کے بولی:

بہادرو! اب کی ہم ایک دفعہ پیچھے ہٹ کے ایک بہت ہی زور وشور کا اور جن ستان حملہ کریں گے۔ اپنی جانیں دو اور ملک کیلئے صرف کرو۔ بہادری وشجاعت کا جوہر دکھاؤ۔ تمہاری اس جانبازی کا انعام میں ہوں اور اس کیلئے نہایت ہی شوق سے اپنا آغوش کھولے کھڑی ہوں جو ان وحشی لٹیروں اور گوشت خوار جانوروں کے سردار کا سر کاٹ لائے۔

اس کے پُرجوش الفاظ کا سلسلہ نہیں ختم ہونے پایا تھا کہ بہت ہی زور سے طبلِ جنگ بجا، جھانجھ اور نفیری کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ساتھ ہی گریگوری نے اپنا عقابی جھنڈا ہلایا اور تمام مسیحی سردارانِ فوج اپنے لشکر کو ترکیب اور باضابطگی کے ساتھ آہستہ آہستہ لڑاتے ہوئے پیچھے ہٹے اور یونہی تقریباً نصف میل تک طرابلسی لشکر کے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اتنی دور تک جانے کے بعد سردارانِ فوج کی روک تھام سے وہ رُکے۔ قدم جمایا اور دوبارہ طبل کی آواز سرداران کی للکار اور شاہزادی فلپانا کے گرجنے کی آواز سن کے اس طرح جان توڑ کے حملہ آور ہوئے کہ بہت دور تک مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا اور بغیر اس کے کہ کوئی مفرد اور خراب نتیجہ ظاہر ہونے پائے طرابلس کی آدھی فوج پیچھے ٹھہر گئی۔ ان لوگوں کو ابھی تک تو یہ خیال تھا کہ تھوڑی دیر ٹھہر کے ہم دشمنوں پر ایک اور سخت حملہ کریں گے اور کوشش کریں گے کہ انہیں مار پسپا کر دیں لیکن جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ عربوں نے آج آدھی فوج بچا رکھی ہے جو دوپہر کے بعد مقابلہ کرے گی اور انہیں اس سے لڑنا ہے تو بہت گھبرائے اور دل میں ڈرنے لگے کہ آج یہ دیکھئے کیا حشر ہوتا ہے۔

اگرچہ دفع الوقتی کا یہ ضعیف سامان گریگوری

نے کرلیا تھا مگر دل میں جانتا تھا کہ ان لوگوں سے جو دن کے ایک حصہ تک مقابلہ کر کے تھک چکے ہیں دو ڈھائی گھنٹے کے بعد پھر عربوں کی تازہ دم فوج سے لڑنا اور ان کے مقابل میں ٹھہرنا غیرممکن ہے، ان سب لوگوں کو فوراً اجازت دیدی گئی کہ آرام لیں اور لیٹ پوٹ کے دوپہر تک پھر تیار ہو جائیں۔ بایں ہمہ جس طرح آیندہ وقت کے خیال سے سپاہی سہم سہم جاتے تھے اسی طرح بادشاہ گریگوری بھی کانپ کانپ اُٹھتا تھا اور کوئی ایسی بات اس کے دل میں نہ آتی تھی جو ذرا تسکین بخش ہو۔

یکایک اس نے صلح کا طبل بجوایا اور مہلت کی بیرقیں اڑا دیں جن کو سنتے اور دیکھتے ہی دونوں طرف سپاہیوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لیے اور ایک دوسرے کے سامنے مرتب ہو کے خاموش کھڑے ہو گئے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

اب خود گریگوری، اپنی بیٹی فلپانا اس کی سہیلیوں ایک مترجم اور چند جلو کے سواروں کے ساتھ دونوں لشکروں کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ اس کے مترجم نے پکار کے کہا:

ہمارے بادشاہ آ گئے ہیں اور ایک ضروری معاملہ پیش کرنے کیلئے تمہارے سردار کو بلاتے ہیں۔

گریگوری کی درخواست پر عبداللہ بن ابی سرح، اور دو چار اور عرب سردارانِ عرب، ابن زبیر اور ان کا رفیق اسقلبیوس میدان میں آئے اور قریب آ کے ابن ابی سرح نے کہا:

کیوں کیا ہے؟ تمہاری خواہش کے مطابق میں موجود ہوں۔

اگرچہ یہ گفتگو مترجموں کی وساطت سے ہو رہی تھی مگر فضول تطویل سے بچنے کیلئے ہم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں گویا خود دونوں حریفوں میں بلاواسطہ ہو رہی ہیں۔

گریگوری: اے سردارِ عرب۔ ان بندگانِ خدا کو قتل ہوتے دیکھ کر میرا دل دُکھتا ہے کیا تمہارے دل پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

ابن ابی سرح: میں تو سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل پر بھی کچھ اثر نہیں ہوتا، ورنہ تم ان شرائط میں سے کسی کو ضرور منظور کر لیتے جو پہلے ہی دن ہماری طرف پیش کی جا چکی ہیں۔

گریگوری: ان شرائط کو دنیا کی کوئی سلطنت اور کوئی قوم جس میں ذرا بھی اپنی عزت کا خیال ہے ہرگز نہ منظور کرے گی۔ اتنے دنوں تک ہمارے بہادروں کی شجاعت اور مضبوطی کا اندازہ کر لیا ہوگا۔

ابنِ ابی سرح: اے شاہ طرابلس۔ ہماری شرطیں کوئی نئی شرطیں نہیں ہیں یہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے حکم کے بموجب شروع ہوئیں اور بغیر کسی کمی اور زیادتی کے آج تک جاری ہیں۔ یہی شرطیں کسرائے عجم کے سامنے پیش کی گئیں

تھیں۔ یہی قیصرِ روم کے مقابلہ میں قائم رہیں اور انہیں کے مطابق مصر میں عمل کیا گیا۔ ان شرطوں کا بدلنا حضرت رسالت مآب ﷺ کے اختیار میں تھا جو جوارِ الٰہی میں تشریف لے گئے اور اب ان کے بعد قیامت تک یہی شرطیں رہیں گی۔ اگر تمہیں ایمان لانا، جزیہ دینا قبول ہے تو ہم اسی وقت لڑائی کی کاروائی ختم کردیں گے۔ ورنہ تلوار موجود ہے۔

گریگوری: ان دونوں میں سے تو کوئی طرابلس والے میری زندگی میں نہیں منظور کرسکتے۔ ہاں میرے بعد جن شرائط پر چاہیں گے آپ سے صلح کرلیں گے، اچھا تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اور آپ کھڑے ہوکے مقابلہ کرلیں؟ اور ہماری آپ کی فتح وشکست پر دونوں لشکروں کا فیصلہ ہوجائے۔

ابنِ ابی سرح: مجھے اس میں تامل ہے۔

ابن زبیر: (جوش کے ساتھ): خدا کی قسم! ایسی نامردی کبھی کسی قریشی نژاد سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ تم نہیں تو میں اس فرمانروائے نصاریٰ کے مقابلہ کو موجود ہوں گریگوری کی طرف دیکھ کے گریگوری! دیکھ میں زخمی ہوں۔ بہت سا خون نکل گیا ہے اور تیرے مقابلہ کو موجود ہوں۔ اگرچہ میں مسلمانوں کا سردار نہیں مگر نسل وخاندان کے لحاظ سے اس سے کم بھی نہیں بلکہ مجھے یہ افضلیت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت رکھتا ہوں اور اس شخص کا بیٹا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کا حواری ہے۔

گریگوری نے حیرت سے ابنِ زبیر کی صورت دیکھی، فلپانا نے یہ سنتے ہی غور سے دیکھا۔

ابن زبیر کو پہچانا اور اپنی سہیلی ہلینا کے کان میں جھک کے کہا:

تم نے پہچانا۔ یہی وہ شخص ہے۔

ہلینا: (متحیر ہوکے): یہی؟ گر ہے بہادر اور شجاع۔

فلپانا: مگر کاش یہ اتنا بہادر ہوتا اور نہ ایسا خوشرو۔

ہلینا: کیوں؟

فلپانا: تاکہ کسی کو اس پہ ترس نہ آتا۔

ہلینا نے حیرت سے شاہزادی کی صورت دیکھی اور چپکے سے کہا:

آپ خاموش کھڑی رہیے دیکھئے وہ ہمیں بار بارکن انکھیوں سے دیکھنے لگتا ہے۔

گریگوری نے ابن زبیر کا مطلب معلوم کرکے ان کو غور سے دیکھا اور بولا:

اگرچہ تم شریف اور بہادر ہو۔ مگر تم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ سردار کے مقابل میں سردار ہی کو آنا چاہیے۔ اگر میں مارا گیا تو میری فوج بے افسر ہوکے تمہارے سردار کی اطاعت قبول کرلے گی اور اگر تمہارے سردار مارے گئے تو ان کی فوج میری تابع فرمان مطیع ہوجائے گی۔

ابن زبیر: قسم ہے رسالتِ محمدی ﷺ کی!

ایسا نہ ہوگا، تیرے بعد تیری فوج چاہے دشمن کے آگے سر جھکادے مگر مسلمان ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ وہ ابن ابی سرح کے بعد کسی اور کو اپنا سردار مقیم کریں گے اور لڑیں گے۔

گریگوری: خیر اگر تم مقابلہ نہیں پسند کرتے تو میں ایک دن کی مہلت مانگتا ہوں۔ اس زمانے میں تمہاری شرطوں پر غور کروں گا اور اپنے سرداروں سے مشورہ کروں گا۔ اگر انہوں نے منظور کرلیا تو صلح ہوجائے گی ورنہ پرسوں پھر لڑائی شروع ہوجائے گی۔

ابنِ ابی سرح لڑائی کو بہت طول ہوگیا ہے اور اب ہمیں جنگ کے ملتوی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گریگوری: یہ شریفانہ اصولِ جنگ کے خلاف ہے، بہادر نبرد آزما ہمیشہ ایسے موقعوں پر حریف کی درخواست قبول کرلیتے ہیں۔ شاید تمہیں یہ خیال ہوگا کہ آج تم نے آدھی فوج بچا رکھی ہے جس کو لے کے دوپہر کے بعد حملہ کروگے اور ہمیں غافل پاکے مغلوب کردوگے۔ مگر یاد رکھو کہ گریگوری غافل نہیں ہے۔ اس کی بھی آدھی فوج محفوظ ہے جو دوپہر کے بعد تم سے مقابلہ کرے گی اور تمہارے مکر کو تم پر ہی اُلٹ دے گی۔

ابنِ ابی سرح: مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہیں اس کی خبر ہوگئی ہے۔ لیکن خیر کوئی مضائقہ نہیں، تمہیں بھی تجربہ ہوجائے گا کہ ہوشیاری سے تم نے کیا فائدہ اُٹھایا؟

ابن زبیر: تو اے ابنِ ابی سرح! اب انکار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تم بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ آسانی کرو جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ آسانیاں کی ہیں۔

گریگوری: اس قسم کے تعلقات اور ایسی درخواستوں کا منظور کرنا دونوں حریفوں کیلئے ایک حد تک مفید ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ تم اس غلطی پر کسی وقت پچھتاؤ۔

ابنِ ابی سرح: خیر۔ میں تمہاری درخواست کو قبول کرتا ہوں اور کل شام تک تمہیں آزادی ہے۔ اُس وقت تک ہماری طرف سے کوئی حملہ نہ ہوگا۔

گریگوری: کل شام نہیں، پرسوں صبح تک۔ اور اس وقت تک صبح کو جبکہ ہماری آپ کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کے کھڑی ہوجائیں یہ معاہدہ ختم ہوگا۔

ابن ابی سرح: بہتر۔ پرسوں صبح تک سہی۔

اس گفتگو کے بعد دونوں سردار رخصت ہوکے جدا ہوئے اور ساتھ ہی دونوں لشکر بھی میدان سے واپس جانے لگے۔

اس مہلت نے گریگوری کی امیدیں تازہ کردیں اور اس نے واپس جاتے ہی بڑی خوشی کے سات شاہزادی فلپانا سے کہا:

بیٹی خدا نے بڑی مشکل سے آسان کردی۔ عرب لوگ مہلت منظور نہ کرتے۔ مگر جب انہیں

معلو ہوگیا کہ میں نے ان کے مکر سے واقف ہوں تو راضی ہوئے اور اب پرسوں صبح تک امن وامان ہے۔

فلپانا: بشرطیکہ وہ لوگ اس وعدے کے خلاف نہ کریں۔

گریگوری: اس کا خوف نہیں عرب لوگ اپنے عہد کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور آج تک ان کی طرف سے کبھی بدعہدی نہیں سنی گئی۔

حسن کی کرشمہ سازیاں!

اس معاہدہ کی خبر ہوتے ہی دونوں طرف کے نبرد آزما جنہیں بہت دنوں سے ستانے اور آرام لینے کی نوبت نہیں آئی تھی، شاداں وفرحاں، ہنستے کھیلتے اور خوشیاں مناتے ہوئے اپنی اپنی فرودگاہ گئے اور ہر شخص اپنے اپنے مذاق، اخلاقیات، عادات اور ذوق وشوق کے مطابق کسی نہ کسی کام میں مشغول ہوگیا۔ عربوں میں باہمی ضیافتوں کے سامان ہونے لگے۔ جابجا آگ سلگائی گئی اور اس پر ہرن اور بکریوں کے گوشت بھننے لگے۔ بعض لوگ تفریح کیلئے سمندر کے کنارے چلے گئے۔ جہاں مچھلیاں پکڑتے اور ساتھ مل کے لطف ومسرت کے ساتھ کھاتے تھے اور بعض گوہوں کے شکار کر نکلے جنہیں عرب بڑے مزے سے کھاتے تھے۔

اس التوائے جنگ سے سب کو خوشی تھی۔ ایک صدمہ تھا تو اُن گنتی کے چند بہادر نوجوانوں کو جو شاہزادی کے رخِ زیبا کے عاشق تھے۔ جن کو فراق یا محرومیِ قسمت کی ہر گھڑی پہاڑ تھی اور ایک ایک دن ایک برس کے برابر تھا۔ دوسرے دن لڑائی کا موقوف رہنا درکنار انہیں اسی بات کا افسوس تھا کہ آج کیوں قبل از وقت لڑائیں ختم ہوگئی۔ شاید آج ہی وہ دوپہر تک اور لشکروں کے جدا ہوتے وقت تک اپنی بہادری کا انعام حاصل کر لیتے۔ گریگوری آج کی لڑائی میں عموماً فوج سے پیچھے اور اپنی پری جمال بیٹی کی طرح زبردست شورما سپہ گروں کے جھرمٹ میں رہا تھا۔ اسلامی فوج کے کئی بہادروں نے دو چار مرتبہ کوشش کی کہ اس کے پاس جا پہنچیں اور نرغہ کر کے اس کا سر کاٹ لیں مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی اور بالکل شاہزادی فلپانا اگرچہ بہت بے جگری سے اور آزادی کے ساتھ اپنی صفوں سے بڑھ بڑھ کر جوان مردوں کو ابھارتی اور جوش دلاتی رہی مگر اس کے قریب تک کسی کی رسائی نہ ہوئی کیونکہ تمام دوست دشمن جوز فینا کو شاہزادی خیال کر رہے تھے جو ہر وقت لڑنے والوں کو پیچھے رہتی۔ اپنے آپ کو بچاتی اور مسلمانوں کے حملہ کے وقت سامنے سے ہٹ کے اپنے سپاہیوں کے جھرمٹ میں غائب ہوجاتی تھی۔

ابن زبیر نے خیمے میں پہنچتے ہی مشتبہ نوجوان عرب زہیر کو دیکھا جو ایک کونے میں خوف زدہ اور سہما بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اسقلیبیوس کی طرف دیکھ کے

جو اس کے ساتھ ہی خیمے میں داخل ہوا تھا، کہا:

مجھے نہایت ہی حیرت ہے کہ ہماری پوشیدہ کاروائی کی خبر گریگوری کو کیوں کر ہوگئی؟

اسقلیبیوس: معلوم ہوتا ہے کہ رات کو کوئی جاسوس آ کے ہماری تجویزوں کو دریافت کر لے گیا۔

ابن زبیر؟ یہاں کون آ سکتا تھا؟ مگر ہاں۔

یہ کہہ کے زہیر کی طرف غضب کی نظر سے دیکھا اور بولے:

تھوڑی دیر میں سب حال معلوم ہو جائیگا۔

پھر جب وہ کپڑے وغیرہ اتار کے اور ہتھیار رکھ کے اطمینان سے بیٹھ لئے تو زہیر کو اپنے سامنے بلایا اور کہا:

اپنا سچا حال بتاؤ کہ تم کون ہو؟ یہاں کیونکر آئے؟ کیوں آئے؟ اور کیونکر اس وقت شاہزادی فلپانا کے پاس جا پہنچے تھے؟ اور اس سے کیا باتیں کر رہے تھے؟

زہیر: (کانپ کے): میں تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ عرب ہوں اور شاہزادی کے رُخِ زیبا کا عاشق!

ابن زبیر: میں کہتا ہوں سچ سچ بتاؤ۔ ورنہ ہمارے یہاں جاسوس اور دغاباز شخص کی سزا قتل ہے۔

زہیر: اس سے زیادہ حال میں تنہائی میں عرض کروں گا۔ یہ تدبیر کہ میں کیوں کر شاہزادی کے پاس پہنچ گیا صرف آپ کو بتاؤں گا۔ ان کے چاہنے والے اور ان کے آرزومند بہت ہیں لہٰذا یہ ایسی تدبیر نہیں کہ سب کے سامنے بتادی جائے اور اس سے لطف اور فائدہ اُٹھانے کا سب کو موقع دے دیا جائے۔ ہاں آپ میرے محسن ہیں اور آپ سے مجھے بخل نہیں ہوسکتا۔

ابن زبیر: یہاں اسقلیبیوس کے سوا کوئی نہیں یہ میرے بہت بڑے خیر خواہ دوست ہیں ان سے میرا کوئی راز پوشیدہ نہیں اور نہ یہ فلپانا کے عاشق ہیں تمہارے اور میرے رقیب ہیں۔

زہیر: جو کچھ ہو۔ میں ان کے سامنے اپنا راز ظاہر نہیں کروں گا۔

مجبوراً ابن زبیر نے اسقلیبیوس کو ہٹا دیا اور اپنے غلام کو بلا کے حکم دیا کہ:

خیمے کے دروازے پر ٹھہرو۔ اور جب تک میں نہ اجازت دوں کسی کو اندر آنے نہ دینا۔

غلام یہ حکم سن کے باہر چلا گیا اور ابن زبیر نے سراپا راز نوجوان زہیر کے چہرے کو گہری اور مطالعہ کرنے والی نظر سے دیکھ کے کہا:

اب تو بتاؤ گے؟

زہیر: اے نوجوان عرب! پہلے یہ سن لیجئے کہ نہ مجھے آپ سے رقابت ہے اور نہ مجھے آپ سے رقابت کی کوئی وجہ ہے۔ اس لیے کہ میں مرد نہیں بلکہ ایک عربیہ عورت ہوں۔

ابن زبیر نے نہایت حیرت سے دیکھا:

عورت؟

زبیر: جی ہاں! میں ایک غسانیہ عورت ہوں اور میرا نام زینب ہے۔ جب ملک شام پر آپ کا قبضہ ہوا تو اپنے چند عزیزوں کے ساتھ مصر میں چلی آئی۔ پھر جب مصر بھی آپ کے قبضہ میں ہوگیا تو وہاں سے بھاگ کے طرابلس میں آ کے پناہ لی۔

یہ حالات سن کے ابن زبیر پہلے تو انتہا سے زیادہ متحیر تھے۔ پھر چہرے پر کسی قدر ندامت طاری ہوئی کہ میں اس وقت تک نہیں پہچان سکا کہ یہ مرد نہیں بلکہ ایک عورت ہے اور آخر میں یہ ندامت غصہ سے بدل گئی۔ چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور ڈپٹ کے کہا:

تو اے مکار عورت! تو کافروں کی طرف سے جاسوسی کرنے کو یہاں آئی ہے؟

زینب: بے شک میں جاسوسی کرنے کو آئی ہوں اور میں نے جاسوسی کی بھی۔ یہ بھی میں نے شاہزادی کو بتایا کہ آج آپ کی فوج دوپہر کے بعد مقابلہ کرے گی۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے میری جاسوسی اسی غرض کیلئے تھی کہ آپ کو فائدہ پہنچاؤں۔

ابن زبیر: (برہمی و اشفتگی کے ساتھ): مجھے تجھ سے کیا فائدہ پہنچے گا۔

زینب: ذرا آپ غصہ کو فرو کریں اور جو میں کہوں اسے اطمینان سے سُنیں، اس لیے کہ میرے پاس بہت سی باتیں ہیں جو آپ کے لیے انتہا سے زیادہ دلچسپ ہوں گی اور اسی سبب سے میں نے آپ کے اُن دوست کے سامنے راز افشا کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لئے کہ وہ راز میرا ہی نہیں بلکہ اصل میں آپ کا ہے اور آپ کا اختیار ہے کہ چاہیں اسے نہ ظاہر کریں یا کسی پر ظاہر کردیں۔

ابن زبیر: (متانت سے) خیر بتاؤ وہ کیا راز ہے؟

زینب: میں شاہزادی فلپانا کی ایک ہمدم وہمراز خادمہ ہوں اور اُن کا کوئی راز نہیں جو مجھ سے مخفی ہو۔ آپ نے جیسے ہی کل آ کے لڑائی کا رنگ بدل دیا اور وہ اشتہار جو ہمارے بادشاہ گریگوری کی طرف سے دیا گیا تھا اسے انہیں پر الٹ دیا تو بادشاہ گریگوری نہایت ہی حیران وپریشان ہوئے اور ان کا بھی ارادہ ہوا کہ آپ کے امیر الجیش کی طرح قلعہ میں چھپ کے بیٹھ رہیں۔ مگر شاہزادی نے انہیں مجبور کرکے باہر نکالا اور وعدہ کیا کہ میں خود آپ کی حفاظت کروں گی۔

ابن زبیر: واقعی یہ بڑی ہی ذہین اور عقلمند لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اگر گریگوری میدان میں نہ آتا تو آج ہی ہم نے عیسائیوں کو شکست دے دی ہوتی مگر نہیں۔ اس کی فوج کا یہ سارا استقلال اس کی بیٹی کی وجہ سے ہے۔ مجھے بڑا اشتیاق ہے کہ ایک دفعہ پاس سے اطمینان کے ساتھ اور جی بھر کے اس کی صورت دیکھوں۔

زینب: اور ایسا ہی شوق انہیں آپ کے دیکھنے کا ہے۔

ابن زبیر: (مسکرا کے اور تعجب سے): انہیں میرے دیکھنے کا اشتیاق! وہ مجھے کیا جانیں؟

زینب: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا نام چھپا ہوا ہے؟ ہماری فوج کا ہر ہر سپاہی آپ کو جانتا ہے بلکہ ایک ہی دن میں سب آپ کو پہچان گئے ہیں، قلعہ کی تمام عورتوں میں آپ کا تذکرہ ہو رہا ہے اور سب آپ کی صورت دیکھنے کے شائق ہیں۔ یہ قصہ تمام لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے کہ مدینہ سے دس بار نوعمرو نوخیز شرفائے عرب شاہزادی فلپانا کے نام پر عاشق ہو کے آئے ہیں جن میں سب سے زیادہ بہادر، فیاض، خوبصورت اور شریف النسل آپ ہیں۔ یہ اوصاف سن کے وہ آپ کے دیکھنے کی بے حد مشتاق ہیں۔

ابن زبیر: میں نے تو آج میدانِ جنگ میں بہت کوشش کی کہ اُن کے پاس تک پہنچوں مگر نہ پہنچ سکا اور جب قریب پہنچا تو ایک بہادر عورت نے، جو غالباً اس کی سہیلی تھی، روکا اور جب تک اسے ہٹا کے آگے بڑھوں، شاہزادی نظر سے غائب ہوگئی۔

زینب (مسکرا کے): یہ بھی آپ کو دھوکا ہوا۔ آج لڑائی میں شاہزادی فلپانا نے یہ ہوشیاری کی تھی کہ اپنے کپڑے پہنا کے اور اپنی وضع میں اپنی ایک سہیلی کو، جس کا نام جوز فینا ہے فوج کی سرداری پر مقرر کردیا تھا۔ اور خود اپنی کسی سہیلی کی طرح لوگوں کو بڑھ بڑھ کے لڑاتی اور حوصلہ دلاتی تھی۔ شاہزادی وہ نہ تھی جس کو آپ شاہزادی خیال کرتے ہیں بلکہ وہ شاہزادی تھی جو آپ کے سامنے آ کے بار بار کہتی تھی اور جسے آپ اس کی کوئی سہیلی بتا رہے ہیں۔

ابن زبیر: وہ تو نہیں جس نے بڑھ کے مجھ پر تلوار کا وار کیا تھا؟

زینب: ہاں ہاں وہی۔ مگر آپ کو وہ پہچانتی نہ تھی۔ اگر ذرا بھی آپ پر انہیں آپ کا گمان ہوتا تو مقابلہ کرنے سے پیشتر آپ سے دو ایک باتیں ضرور ہی کرتیں اور آپ کی صورت کو غور سے دیکھتیں۔ مگر اُس وقت نہ مجھے اتنی جرأت ہوسکی کہ دوڑ کے انہیں بتاؤں اور نہ ان کے پاس کوئی اور ذریعہ آپ کے پہچاننے کا تھا۔ آپ نے مجھے گرفتار کرلیا اور وہ لوگوں کو آپ پر ابھار کے غائب ہوگئیں۔ اس لئے کہ انہیں آج کل سب سے زیادہ فکر اپنے بچانے کی ہے اور ڈرتی ہیں کہ ایسا نہ ہو مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائیں اور جس انعام سے ہمارے بادشاہ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں وہ آپ کے قبضہ میں ہوجائے۔

ابن زبیر: اگر مجھے ذرا بھی خبر ہوتی کہ وہ ہیں تو میں اُن کے وار کو ڈھال پر لے کے ان کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ میں تو سمجھا ہوا تھا کہ شاہزادی ابھی مجھ سے دور ہیں۔ اسی دھن میں میں نے ان کا خیال بھی نہیں کیا پھر؟

ان باتوں سے زینب کی غرض یہ کہ ابن زبیر کا غصہ بالکل فرو کر کے بجائے دشمن کے انہیں اپنا دوست بنا لے۔ محبت کے جذبات کو وہ خوب سمجھتی تھی اور اُسے یقین تھا کہ یہ باتیں ابن زبیر کی آتش غضب پر پانی کا کام دیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن زبیر کی اب یہ حالت ہے کہ گویا بالکل بھول گئے ہیں کہ جس عورت سے باتیں کر رہے ہیں وہ ان کے دشمنوں کی جاسوس ہے اور شاہزادی فلپانا کے حالات کو نہایت دلچسپی اور محویت کے ساتھ یہ کرید کر پوچھتے اور سُن رہے ہیں جب انہوں نے ''پھر'' کہا اور زینب نے دیکھ لیا کہ ان پر اس کا جادو چل گیا ہے تو بولی:

مجھے رات شاہزادی فلپانا نے بھیجا تھا اور خاص آپ کے پاس بھیجا تھا۔

ابن زبیر (چونک کے): میرے پاس کس لئے؟

زینب: اصل یہ ہے کہ وہ یہ تو اچھی طرح سمجھ گئیں ہیں کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے طرابلس کا بچنا غیر ممکن ہے۔ ایک نہ ایک دن مسیحیوں کو شکست ہوگی اور آپ غالب آئیں گے ابھی سے قلعہ کی فوج میں بد دلی پیدا ہو چلی ہے اور بعض لوگ بادشاہ گریگوری کے نہایت مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں فتح کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ شاہزادی کو یہ بھی یقین ہے کہ وہ بھاگ کے بھی آپ سے نہیں بچ سکتیں اور اگر خودکشی نہ کر سکیں تو مسلمانوں کی لونڈی ہوں گی۔ اس انجام کو سوچ کے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم جا کے مسلمانوں میں رہو۔ دیکھو کہ کون کون لوگ میرے خواستگار ہیں وہ سب کون ہیں؟ کیسے ہیں؟ اپنی فوج میں کس رتبہ کے ہیں؟ اور صورت شکل میں کیسے ہیں؟ اس کے بعد آپ کا نام لے کے کہا اُن کو دیکھ کے بتاؤ کہ حقیقت میں سب سے اچھے ہیں یا صرف مشہور ہے؟ اور اگر میری نظر میں آپ سب سے افضل ثابت ہوں تو انہوں نے خوب تاکید کر دی ہے کہ آپ سے میں دوستی پیدا کروں اور چند روز میں اندازہ کر لوں کہ فیاضی، شجاعت، مزاج، طبیعت، معاشرت، حسن و جمال اور خاندان کے اعتبار سے آپ کیسے ہیں؟ اور اپنے زمانہ قیام میں کس طرح جا کے آپ کو اُن سے ملا دوں تا کہ خود بھی آپ دیکھ لیں۔ بس اتنے مطلب کیلئے انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا ورنہ فوجی جاسوسی کیلئے اور بہت سے مرد موجود ہیں جن کو کوئی نہیں پہچانتا اور خود ہی جا کے راتوں کو ان سے تنہائی میں ملا کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

☆......☆......☆

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! چند سوالات پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

سوال: عرض یہ ہے کہ جسم کا کوئی حصہ عطیہ کرنا جائز ہے یعنی کہنا کہ میرے مرنے کے بعد میرے گردے یا میرا دل یا میری آنکھیں عطیہ ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: انسان کا اپنے اعضاء، کسی دوسرے انسان کو عطیہ کرنا خواہ زندگی میں ہو یا مرنے کے بعد جائز نہیں، اگر کسی نے ایسی وصیت کی تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ اگر شوہر فوت ہوجائے تو بیوی اس کا چہرہ دیکھ سکتی ہے یا نہیں، اسے غسل دے سکتی ہے یا نہیں، اسی طرح اگر بیوی فوت ہوجائے تو شوہر اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں اگر شوہر فوت ہوجائے تو بیوی کیلئے مرحوم شوہر کا چہرہ دیکھنا اور اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو اس کو غسل دینا دونوں جائز ہیں، اسی طرح اگر بیوی کا انتقال ہوجائے تو شوہر کا بیوی کو دیکھنا تو جائز ہے البتہ بیوی کو غسل دینا جائز نہیں تاہم اگر غسل دینے کیلئے کوئی عورت موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں شوہر بیوی کو صرف تیمم کروا سکتا ہے۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ کیا بیوی کیلئے اپنے

شوہر کے دوستوں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ وغیرہ لینا جائز ہے؟

جواب: شوہر کے دوستوں کا براہ راست دوست کی بیوی کو تحفے تحائف دینا جس میں دونوں کا آمنا سامنا بھی ہوتا ہو، ہرگز درست نہیں اس سے اجتناب لازم ہے، البتہ اگر تحفہ خرید کر دوست کو دیا جائے اور وہ اپنی بیوی کو دے دے اور دوست بیوی کے درمیان تعلقات قائم ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

☆......☆......☆

سوال: وتر کی نماز کا صحیح طریقہ کیا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے وتر کی دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا ہے پھر تیسری رکعت میں ثناء تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، پھر سورۃ پھر دعائے قنوت پڑھنی ہے اور ہاتھ نہیں اُٹھانے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں اگر دعائے قنوت نہ بھی پڑھی جائے تو نماز درست ہے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو دعائے قنوت ہم نماز وتر میں پڑھتے ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

جواب: فقہ حنفی کے مطابق وتر کی نماز تین رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا واجب ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ تینوں رکعات میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد کوئی سورۃ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات تلاوت کی جائیں اور تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اُٹھایا جائے اور پھر ناف کے نیچے باندھ لیا جائے اور اس کے بعد دعائے قنوت پڑھی جائے۔

نیز وتر کی نماز میں دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے، لہٰذا بھول کر نہ پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ وتر کی نماز میں کونسی دعا ہے جو پڑھی جائے، تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں البتہ احناف کے ہاں افضل دعا، ''اللھم انا نستعينك ونستغفرك...... الخ'' ہے۔

واضح رہے کہ وتر کی نماز کا بالا طریقہ احادیث سے ثابت ہے۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ عورتوں پر تراویح کی نماز واجب ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے ہاں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں پر تراویح کی نماز واجب نہیں ہے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو تراویح کا حکم دیا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بیس رکعت نماز تراویح بھی واجب نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہے، اس لئے بیس رکعت نہیں پڑھنی چاہیے۔

جواب: واضح رہے کہ مردوں اور

عورتوں پر تراویح کی نماز واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے باجماعت پڑھنا ثابت ہے اور ازواج مطہرات اور دیگر صحابیات سے بھی تراویح پڑھنے کا ثبوت کتب حدیث میں موجود ہے۔

نیز تراویح کی رکعات کی جو تعداد سنت سے ثابت ہے وہ بیس رکعت ہے اور نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ سے بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت کتب حدیث میں موجود ہے اور جمہور فقہاء کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ رفع یدین کی کیا حقیقت ہے کرنا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ ایک مولانا صاحب نے کہا ہے کہ میں باوضو ہو کر مسجد میں بیٹھا ہوں اور میرے ہاتھ میں قرآن ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی رفع یدین نہیں چھوڑا۔ اب میرا یہ بیان سننے کے بعد اگر کوئی رفع یدین کرے اور اس کو آخرت میں عذاب ہو تو میں اس کا عذاب خود اپنے سر لوں گا۔

جواب: نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کرنا چاہیے یا نہیں، اس پر فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، احناف کے راجح قول کے مطابق نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین نہ کرنا افضل ہے۔

البتہ یہ مسئلہ چونکہ افضل وغیر افضل ہونے کے اعتبار سے ہے اس لئے ایسے مسئلہ میں شدت اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو شخص جس مسلک کا پیروکار ہو وہ اسی مسلک کے حکم پر عمل کرے۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ کیا مووی بنانا جائز ہے؟ کیونکہ اس میں حرکت ہوتی ہے بخلاف تصویر کے کہ وہ بت کے مشابہ ہے، آج کل بہت سے علماء کرام کے بیانات کی مووی ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر لوگ لیل بناتے ہیں کہ مووی بنانا جائز ہے؟؟

جواب: ڈیجیٹل کیمرے سے ویڈیو بنانا شرعاً ویڈیو ہے یا نہیں، اس میں معاصر علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض علماء کرام ڈیجیٹل کیمرے سے بنائی ویڈیو کو شرعاً ویڈیو سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور بعض علماء کرام ڈیجیٹل کیمرے سے بنائی گئی ویڈیو کو شرعاً ویڈیو شمار نہیں بلکہ انہیں محض برقی لہریں قرار دیتے ہیں اور اس کی اجازت دیتے ہیں۔

نیز مذکورہ بالا تفصیل اس ویڈیو میں جس میں میوزک اور خواتین وغیرہ ناجائز امور نہ ہوں، اگر یہ امور ہوں تو بالاتفاق ویڈیوں بنانا ناجائز ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ آج کل مووی ویڈیو وغیرہ بنانے میں بہت سے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں اس لئے ویڈیو بنانے سے اجتناب

کرنا چاہیے۔

☆......☆......☆

سوال: عرض یہ ہے کہ ہم ایک اسلامک اسکول میں بطور ٹیچرز علوم دینیہ، اللغۃ العربیۃ، القرآن، الحدیث، السیرۃ والتفسیر خدمات انجام دے رہی ہیں اور اس ادارہ کی بنیاد کا مقصد عصری علوم کے ساتھ ساتھ حفظ القرآن اور علوم شرعیہ کی اسلامی ماحول میں ترویج واشاعت ہے لیکن...... کچھ معاملات میں یہاں خواتین کو مردوں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے، مثلاً: میٹنگ، ٹریننگ (Observation) وغیرہ براہ راست آمنے سامنے، اسی طرح یہاں مختلف تدریسی ورکشاپ میں خواتین اور مرد پارٹیشن میں ہوتے ہیں، مگر آواز کے پردے کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔

(۲) اسی طرح بڑی طالبات کو بعض علوم مرد حضرات پڑھاتے ہیں۔

(۳) غرضیکہ خواتین کیلئے مخصوص کی گئی جگہوں پر بھی آنا جانا ہوتا ہے، یاد رہے کہ یہاں (Observation) کا طریقہ کار یہ ہے کہ معلم/معلمہ کی (تدریسی) کلاس میں پڑھانے کا طریقہ، body Language، طالبات کے ساتھ رویہ، اندازِ گفتگو وغیرہ براہ راست معلم/معلمہ دیکھتے ہیں جس میں کبھی مرد حضرات خواتین کی کلاس کو Observe کرتے ہیں۔

آیا شریعت کی رو سے اسلامی ادارے میں ایسے اقدامات کا کیا حکم ہے؟

براہ کرم اس مسئلے کا جلد از جلد تسلی بخش جواب عنایت فرما کر سائلین اور سائلات کو مطمئن کیا جائے۔

(چند بہنیں کراچی)

جواب: سوالات کے جواب سے پہلے بطور تمہید کے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے اجتناب کیا جائے، خاص طور پر ایسا مشغلہ اختیار کرنا جس میں نامحرم خواتین و مرد حضرات کا مستقل میل جول ہو بغیر ضرورت کے جائز نہیں، لہٰذا اسکول کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ لڑکوں کیلئے الگ اور لڑکوں کیلئے مستقل الگ تعلیمی شعبے اور نظام قائم کرے، اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) خواتین و مرد حضرات کا آمنے سامنے بیٹھ کر میٹنگ کرنا، ٹریننگ حاصل کرنا، ورکشاپ کرنا قطعاً درست نہیں، ہاں اس کی جائز صورت یہ ہے کہ معلمات مکمل باپردہ ہوں، معلمین ومعلمات کے درمیان پردہ بھی حائل ہو، تو بقدر ضرورت بات چیت کرنے کی گنجائش ہے، ضرورت سے زائد بات چیت اور ہنسی مذاق سے مکمل اجتناب کریں۔

(۲) مرد حضرات اگر بڑی طالبات کو

پڑھائیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھیں:

۱...... طالبات مکمل باپردہ ہوں۔

۲...... سبق کے ہٹ کر بلاضرورت کوئی بات نہ ہو۔

۳...... بلاضرورت بات چیت اور ہنسی مذاق سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۳) معلمہ کی دوران تدریس یعنی کلاس میں پڑھاتے ہوئے اگر مرد استاذ کو کلاس میں جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یک دم کلاس میں نہ جائے بلکہ ان درج ذیل شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے کلاس میں جائے:

۱...... پہلے معلمہ کو متوجہ کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی چھوٹے بچے یا بچی کو بھیج کر پہلے معلمہ کو مطلع کرے، یا کلاس کے باہر جا کر زور زور سے کھنکھارے تاکہ معلمہ اپنے پردہ کا انتظام کرلے۔

۲...... بقدر ضرورت مختصر الفاظ میں کلام کرے، پھر جلد واپس آجائے وہاں پر بیٹھا نہ رہے۔

(۴) معلم کا معلمہ کی تدریسی کیفیت یعنی پڑھانے کا طریقہ، طالبات کے ساتھ رویہ اور اندازِ گفتگو وغیرہ کو دیکھنا قطعاً درست نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

خلاصہ:...... شریعت مطہرہ میں عورت کو اجنبی مردوں سے بات چیت کرنے کی اجازت نہیں، لیکن اگر ضرورت پیش آجائے تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ مختصر الفاظ بقدر ضرورت سخت لہجے میں بات چیت کرے اور گپ شپ وہنسی مذاق سے مکمل اجتناب کرے۔

ان مذکورہ بالا شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر نظام تعلیم کو برقرار رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور اگر ان شرائط میں سے کسی شرط کو چھوڑ دیا گیا تو ایسے مخلوط نظام تعلیم میں تدریس کرنا یا تعلیم حاصل کرنا قطعاً درست نہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:...... ''چوتھا حکم شریعت یہ ہے کہ کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس سے پردہ کے پیچھے سے بات کرسکتی ہے نامحرم کے روبرو آنا ناجائز وحرام ہے، جیسا کہ اسی سورت میں چند رکوع کے بعد یہ حکم ہے: (**واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء الحجاب**......الخ)۔

(تفسیر معارف القرآن: ۶/ ۲۵۷)

☆......☆......☆

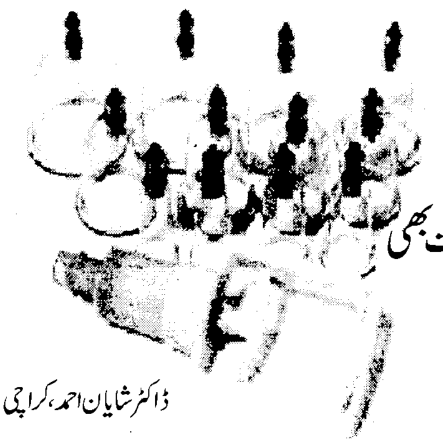

حجامہ

علاج بھی......سنت بھی

ڈاکٹر شایان احمد، کراچی

طب نبوی چار چیزوں کا مجموعہ ہے:

1..... وہ غذائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف امراض کے علاج کے لیے تجویز فرمائیں۔

2..... وہ دوائیں یعنی جڑی بوٹیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور علاج ثابت ہیں۔

3..... حجامہ یعنی فاسد خون نکلوانے کا عمل۔

4..... وہ دعائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً مختلف جسمانی و روحانی امراض کے علاج کے لیے تلقین فرمائیں۔

معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ہر گروہ نے عرض کیا کہ آپ اپنی امت کو حجامہ سے علاج کا حکم فرمائیں۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ”سب سے بہترین دوا جس سے تم علاج کروہ حجامہ لگوانا ہے۔“ (بخاری: 5797)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جس طرح ہمیں دین کے احکام ملے ہیں، اسی طرح طب میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مکمل راہ نمائی فرمائی ہے۔ موجودہ دور میں مغربیت کی یلغار کی وجہ سے جہاں اور شعبوں میں مسلمانوں نے غیروں کی روش اختیار کی وہاں طب کا انتہائی اہم شعبہ بھی متاثر ہوا اور ہم علاج کے سلسلہ میں بھی مغربیت کی تقلید کی وجہ سے اپنا قیمتی وقت اور پیسہ ضائع کرنے کے باوجود حقیقی شفا سے محروم رہتے ہیں۔

حجامہ ایک سنت علاج ہے، جس میں مختلف مقامات پر کٹ لگا کر جلد کی پہلی جھلی سے فاسد خون نکال کر کھانسی سے لے کر کینسر تک تقریباً تمام بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے، جسم میں فاسد مادوں کے جمع ہونے کی وجوہات میں دھواں، پانی، مشروبات میں موجود زہریلے کیمیائی مادے، مکانات کے قریب فیکٹریوں کا فضلہ، تمباکو والی اشیا، بازاری کھانے، ذہنی دباؤ، غصہ، گھبراہٹ وغیرہ ہیں۔ ان فاسد مادوں کی وجہ سے قوت مدافعت کمزور ہوجاتی ہے اور انسان مختلف امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حدیث نبوی کے مطابق ”حجامہ“ مردوں عورتوں کی 70 سے زائد بیماریوں کا موثر علاج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سچے فرمانِ عالی شان کے مطابق قدیم وجدید امراض مثلاً بلڈ پریشر، اٹھرا، شوگر، درد گردہ، موٹاپا، قبض، ٹینشن، خرابی خون، فالج، لقوہ، جوڑوں کا درد، ہمہ قسم درد، بے اولادی، مائیگرین، بواسیر، دمہ، لیکوریا، الرجی، خارش، مرگی، امراض معدہ، ہیپاٹائٹس، کینسر، ٹی بی وغیرہ جیسے موذی اور خطرناک امراض میں مبتلا ہزاروں مریض اس مبارک طریقہ علاج سے بحمد اللہ! شفایاب ہوچکے ہیں۔ مردانہ اور زنانہ پوشیدہ امراض کے لیے بھی یہ بے حد مفید ہے۔ صحت مند لوگ بھی اتباع سنت کی نیت سے حجامہ لگوا سکتے ہیں، کیوں کہ اس میں سو شہیدوں کے ثواب کے علاوہ بیماریوں سے روک بھی ہے اور اس سے طبیعت میں نشاط اور چستی بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ علاج ایسے فوری اثر کرتا ہے جیسے پھوڑے میں سے پیپ نکلتے ہی راحت ملتی ہے۔ ہر قسم کی بیماریوں کو جڑ سے نکال باہر کرتا ہے، چین کا یہ قومی علاج ہے، عرب ممالک اور دنیا کے کئی ممالک میں اس علاج کا رواج اور اہتمام ہے۔

حجامہ کے دوران طبیب کو ایسے غیر معمولی نتائج کا سامنا ہوگا کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھے گا کہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ غرض کئی سالہ تجربات کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ پر حق الیقین ہے کہ ”بہترین علاج جو تم کرتے ہو وہ حجامہ ہے“۔

چند واقعات و تجربات

☆.. ایک معمر بزرگ کا حجامہ اس حالت میں کرنے کا موقع ملا کہ موٹر سائیکل کے حادثے میں ان کی یادداشت بالکل ختم ہوچکی تھی اور ان کو پاگل پن کے دورے پڑتے تھے، پہلے حجامہ کے بعد پاگل پن کے دورے بالکل ختم ہوگئے اور دوسرے حجامہ کے آخر میں ان کی یادداشت ایسی واپس آئی کہ وہ کئی سالوں پہلے کے واقعات بھی سنا رہے تھے۔

☆..ایک صاحب شدید عرق النساء کے درد میں کلینک آئے۔ڈاکٹروں نے انہیں فوری طور پر آپریشن کے لیے کہا تھا اور وہ ہسپتال میں آپریشن کی فیس بھی جمع کروا چکے تھے۔بندے نے ان کا حجامہ کرنا شروع کیا۔جہاں جہاں حجامہ کرتا جاتا درد ختم ہوتا جاتا۔جب وہ اٹھے تو اپنے پیروں پر چل کر واپس گئے۔ایک دو اور وزٹ کے بعد وہ بالکل ایسے درست ہو گئے جیسے کبھی تکلیف ہوئی نہ ہو۔

حجامہ میں احتیاط

جسمانی امراض کے لیے حجامہ بھی دیگر علاجوں کی طرح ایک علاج ہے،جس میں معالج کو مکمل مہارت کے ساتھ ساتھ غذائے نبوی اور دوائے نبوی کی معلومات ہونی چاہیے،انگلینڈ میں پاکستان کی طرح حجامہ بہت عام ہوتا جارہا ہے۔لیکن صرف کوالیفائیڈ ڈاکٹرز کو حجامہ کرنے کا اختیار ہے،جب کہ ہمارے ہاں چوکیدار اور ڈرائیور قسم کے لوگ بھی حجامہ کر کے نوٹ چھاپ رہے ہیں۔اس لیے حجامہ کرانے سے قبل تسلی ضرور کر لی جائے کہ ڈاکٹر قابل ہو اور حفظان صحت کے تمام اصول وہاں لاگو ہوں۔اگر حجامہ حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق کروایا جائے تو کوئی مضر اثرات مرتب نہیں ہوتے۔دراصل حجامہ ایک صحت مند انسان کے لیے ہے،تاکہ اسے کوئی مرض نہ ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے Preventive Therapy کے طور پر متعارف کرایا۔اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سال میں متعدد مرتبہ بغیر کسی مرض کے حجامہ ثابت ہے۔حتیٰ کہ جادو جیسی موذی بیماری کی وجہ سے بھی علاج بالحجامہ اپنایا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہر مہینے حجامہ کرواتے تھے۔اسی طرح بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم جب محسوس کر لیتے کہ ان کو حجامہ کی ضرورت ہے تو فوراً حجامہ کروالیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر پچھنا(حجامہ) لگوایا۔(بخاری،ج2،ص:849)

اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں شدید درد تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے تھے اور روزے کی حالت سے تھے،ان سب قیود کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر درد کے علاج میں حجامہ ہی کو پسند فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک کے بلائی

حصہ کی ہڈی میں درد کی بنا پر پچھنے(حجامہ) لگوایا۔(ابوداؤد،ج2،ص:184)

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درد شقیقہ......یعنی آدھے سر کے درد...... جیسے میں حجامہ لگوانے کا مشورہ دیا...... جو شخص بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درد کی شکایت کرتا......حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حجامہ لگوانے کا حکم فرماتے۔

سوال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دردوں کے علاج میں حجامہ ہی کو کیوں پسند فرمایا؟ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم،علم وحی ہے اور یقینی ہے اور دوسرے تمام علوم ظنی ہیں،یعنی یا تو مشاہدے پر ہیں یا تجرباتی ہیں۔آج ایک تجربہ ہوا......کل دوسرے تجربے نے پہلے کی جڑ کاٹ دی۔

آج سے چودہ سو سال پہلے طبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم طب نبوی کے حوالے سے جو فرما کر اور عملی طور پر اپنا کر دنیا سے تشریف لے گئے......آج میڈیکل سائنس ان چیزوں کو ثابت کر رہی ہے۔چناں چہ جب عرب ممالک سے ترقی کرتا ہوا"حجامہ"دنیا کے ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک میں پہنچا تو طب کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔میڈیکل سائنس اپنی ترقی اور Celluler level تک ریسرچ کے باوجود دردوں کے علاج میں Painkiller(درد کم کرنے والی گولی) یا آخری درجے میں Steroid تجویز کرتی ہے جو گردوں اور جگر کے لیے انتہائی مہلک ہے......اس سے آگے کوئی شافی دوا جس سے درد ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے،اس سلسلہ میں میڈیکل سائنس کوئی شافی دوا،تجویز کرنے میں ناکام تھی......یہ بات سمجھ سے باہر تھی کہ درد کے مادہ،یعنی Pain toxins کو جسم سے باہر کیسے نکالا جائے جب مغربی ممالک میں حجامہ روشناس ہوا،ان کی عقلیں ٹھکانوں پر آگئیں کہ کیسے اتنے سادہ سے علاج سے،جس میں کپ یا گلاس کے ذریعے سک Suck یعنی کھچاؤ بنا کر جب باریک کٹ لگائے جاتے ہیں تو سارا درد کا مادہ باہر آجاتا ہے اور مریض چاہے عرق النساء کا ہو یا درد شقیقہ کا......چاہے جوڑوں کا درد ہو یا پٹھوں کا اسے فوری شفا ملتی ہے......

چناں چہ کئی غیر مسلم ممالک،مثلاً چین،برطانیہ،جرمنی،فرانس،امریکا وغیرہ میں ماہرین طب اور عام افراد دردوں کو دور کرنے کے لیے بہت تیزی سے حجامہ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں،بندہ کیوں کہ برطانیہ کی International Cupping Society کا ممبر ہے،اس لیے ان کی طرف سے آئے دن E-mail کا سلسلہ جاری رہتا ہے،بندہ کے اندازے کے مطابق ہر 100 دن میں برطانیہ میں ایک نیا

کپنگ سینٹر Cupping Center یعنی مرکز الحجامہ کا افتتاح ہوتا ہے۔

ایک عرصہ کے تجربات کی روشنی میں دردوں میں حجامہ کے ذریعے علاج کروانے والے مریضوں کو چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1...فوری درد یعنی Acate Pain کے کیسز (Cases) میں تین سے چار دفعہ اور پرانے دردوں یعنی Chronic Pain میں سات سے بارہ دفعہ میں عمومی طور پر مکمل شفا ہو جاتی ہے۔

2...حجامہ سے دو دن قبل تمام درد کم کرنے والی گولیوں کا استعمال ترک کردیں۔

3...کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ پہلے حجامہ کے بعد درد بجائے کم ہونے کے بڑھ جاتا ہے، اس میں پریشان نہ ہوں، بلکہ مستقل مزاجی سے حجامہ کرواتے رہیں۔

4... پرانے دردوں میں شروع کے ایک دو Sessions میں درد بالکل غائب ہو جاتا ہے، جس سے مریض یہ تصور کر لیتا ہے کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہو گیا لیکن چند دن بعد وہ درد دوبارہ عود کر آتا ہے، جس سے مریض مایوس ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد طبیب پر بھروسہ کرتے ہوئے پابندی سے حجامہ کرواتے رہیے، ان شاء اللہ شفائے کاملہ نصیب ہوگی۔

5...حجامہ سے درد کا مادہ نکل جاتا ہے لیکن دوبارہ وہ نہ بنے اس کے لیے بتائے ہوئے پرہیز پر سختی سے عمل کرنا ضروری ہے، حق تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے، یہ سنت علاج کروایا جائے تو ان شاء اللہ یقینی شفا کے ساتھ ساتھ ثواب بھی حاصل ہوگا۔

آیئے! ہم بھی یہ عہد کریں کہ غیروں کا طریقہ علاج چھوڑ کر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مبارک ارشادات (جو کہ دنیائے طب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں) کو اپنائیں گے، تاکہ علاج کے ساتھ ثواب بھی ملے اور جسمانی آرام کے ساتھ ساتھ روحانی سکون بھی حاصل ہو۔

☆......☆......☆

خواتین اسلام کی درخشاں تاریخ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات رنگ و بو کو مرد و عورت کے امتزاج سے رعنائی بخشی۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک روئے زمین پر کھربوں معاملات اور حالات پیش آئے ان میں جہاں مردوں کا کردار ہے وہی خواتین بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ زیر نظر تحریر میں خواتین کی عبادت، ذہانت، بہادری، ان کے مفید مشوروں، دانشمندانہ فیصلوں، اللہ و رسول سے محبت، خواتین کی قربانیوں......کو موضوع سخن بنایا گیا ہے، جو آج کی خواتین کے لیے مشعل راہ ہے......حیا کی قاریات کے لیے اس نئے سلسلے کا آغاز کیا جارہا ہے۔

رابعہ بصریہ کا مقام عالی اللہ کے نزدیک

ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریہ کہیں جارہی تھیں کہ کسی نامحرم کو اپنے سامنے دیکھ کر اتنے زور سے خدا کے خوف سے گریں کہ ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اسی وقت آپ نے سر بسجود ہو کر عرض کیا کہ اے میرے مالک! خوف خدا سے میرا ہاتھ ٹوٹ چکا ہے، مجھے کوئی افسوس نہیں۔ میں تیری رضا چاہتی ہوں۔ چنانچہ ندائے غیبی آئی کہ اے رابعہ غمگین نہ ہو، عنقریب تجھے اپنے صبر و شکر اور حیا و خوف خدا کی وجہ سے وہ مرتبہ حاصل ہوگا کہ مقرب ملائکہ بھی تجھ پر رشک کریں گے۔ یہ سن کر آپ خوشی سے باغ باغ ہوگئیں۔

☆......☆......☆

حضرت رابعہ بصریہؒ کی دعا کا عجیب طریقہ

سجف بن منصورؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گیا۔ وہ سجدے کی حالت میں تھیں۔ جب انہیں میری موجودگی کا احساس ہوا تو اپنا سر اٹھایا تو ان کے سجدہ کی جگہ پانی کی طرح آنسو سے تر بتر تھی۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا۔ پھر پوچھا بیٹا کوئی کام ہے۔ میں نے عرض کیا میں سلام کرنے آیا ہوں سجف کہتے ہیں کہ یہ سن کر رابعہ بصریہ رو پڑیں۔ پھر کہا، اللہ تیرے عیبوں کو چھپائے پھر کچھ اور دعائیں دیں، پھر وہ نماز میں مشغول ہوگئیں اور میں واپس چلا آیا۔

(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)

حضرت رابعہؒ کی حالت

محمد بن عمروؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ حضرت رابعہؒ اس وقت ۸۰ سال

کی بڑھیا تھیں۔ میں نے آپ کے گھر میں دیکھا کہ چٹائی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور ایک ایرانی کنڈا کھڑا ہوا ہے جس کا قد دو ہاتھ کے برابر ہے۔ گھر کا پردہ کبھی بوری کا ہوتا اور کبھی کسی بہت بڑی چٹائی کا اور ایک لوٹا اور ایک مصلّٰی۔ یہ مصلّٰی ہی ان کا بچھونا تھا۔ جب وہ موت کو یاد کرتیں تو ان کے اعصاب پر رعشہ طاری ہو جاتا اور جب کسی قوم کو دیکھتیں تو انہیں عبادت کا حکم کرتیں۔

(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)

☆......☆......☆

حضرت رابعہ بصریؒ کا غذا

مسمع بن عاصم رباح قیسی فرماتے ہیں کہ ہم رابعہؒ کے پاس آئے۔ ایک آدمی ان کے پاس چالیس دینار لایا تھا۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کر لیں۔ حضرت رابعہؒ رو پڑیں اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا وہ جانتا ہے کہ میں اس سے دنیا کے بارے میں سوال کرتے ہوئے شرماتی ہوں حالانکہ وہ مالک ہے۔ بس کس طرح میں اس آدمی سے لے لوں جو آدمی مالک نہیں۔ یہ کہا اور اس تھیلی کو واپس کر دیا۔ **(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)**

☆......☆......☆

حضرت رابعہ بصریؒ کی چادر چور چوری نہ کر سکا

ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ کو تھکان کی وجہ سے نماز ادا کرتے ہوئے نیند آ گئی۔ اسی دوران ایک چور آپ کی چادر اٹھا کر فرار ہونے لگا لیکن باہر نکلنے کا راستہ ہی نظر نہیں آیا۔ لیکن چادر اپنی جگہ رکھتے ہی راستہ نظر آ گیا۔ اس نے بوجہ حرص پھر چادر اٹھا کر فرار ہونا چاہا تو پھر راستہ نظر آنا بند ہو گیا۔ غرض کہ اسی طرح اس نے کئی مرتبہ کیا اور ہر مرتبہ راستہ بند نظر آیا حتیٰ کہ اس چور نے ندائے غیبی سنی کہ تو خود کو آفت میں کیوں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ چادر والی نے برسوں سے خود کو ہمارے حوالے کر دیا ہے اور اس وقت سے شیطان تک اس کے پاس نہیں پھٹک سکا، پھر کسی دوسرے کی کیا مجال جو چادر چوری کر سکے؟ یاد رکھ، اگرچہ ایک دوست محوِ خواب ہے لیکن دوسرا دوست تو بیدار ہے۔

☆......☆......☆

حضرت سفیان ثوریؒ کو رابعہ بصریہؒ کی نصیحت

جعفر بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ آج ہمارے ساتھ اس عورت کے پاس چلو جو آدمی اس سے مل کر آتا ہے اس کو آرام نہیں مل پاتا۔ جب ہم حضرت رابعہؒ کے پاس آئے تو حضرت سفیانؒ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا، اے اللہ میں تجھ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت رابعہ

بصریہؒ رو پڑیں۔ حضرت سفیانؒ نے کہا، کیوں روتی ہو؟ اس پر حضرت رابعہ بصریہؒ نے کہا کہ تو نے مجھے رلایا ہے۔ حضرت سفیانؒ نے کہا، کیسے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ نے کہا کہ کیا تجھے علم نہیں کہ سلامتی دنیا اور اس کی چیزوں کو چھوڑنے میں ہے۔ تُو تو دنیا میں لت پت ہوا پڑا ہے۔ حضرت سفیانؒ نے ان کے سامنے کہا ،ہائے افسوس! اس نے کہا کہ جھوٹ نہیں بول۔ بلکہ ”قلت افسوس“ کہہ! اگر تجھے افسوس ہوتا تو تو عیش میں زندگی نہ گزارتا۔ **(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)**

☆......☆......☆

حضرت رابعہ عدویہ کا غیر معمولی آرام کرنا

عبدۃ بنت ابی شوال یہ رابعہؒ کی خادمہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ حضرت رابعہ عدویہؒ ساری رات نفل پڑھتی تھیں۔ جب صبح صادق نمودار ہوتی تو معمولی سا لیٹ جاتیں۔ جب صبح کی روشنی ظاہر ہوتی تو جلدی جلدی اٹھ کھڑی ہوتیں۔ گھبرائی ہوئی ہوتیں اور اپنے آپ کو کہتی تھیں کہ کب تک سوتی رہو گی اور کب جاگو گی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کی صبح جاگو۔ **(نفس مصادر)**

☆......☆......☆

حضرت رابعہ عدویہؒ کا زہد

سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ عدویہؒ سے ملاقات کی اور ان کی خستہ حالت دیکھی تو حضرت سفیان ثوریؒ نے کہا، اے ام عمرو میں آپ کا پراگندہ حال دیکھ رہا ہوں۔ اگر آپ فلاں پڑوسی کے پاس چلی جائیں تو آپ کی یہ حالت تبدیل ہو جائے۔ اس نے کہا، اے سفیان ثوریؒ جو تو میری بری حالت دیکھ رہا ہے، کیا میں اسلام پر نہیں ہوں؟ اسلام ایک ایسی عزت ہے جس میں ذلت نہیں۔ اسلام ایک ایسی دولت ہے جس میں فقیری نہیں۔ اسلام ایسا انس ہے جس میں کوئی وحشت نہیں۔ خدا کی قسم میں حیا کرتی ہوں کہ دنیا کا سوال اس کے مالک سے کروں (یعنی خدا سے) تو میں ایسے شخص سے کیونکر سوال کروں جو اس کا مالک نہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ کھڑے ہوئے اور کہہ رہے تھے، میں نے آج تک ایسا کلام نہیں سنا۔ **(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)**

☆......☆......☆

حضرت رابعہ عدویہؒ نے اپنے والد سے عجیب بات کہی

حضرت رابعہ عدویہؒ نے ایک مرتبہ اپنے والد سے کہا، اے میرے والد میں آپ کو حلال میں حرام نہیں ملانے دوں گی۔ آپ ہمیں حلال مال کھلائیں اور حرام کے لقمہ سے بھی ہماری حفاظت کریں۔ ان کے والد نے کہا کہ اگر حرام ملے تو پھر؟ رابعہ عدویہؒ نے کہا کہ دنیا میں بھوک برداشت کر لینا آخرت میں آگ پر صبر

کرنے سے بہتر ہے۔ (نفس مصادر)

حضرت رابعہ عدویہؒ پر اللہ کا خوف

حضرت عبداللہ بن عیسیٰ ایک روز حضرت رابعہؒ عدویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے چہرے پر ایک نورانی کیفیت طاری تھی۔ خوف خدا سے آنکھیں پُرنم تھیں اور ایک بوسیدہ سے بوریے پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔ ایک شخص نے ان کے سامنے قرآن پاک کی ایسی آیات کی تلاوت کی جس میں عذاب قبر کا تذکرہ تھا تو آنسو ٹپ ٹپ ان کی آنکھوں سے گرنے لگے پھر ایک چیخ بلند ہوئی اور بے ہوش ہوگئیں۔ مسمع بن عاصم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں چالیس دینار پیش کیئے اور کہا کہ آپ اس سے اپنی ضروریات پوری کیجئے۔ یہ سنتے ہی وہ رونے لگیں پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا، وہ خوب جانتا ہے کہ دنیا مانگتے ہوئے میں اس سے بھی شرماتی ہوں حالانکہ سب چیزیں اس کے قبضے میں ہیں پھر ایسے شخص سے کیسے لوں جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۴/۱۴)

☆......☆......☆

حضرت رابعہ عدویہؒ کو آخرت کا استحضار

رابعہ عدویہؒ ام الخیر کے حالات میں آتا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک دن کہا، ہائے غم! رابعہؒ عدویہ نے کہا کہ جھوٹ نہ بولو بلکہ کہو ہائے قلت غم! اگر تم زیادہ غم زدہ ہوتے تو سانس نہ لے سکتے تھے۔

وہ کہا کرتی تھیں کہ اپنی نیکیوں کو چھپا کر رکھو جس طرح برائیوں کو چھپاتے ہو اور فرمایا کرتی تھیں کہ جو میرے اعمال میں سے کچھ ظاہر ہو جائیں میں اس کو کچھ شمار نہیں کرتی۔ ایک دن حضرت سفیان ثوریؒ کو کہا کہ زندگی چند دن کی ہے۔ ان میں سے دن ختم ہو گئے امید ہے کہ باقی بعض بھی ختم ہو جائیں گے۔ جلدی جلدی اعمال کر لو۔

ابو سلمان ہاشمیؒ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، اور بہت سارے مال کا لالچ دیا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ کہ زہد ہی دنیا میں قلب و بدن کی راحت ہے اور رغبت راحت غم و حزن کا وارث بنا دیتا ہے۔ جب میرا خط آئے تو یہ تیرے لئے نصیحت ہے اور اپنے مرنے کے بعد کا سامان کر لے اور اپنے آپ کو وصیت کر لے اور اپنی نصیحت کو غیر کی طرف نہ کر اور دن کو روزہ رکھ اور افطاری کو موت کے دن پر رکھ۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ جتنی آپ نے مجھے پیشکش کی ہے اس سے کئی گنا دوں اور پلک جھپکنے کی دیر میں آخرت سے غافل ہو جاؤں۔ (صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)

☆......☆......☆

حضرت شعوانہؒ پر گریہ و زاری

یحییٰ بن بسطامؒ کہتے ہیں کہ میں شعوانہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور جو کچھ ان کی فریاد و زاری ہوتی اس کو دیکھا کرتا۔ ایک بار میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ جب یہ تنہا ہوں تو ان سے کہیں گے کہ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں۔

ہم ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر آپ اپنے نفس پر نرمی کریں اور اتنا نہ رویا کریں تو جو آپ کی مراد ہے اس پر یہ بات زیادہ مددگار ہوگی۔ وہ یہ بات سن کر رو پڑیں پھر کہا، میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے تن میں آنسو نہ رہے پھر خون رویا کروں یہاں تک کہ میرے کسی عضو میں ایک قطرہ خون کا باقی نہ رہے، مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے، میں کب روتی ہوں۔ اسی جملے کو بہت دفعہ کہا کہ میں کہاں روتی ہوں پھر بے ہوش ہوگئیں۔ (نزھۃ المجالس)

حضرت شعوانہ کا اللہ کے نزدیک خاص مقام

محمد بن معاذ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عابد عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوگئی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ تمام اہل جنت اپنے دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جنت والے کیوں کھڑے ہیں؟ مجھ سے کسی نے کہا کہ اس عورت کے انتظار میں کھڑے ہیں جس کے لئے جنتیں آراستہ کی گئی ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ عورت کون ہے؟ مجھ سے کسی نے کہا، ایک کالی لونڈی ایلہ کے لوگوں کی ہے جس کو شعوانہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا، وہ تو میری بہن ہے۔ میں اسی گفتگو میں تھی کہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوا میں اڑتی ہوئی آ پہنچی۔ جب میں نے اس کو دیکھا تو پکارا کہ اے بہن! تم تو مجھ سے محبت کرتی ہو اپنے رب سے دعا کرو کہ مجھ کو بھی تمہارے ساتھ ملا دے۔ انہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں آیا میری دو باتیں یاد کر لے:

اول تو یہ کہ اپنے دل میں ہمیشہ غم رکھنا۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھنا۔

(صفحات نیّرات من حیاۃ السابقات)

شعوانہؒ کی خدمت کی برکت سے۔

کردویہ بنت عمرو بصریہؒ شعوانہؒ کی خدمت کرتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کو ان کی خدمت سے کیا حاصل ہوا ہے تو جواب دیا کہ جب سے میں ان کی خدمت کرنے لگی ہوں میں نے دنیا سے محبت نہیں کی اور نہ میں نے رزق کے جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور نہ کسی دنیادار کی عظمت میری آنکھ میں آئی ہے کہ میں اس کی طمع کروں اور نہ کسی مسلمان کو ذلیل سمجھا ہے۔ (نفس مصادر)

جو اپنا کام نہیں، وہ بھی کرتے جائیے

ایک پینٹر کو ایک کشتی پر رنگ کرنے کا ٹھیکہ ملا۔ کام کے دوران اُسے کشتی میں ایک سوراخ نظر آیا اور اُس نے اس سوراخ کو بھی مرمت کر دیا۔ پینٹنگ مکمل کر کے شام کو اُس نے کشتی کے مالک سے اپنی اُجرت لی اور گھر چلا گیا۔

دو دن بعد کشتی والے نے اُسے پھر بلایا اور ایک خطیر رقم کا چیک دیا۔ پینٹر کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ اگلے دن اُس کے بچے بغیر اُس کے علم میں لائے کشتی لے کر سمندر کی طرف نکل گئے اور پھر جب اُسے خیال آیا کہ کشتی میں تو ایک سوراخ بھی تھا تو وہ بہت پریشان ہو گیا...... لیکن شام میں بچوں کو ہنستے مسکراتے آتے دیکھا تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے پینٹر سے کہا کہ یہ رقم تمہارے احسان کا بدل تو نہیں مگر میری جانب سے تمہارے لیے محبت کا ایک ادنیٰ اظہار ہے......

آپ کی زندگی میں بھی بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے کام آئیں گے جو آپ کے کام نہیں...... مگر وہ کام بھی کرتے جائیے...... نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی...... کسی نہ کسی کی زندگی بچاتی ہے...... کسی نہ کسی کی خوشیوں کا باعث بنتی ہے۔

(انتخاب: بشرا الاعثمان علی خبیر سعودی عرب)

☆......☆......☆

پاؤں اور جوتے

جوتے پاؤں میں پہنے جاتے ہیں...... بزرگوں کے پاؤں کی بھی عزت کرو کیونکہ انکے پاؤں بھی برکت والے ہوتے ہیں......

• علم والوں کے آگے فرشتے بھی جھک جاتے ہیں۔

بزرگوں کے پاؤں دبایا کرو کیونکہ علم والوں کے پاؤں دبانے سے علم کی اور علم والون کی قدر حاصل ہوتی ہے۔

علم کی اور دین کی سمجھ بوجھ اور محبت علم ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

علم دین والوں کے جوتوں کو کبھی پاؤں سے مت دھکیلنا بلکہ ہاتھ سے اٹھا کر سیدھا کرنا چاہیے۔

جو شخص بزرگوں کے پاؤں اور جوتوں کی عزت کرے گا اسکی دنیا و آخرت میں عظمت بڑھے گی اور جو شخص پاؤں سے دھکیلے گا وہ دین حق سے محروم ہو کر تباہ ہو جائے گا......!!!!!

(تحریر: ام التقی)

☆......☆......☆

ماہنامہ "حیا" کی کتابت کی سنجیدگی......

محترم قارئین! انسان کے رہنے کی دو جگہیں ہیں: ایک جگہ عارضی ہے اور دوسری جگہ دائمی ہے۔

ارشاد باری ہے: "**ویعلم مستقرھا ومستودعھا**" دائمی مستقر میں پھر دو مقام ہیں۔ ایک شہنشاہ کا مہمان خانہ ہے۔

ارشاد باری ہے: "**وسارعوا اِلی مغفوۃٍ مِن وبکم وجنۃٍ عوضھا السموت والاوض**"۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "**اُعِدت لِلمتقین**"۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "**مثل الجنۃِ التی وعِد المتقون**"۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "**اِن المتقین فی جنتٍ ونعیمٍ**"۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "**ولِمن خاف مقام وبہٖ جنتن**"۔

دوسرا جبار وقہار کا قید خانہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ونسوق المجرمین اِلی جھنم وودا**"۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "**فاما الذین شقوا ففی النار**"۔

ایک جگہ ارشاد باری ہے: "**الذی یصلی النار الکبوی**"۔ وغیرہ۔

آیات واحادیث کثیرا اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ جہاں فانی عمل کی جگہ ہے اور آخرت بدلہ کی جگہ ہے، جو شخص اس جہاں فانی میں اپنی خواہشات ولذات کو چھوڑ کر احکام الٰہیہ اور فرمان رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو جائیگا اس کیلئے آخرت میں جنت ہے۔ یہ جہان خواہشات پوری کرنے کی جگہ نہیں بلکہ ترکِ خواہشات کی جگہ ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ابن آدمی کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو دوسری وادی کی خواہش کرنے لگا ہے۔ اگر دو وادیاں سونے کی مل جائیں تو تیسری وادی کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی بھرے گی یا دوزخ کی آگ، دراصل جنت خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور رضامندی کا مظہر اتم ہے اور دائمی سعادت کی جگہ ہے اور خواہشات کی تکمیل کی جگہ ہے، ارشاد باری ہے:

''ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم''۔

تمہارے لئے جنت میں وہ ہوگا جس کی تم خواہش کروگے اور جو تم مانگو گے کیونکہ وہاں شہنشاہ کی مہمانی ہوگی۔ کیونکہ انسان فطرتاً لالچی ہے نفع بخش چیز کی طرف رغبت کرتا ہے لیکن بعض محدثین نے جنت کے عنوان پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں تاکہ انسان پڑھ کر سن کر آخرت کا طالب بن جائے لیکن چونکہ کتب احادیث اکثر عربی زبان میں ہیں جن میں عربی زبان کی وجہ سے عام آدمی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اس لئے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم نے بہت سی اصلاحی اور مفید کتب کا ترجمہ اردو میں کردیا ہے، یعنی کوئی مشکل زبان مثلاً عربی، پشتو، پنجابی، اور فارسی یا انگلش سے ہٹ کر آسان فہم قومی اردو زبان میں ہر خاص وعام کے استفادے کیلئے ''حیا'' طبع کردیا۔ اور مہر آپی کی روح کو ایصال وثواب بھی مل رہا اور موجودہ حیا حریم آپی صاحبہ کا اشتیاق بھی کامل ہوگیا، اگرچہ اس سے قبل بھی بعض رسائل طبع ہو چکے ہیں لیکن وہ سب میگزین ایسے جن کے صفحات بہت کم ہیں، لیکن مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے ماہنامہ ''حیا'' کو زبردست انداز میں شائع کیا۔

اہل تنقید حضرات توجہ کیجئے کہ اس میگزین سے ہر اہل علم وغیر اہل علم حضرات پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ محترم قارئین کرام! تنقیدی حضرات بھی بہت سے ہیں جن کے تنقیدی الفاظ سے دلوں میں گہرے چھید ہو جاتے ہیں وہ چھید کبھی ختم نہیں ہوتے۔ زخم اگرچہ مندمل ہو جاتا ہے مگر نشان تاحیات باقی رہتا ہے، میں ایسے حضرات کی خدمت میں عاجزانہ طور پر باادب طریقے سے عرض کرتی ہوں کہ محترم حضرات اس میگزین میں ہر ہر منفرد انداز کی باتیں درج ہیں اگر کہیں آپ کو کہیں اشکال یا عارضہ پیش آجائے تو میگزین میں تحریر کردہ نمبرز کو دیکھ کر علماء راسخین کی طرف رجوع فرما کر اپنے ذہنی شکوک

وشبہات کو دور فرمالیا کریں اور ساتھ ہی میں محترم المقام مفتی اعظم محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ کی انتہائی شکرگزار ہوں جنہوں نے مہر آپی کے بعد بھی اپنی مصروفیات کے باوجود بھی ''حیا'' کی مدیرہ ''حیا مریم'' کے سرپرست شفقت جاری رکھتے ہوئے حیا کو دو چاند لگادیئے اور ''ادارہ حیا اور نیشنل نیوز ایجنسی'' کی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے اصلاحی کہانیوں اور سلسلوں کو جاری رکھتے ہوئے زر کثیر خرچ کرکے حیا کو طبع کردیا۔ تمام قارئین کرام اور تنقید حضرات مجھ گناہ گار اور تمام معاونین حضرات کیلئے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمادیں اور اپنے قلوب کو صاف کیجئے۔ ایسے اسلامی میگزین کا بغور مطالعہ کرکے جتنا ہو سکے پھیلا کر اپنے تمام مرحومین اور اپنے لیے صدقہ جاریہ بنالیں، اور تمام امت مستقیم اپنالے کہ آپ کا بھی صدقہ جاریہ بن جائے گا اور کسی بہن بیٹی کی آبرو کی حفاظت کا سامان بھی ہوجائے گا اور ماہنامہ حیا طبع کرنے والوں کا مشن کامیاب رہے گا کہ ان کا یہ مشن جہادِ کامرانی کی راہوں پر گامزن ہے اور انشاء اللہ تاقیامت یہ سورج چمکتا رہے گا اور آپ سب کی دعاؤں کا ساتھ بھی رہے گا۔

(پیش کش: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

روشن باتیں

(۱)......کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل دکھانا ہے، چاہے وہ دل مومن کا ہو یا کافر کا۔

(۲)......شیخ سعدیؒ کا فرمان ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے ان لوگوں سے نفرت کرنے کا جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ میں مصروف رہتا ہوں ان لوگوں میں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

(۳)......انسان کی گفتگو سے ان کا وزن کیا جاتا ہے اور اس کے کردار سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔

(۴)......خوب صورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوبصورت ہے۔

(۵)......لوگ اس وقت ہماری قدر نہیں کرتے جب ہم اکیلے ہوں بلکہ لوگ اس وقت ہماری قدر کرتے ہیں جب وہ خود اکیلے ہوں۔

(6)......جب کوئی دوست آپ کو اپنا راز بتائے تو یہ سمجھ لو کہ اس نے اپنی عزت آپ کے حوالے کی ہے اس میں خیانت نہ کرنا۔

(7)......برے دوستوں سے بچو! ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا تعارف بن جائے۔

(8)......کبھی بھی اپنے چہرے سے غم ظاہر نہ ہونے دو کیونکہ اس سے دوست غمگین اور دشمن خوش

ہوتے ہیں۔

(مرسلہ: ہادیہ حبیب الرحمٰن)

☆......☆......☆

آزمودہ ٹوٹکے

(۱)......سفید بالوں کیلئے آلو کے خشک ٹکڑے ایک پاؤ، لوہے کے برتن میں آدھا کلو پانی ڈال کر ایک دن کیلئے رکھ دیں، دوسرے دن اس پانی کو لگائیں بال سیاہ ہو جائیں گے چند ہفتے یا چند مہینے ضرور آزمائیں۔

☆......☆......☆

حافظ صاحب کے غوطے

ایک نابینا حافظ صاحب کا قصہ مشہور ہے کہ بچوں کو بہت مارا کرتے تھے اور بعض اوقات یہ مار ظلم کی حد میں داخل ہو جاتی تھی، اُن کی اس عادت کی وجہ سے طلبہ اکثر ان سے نالاں ہی رہتے تھے۔ حافظ صاحب ذرا وہمی قسم کے آدمی تھے جس کی وجہ سے انہیں مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا، ایک مرتبہ سخت سردی کے موسم میں انہیں نہانے کا شوق ہوا، طلبہ کی مدد سے نہر تک پہنچے ٹھنڈے پانی میں ایک دو غوطے لگا کر باہر آئے، شدید سردی اور ٹھنڈے پانی نے حافظ صاحب کو حال سے بے حال کر رکھا تھا اور وہمی تو چونکہ تھے ہی، طلبہ سے پوچھنے لگے: ارے نالائقو! ذرا دیکھو تو جسم کا کوئی حصہ خشک تو نہیں رہ گیا؟ طلبہ نے بھی بدلہ لینے کی ٹھان رکھی تھی کہنے لگے: ''حافظ صاحب دایاں کندھا خشک رہ گیا ہے'' یہ سنتے ہی حافظ صاحب پھر نہر کے اندر! پھر باہر آئے اور پوچھا اور پھر بقول طلبہ جسم کا کوئی حصہ خشک، اور حافظ صاحب ایک اور غوطہ کیلئے تیار...... غرضیکہ جب تک طلبہ نے اپنے دل میں لگی ہوئی آگ کو بجھا نہیں لیا اس وقت تک حافظ صاحب کا غسل مکمل نہیں ہونے دیا۔ ظلم کا انجام برا ہوتا ہے اور وہم انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا مگر بعض لوگ اسے تقویٰ پر محمول کرتے ہیں اور اسے کمال سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ حضور ﷺ نے وضو کے اندر بے یقینی کو ''ولہان'' نامی شیطان کا وسوسہ قرار دیا ہے۔

(مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

پٹھانوں کی اذان

غلام اسحاق خان صاحب مرحوم چیئرمین سینٹ تھے، نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دی، چیئرمین صاحب نے فرمایا ''آذان ہو گیا اس لئے نماز کا وقفہ ہوگا نماز کے بعد اجلاس دوبارہ شروع ہوگا'' مولانا کوثر

نیازی مرحوم کھڑے ہوئے فرمانے لگے: ''چیئرمین صاحب! اذان مؤنث ہے اس لئے یوں کہیے: اذان ہو گئی'' غلام اسحاق خان صاحب پٹھان تھے، سمجھ گئے کہ مولانا صاحب تذکیر و تانیث کے حوالہ سے گرفت فرما رہے ہیں کہنے لگے مولانا صاحب پٹھان غیرتمند لوگ ہیں اس لئے ان کا اذان مذکر ہوتا ہے۔ سینٹ ہال زعفران زار ہو گیا اور تمام لوگ محظوظ ہوئے۔ (مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

ایک اندھے عاشق کا قصہ

ایک اندھا عاشق لڑکوں کو پڑھاتا تھا، ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچے کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی تھی، اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو اس سے محبت ہو گئی ہے، ایک روز اس نے لڑکے کے ہاتھ اسکی ماں کے پاس اظہارِ عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا، عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا، اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا، ان دونوں میں یہ طے ہو گیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چکھانا چاہیے اور اس کی صورت بھی تجویز کر لی گئی، اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کیساتھ بلوا بھیجا، حافظ جی وقت مقررہ پر پہنچ گئے، اتنے میں باہر سے آواز آئی کہ کواڑ کھولو، حافظ جی یہ سن کر گھبرائے گئے۔ عورت نے کہا گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں، تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو، حافظ جی نے ایسا ہی کیا۔ اس نے جا کر کواڑ کھولدیئے خاوند آیا، ملی بھگت تو تھی ہی، پوچھا یہ کون عورت ہے؟ کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بیوقت چکی پیس رہی ہے وہ خاموش ہو رہا۔ حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا، یہ دیکھ کر خاوند اُٹھا کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں؟ یہ کہہ کر چار جوتے رسید کئے اور آکر اپنی جگہ لیٹا رہا حافظ جی نے ''قہر درویش بر جان درویش'' پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چک پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی، جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد وہاں سے خاوند ٹل گیا، عورت نے کہا حافظ جی اب موقع ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ ظالم پھر آجاوے، حافظ جی وہاں سے بھاگے اور مسجد میں دم لیا، یہ قصہ تو رفت گزشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام بھیجا، حافظ جی نے کہا ہاں میں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا۔ (مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

نیم ملا خطرہ ایمان

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے ۴ نکاح کر رکھے تھے اور ایک خاوند کو دوسرے کی اطلاع نہ تھی، ظالم نے ہر ایک سے یہ شرط کر رکھی ہوگی کہ میں سال میں تین مہینہ تمہارے گھر اور نو ماہ اپنے گھر رہوں گی۔ تین ماہ بعد دوسرے خاوند کے پاس رہتی اس سے بھی غالباً یہ شرط تھی پھر تین ماہ کے بعد تیسرے خاوند کے پاس رہتی اس سے بھی غالباً یہی شرط تھی ان میں ہر ایک یہی سمجھتا کہ شرط کے موافق ۹ ماہ اپنے گھر رہنے لگ گئی ہے، یہ خبر کسی کو نہ تھی یہ اس وقت میں اپنے دوسرے آشناؤں کے پاس جاتی ہے۔ دہلی بڑا شہر ہے وہاں ایسے واقعات کا مخفی رہ جانا کچھ دشوار نہیں مگر کب تک؟...... آخر بھانڈا پھوٹا اور عالمگیرؒ کے دربار میں یہ واقعہ پیش ہوا، وہ عورت طلب کی گئی، ایک طالبعلم نے عورت سے کچھ رقم لے کر رہائی کی تدبیر بتلائی کہ تو کہہ دینا میں نے ایک مولوی صاحب کو وعظ میں یہ کہتے سنا تھا کہ لوگ فضول حرام کاری کرتے ہیں خدا نے چار نکاح تک کی اجازت دی ہے اور اگر یہ دریافت کیا جائے کہ مولوی صاحب نے یہ اجازت مردوں کیلئے بیان کی تھی یا عورتوں کیلئے تو کہہ دینا، بس میں اتنا ہی سنا تھا کہ پھر میں ساگ لینے چلی گئی میں نے اس جازت کو عام ہی سمجھا تھا تو یہ طالبعلم "نیم ملا خطرہ جان" نہیں خطرہ ایمان تھا کہ اس نے چار نکاحوں کی اجازت کو عام کر دیا۔ (مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

التجاء ربی

میرے دل کی دنیا میں تو اس طرح اتر جا...... میرے خواب وخیال میں بن کے خوشبو کے جھونکے دل کے آنگن میں اتر جا...... تو بہاروں کے موسم میں گلابوں کی مہک لے کر بن کے باد نسیم کے جھونکے میری روح وجان میں اتر جا...... میرے خیالوں رہے تو سدا گل وگلزار بن کر...... مخمل کی دنیا میں شبنم سے باوضو ہو کر مہک جا میری سانسوں میں کوئی دل کش خوشبو بن کر...... میں روؤں ایسے کہ تجھ کو بنالوں پھر تیری یادوں میں گم سم ہو کے تیری محبتوں کے مزے لوٹوں...... پھر کوئی نہ آئے اس خوبصورت دل کے آنگن میں بس یا رب! تیرا ہی بسیرا ہو تجھے پوجوں تجھے چاہوں تیری ہی ہو جاؤں میں...... میرا لفظ لفظ مہک جائے تیرا نام جب لبوں پہ آئے میری سانسوں سے بھی خوشبو آئے جیسے میرے دل میں کسی چمن کا بسیرا ہو...... میں گروں تو مجھے تھام لے تو میں چلوں تو میرے ساتھ ہو جا، تیرے خیالوں میں کھوئی رہوں یونہی شام ہو جائے سو جاؤں...... اپنی پلکوں پہ سجا کے تیرے سپنے رات بھر میری کروٹوں میں، میرے ہر پل میں میری ہر گھڑی میں تو آجا...... بدل دے میرے دل کی دنیا میرے دل کے ویران موسموں میں اتر جا...... میرا تخیل، میرا وہم وگماں، میرا تصور تو ہی ہو...... پہلے بن تو جان پھر جاناں پھر جلوے جاناں...... میرا تو ہو جا

میں تیری ہو جاؤں۔ (آمین ثم آمین) (مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

بد دعا

ایک صاحب جوزن مرید مشہور تھے اور اپنی بیوی سے بہت ڈرا کرتے تھے ایک مرتبہ سامنے کھانا پیش کیا گیا، کھانا انتہائی بدمزہ تھا، وہ صاحب غصے میں لال پیلے ہو گئے اور جھنجھلا کر کہنے لگے:

یا اللہ ایسی زندگی سے میں مر جاؤں یا؟

بیوی نے چیخ کر کہا: یا سے کیا مراد ہے؟

خاوند ڈر کر کہنے لگا: یا بھی میں ہی۔

کہنا تو یہ چاہتے تھے یا تو مر جائے لیکن بیوی کی دہشت کی وجہ سے کہہ نہ سکے، ہائے بے چارہ شوہر۔!!

(مرسلہ: ام حبیبہ نور)

☆......☆......☆

اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے والا نادان

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ میں ایک نماز کی امامت کرائی چونکہ آپ مسافر تھے، اس لئے اپنی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا اور مقتدیوں سے فرمایا: میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز مکمل کر لیں۔ ایک احمق مقتدی بول پڑا کہ جی یہ مسئلہ ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اگر مسئلہ مجھ سے بہتر جانتے ہوتے تو بولتے نہ کیونکہ بولنے کی وجہ سے آپ کی نماز فاسد ہو گئی ہے اب ازسرنو نماز پڑھنی پڑھے گی۔

بعض لوگ اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں اور عموماً ان کا مبلغ علم بس اتنا ہی ہوتا ہے، ایسے ہی لوگ ائمہ کرام اور علماء دین سے بدظن رہتے ہیں اور ہمیشہ اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں جیسے مذکورہ بالا صاحب نے کیا۔

(مرسلہ: ام حبیبہ نور)

حصول علم اور خواتین اسلام

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے موقع پر باہر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید میری آواز خواتین تک نہیں پہنچی ہو، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، ان کو وعظ ونصیحت فرمائی اور صدقہ دینے کا حکم فرمایا کہ تم صدقہ دیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا

خواتین پر اس قدر اثر ہوا کہ (وہ اپنے زیورات) کان کی بالیاں اور انگوٹھی (وغیرہ) دینے لگیں اور (اتنا سامان ہوگیا کہ) حضرت بلال اپنے کپڑے کے کونے میں جمع کرنے لگے۔ (بخاری: 1/20)

اس حدیث پاک سے جہاں خواتین کے جذبہ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں پر عورتوں کو علیحدہ دینی تعلیم دلوانے کا جواز بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی فکر فرمائی ہے اور اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ باضابطہ خواتین کو تعلیم ونصیحت فرمائی ہے، یہ حق ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے، یہ بات سچ ہے کہ عورت کے تعلیم یافتہ ہونے سے سارا گھر وماحول تعلیم یافتہ ہوسکتا ہے، عورتیں علم کے حصول میں سبقت کریں، ہمت نہ ہاریں اور جو عصری علوم حاصل کررہے ہیں یا عصری تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنے دین ومذہب سے کنارہ کشی نہ کریں، دینی علم کے حاصل کرنے میں جتنی محنت اور جتنا وقت لگے گا وہ سب کا سب باعث اجر وثواب ہوگا، آج الحمدللہ نسوانی مدارس جگہ جگہ قائم ہوتے جارہے ہیں، آج تعلیم کا حصول مشکل مسئلہ نہیں رہا، اس کے باوجود ہم دینی علوم سے آراستہ نہ ہوں تو یہ ہمارے لیے بڑی شرمندگی کا باعث ہوگا، صحابیات کے واقعات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حصول علم کے لیے کتنا اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور کتنی محنت سے محدثات وعالمات بنیں، سابقہ اسلامی خواتین کے ذوق اور طلب کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ہوگا کہ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ خواتین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مرد حضرات ہم پر غالب ہیں (وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ آتے اور رہتے ہیں) لہٰذا ہمارے لیے کوئی دن مقرر فرمادیجیے (تاکہ ہم بھی سیکھ لیں)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دن متعین فرمادیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس متعین دن میں انہیں وعظ ونصیحت فرماتے تھے، ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ اے عورتو! سن لو! جس عورت کے تین بچے مرگئے تو وہ بچے جہنم سے ماں کے لیے حجاب بنیں گے، ایک خاتون نے سوال کیا کہ دو بچے مرگئے تو کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بچوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ (وہ بچے جو کہ بلوغت سے قبل انتقال کرگئے ہوں)۔ دیگر روایت میں ہے کہ وہ سوال کرنے والی خاتون ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، یہی وہ حضرت عائشہ ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی جرأت سے سوال کیا کرتی تھیں، بات سمجھنے تک سوال دہراتی تھیں، ان کا امت پر بڑا احسان ہے، کیوں کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہ کرتیں تو علم نہ آتا، آپ سے بڑے بڑے ذی شان صحابہ کرام بھی علمی سوال کیا کرتے تھے، یعنی آپ صحابہ کی بھی استاذ ہیں، حضرت عائشہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری وحی کا آدھا علم میرے سارے صحابہ سے حاصل کرو اور آدھا علم تنہا عائشہ سے حاصل کرو، گویا حضرت عائشہ اتنی زبردست عالمہ ہیں

کہ نبوت کا آدھا علم صدیقہ کے پاس ہے اور آدھا علم سارے صحابہ کے پاس ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام)

الغرض اتنا علم تو ہر ایک کے پاس ہونا لازم ہے، خواہ مرد ہو یا خاتون، ضعیف ہو یا قوی، عمر بڑھاپے کی ہو یا شباب کی، سب کو اتنا علم حاصل کرنا لازم ہے، جس سے عقائد کی درستگی ہو، عقیدہ معلوم ہوجائے، اخلاق کا پتہ چلے، حقوق کی ادائیگی، والدین، اولاد، رشتہ داروں اور پڑوسیوں وغیرہ کے کیا حقوق ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حق ہے۔

☆......☆......☆

بیٹی جنت میں لے جائے گی

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، پھر اچھی طرح ان کا ساتھ دیا (اچھی طرح ان کی پرورش کی) اور ان کی پرورش کرنے میں اللہ سے ڈرا سو اس کے لیے جنت ہے۔ (ترمذی: 2/13)

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کے حق میں بہت رحیم وشفیق ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو خصوصاً والد اور بھائی کو بتایا کہ بیٹیوں اور بہنوں کے وجود کو باعث ننگ وعار نہ جانیں، بلکہ ان کی پرورش اور حق رسانی کی تعلیم دی گئی، کیوں کہ وہ تمہیں جنت کا مستحق بنائیں گی اور ان لڑکیوں کی وجہ سے کوئی پریشانی میں گرفتار ہوجائے، جیسے کہ فقر وفاقہ ہو یا مقروض ہوجائے تو اس پر صبر کریں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا اس قدر اجر وثواب عطا فرماتے ہیں کہ وہ لڑکیاں سرپرست کے لیے جہنم کے پاس پردہ وحجاب ہوجائیں گی، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان لڑکیوں کی وجہ سے کسی بلا میں گرفتار ہوگیا اور اس نے اس پر صبر کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے پردہ ہوجائیں گی۔ (ترمذی: 2/13)

بلکہ لڑکی کا وجود ہر اعتبار سے باعث برکت ہوتا ہے:

خاندان میں ایک لڑکی کا وجود
باعث رحمت وبرکات لا محدود

(سارہ، عمارہ بنات عبدالرؤف کراچی کی پیش کش)

☆......☆......☆

بچوں کی تعلیم تربیت

بچوں کو عربی یا انگلش سکھانے کے اصول

مفتی افضل کاسی

زبان سیکھنے کے اصول بیان ہو رہے تھے اسی سلسلے میں آج ہم دوسرا اصول ذکر کرتے ہیں زبان سیکھنے کا ایک اصول یہ ہے کہ جب آپ نے بچہ جو صحیح خالص ادبی ان پٹ (سننا اور پڑھنا) دیا تو اب کام یہ کیا جائے کہ بچہ جو بھی آوٹ پٹ (بولنا اور لکھنا) دے اسے قبول کیا جائے اسے بالکل آزاد چھوڑ اجائے اور اس کا مذاق نہ اُڑایا جائے اس کی غلطیاں نہ نکالی جائے جیسے بچہ کے بچپن میں ہم نے اسے مم بولنے پر اس کو نہیں ٹوکا تھا بلکہ ہم خوش ہوئے تھے اور بچہ کو توجہ دی تھی اسی طرح یہاں بھی یہی معاملہ کرنا ہے بچہ کے الفاظ پر دھیان نہیں دینا بلکہ الفاظ کی غرض وغایت کو سمجھنا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بچہ کو ایک تو غلط ان پٹ دیا جاتا ہے اور دوسرا اس کے آوٹ پٹ کو بھی آزاد نہیں چھوڑا جاتا قدم قدم پر اس کی غلطیاں نکالی جاتی ہے اس کے نفس کو مجروح کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اگر ہم انعام رکھے ایسے شخص کے لیے جس کو نرسری کلاس سے لے کر پی ایچ ڈی تک کبھی بھی اُستاد کی طرف سے کسی بے عزتی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تو میرا خیال ہے کہ اس انعام کو جیتنے والا ہمارے پورے ملک میں نہیں ملے گا کیونکہ ہمارے اساتذہ لمحہ لمحہ طلبہ کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں کبھی مار کی شکل میں کبھی ڈانٹ کی شکل میں وغیرہ وغیرہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بچے پڑھائی سے دل چراتے ہیں وہ اپنے آپ کو قید خانے میں بند تصور کرتے ہیں جس کی وجہ سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ نہ کبھی قلم اُٹھاتے ہیں اور نہ ہی کبھی کتاب۔

کسی ماہر تعلیم نے کیا خوب بات کہی ہے کہ پوری دنیا کے لوگ بولنا کیسے سیکھتے ہیں؟ کیونکہ انھیں کوئی بولنا سکھاتے نہیں ورنہ اگر یہ کام بھی ٹیچروں کے ہاتھ میں ہوتا تو آدھی دنیا گونگی ہوتی۔

ہمارے ہاں انگلش یا عربی سکھاتے وقت گرائمر پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے حالانکہ اگر ہمارے وطن عزیز کے کسی بورڈ کے چھٹی جماعت کی انگلش گرائمر کی کتاب اٹھا کر کسی انگریز سے اس کا امتحان لیا جائے تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ فیل ہو جائے گا کیونکہ زبان گرائمر کا نام نہیں بلکہ وہ تو دماغ کا ایک عمل ہے ایک خاص قسم کا ذوق ہے جو زبان میں اگر کوئی غلطی ہو تو فوراً اشارہ دے دیتا ہے کہ اس میں غلطی ہے جیسے شعراء کے سامنے اگر بے وزن شعر پڑھا جائے تو وہ فوراً بتا دیتے ہیں کہ اس کا وزن ٹھیک نہیں لگ رہا اگر آپ ان سے اس بارے میں کوئی قاعدہ پوچھے تو وہ کہیں گے کہ قاعدہ تو نہیں معلوم لیکن یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا اسی طرح محدثین کرام حدیث کی علت کو اپنے ذوق سے پہچان جاتے ہیں یہی ذوق اہل زبان کے پاس بھی ہوتا ہے آپ اُن کے سامنے اگر زبان کے گرائمر کی غلطی کریں گے تو وہ پہچان جائیں گے لیکن اُن کو گرائمر کے قواعد نہیں آتے ہونگے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں بچوں کو زبان سکھانے کی ابتدا ہی گرائمر سے کی جاتی ہے اور انگلش میں tenses سکھائے جاتے ہیں اور اس پر کئی ماہ ضائع کیے جاتے ہیں جس میں ایسے جملے سکھائے جاتے ہیں (جا چکے ہوں گے، کیا جا چکا ہوگا،) وغیرہ وغیرہ۔ ایسے جملے صرف دو جگہ استعمال ہوتے ہیں ایک کلاس روم میں اور ایک پاگل خانے میں۔

ان پٹ ایسی کتابیں رکھنی چاہیئے جو کہ ماہر لسانیات کے نزدیک مستند ہو اور لسانیات کے باب میں مستند کتاب وہ ہوتی ہے جو زبان سکھانے کے لیے نہ لکھی گئی ہو کیونکہ اس میں بناوٹی زبان ہوتی ہے اور جملے بھی ٹکڑوں میں ہوتے ہیں حالانکہ زبان سیکھنے کے لیے حقیقی دنیا میں جو زبان اور جملے بولے جاتے ہیں وہی سننے اور پڑھنے چاہیئے۔

حیا کی خوبصورت محفل کے سب مہمانوں کو محبت بھرا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ سب کی نیک خیریت مطلوب ہے، اس کے ساتھ ہی خوشی ہے کہ آپ کو ماہنامہ حیا پسند آتا ہے، یقیناً اس رسالے سے آپ کی محبت ہی اس کی اساس اور ہمارا اثاثہ ہے۔

بحیثیت مدیرہ میرے ''ماہنامہ حیا'' کے لئے اور آپ سب کے لئے بہت سے خواب ہیں اور نیک تمنائیں ہیں۔ جن کی تکمیل آپ کے تعاون سے ہی ممکن ہے کیونکہ اجتماعیت میں اللہ نے برکت رکھی ہے اور وہ اجتماعیت کی نصرت کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں آپ کا تعاون چاہئے۔ حیا کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے جو تجاویز، رائے اور آپ کا قلمی تعاون ہو وہ کیجئے اور اپنے ماہنامہ کو سجائیے۔

حیا زیادہ سے زیادہ متعارف کروائیں۔

اچھے قلمکاروں کو لکھنے کے لیے متوجہ کریں اور سب سے اہم یہ کہ اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

میری تلخی بہت ہوئی اب آپ کی میٹھی میٹھی سنتے ہیں۔

والسلام۔ حیا حریم

☆......اہلیہ مولانا محمد اصغر نعمانی لکھتی ہیں:......محترمہ ومکرمہ پیاری آپی جان حیا حریم صاحبہ! السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اللہ پاک آپ کو سلامت رکھے (آمین) آپ کی طبیعت اور صحت کیسی ہے؟ باقی اسٹاف کا کیا حال ہے؟ سب سے پہلے ''حیاوحجاب نمبر'' کے بارے میں بات کرتے ہیں، لمبے انتظار کے بعد رسالہ ہم تک پہنچتا ہے، انتظار میں ہمارا خوان پسینہ خشک ہوجاتا ہے، ہر ماہ ۱۷ تاریخ کو ہمارے ہاتھوں میں آتا ہے۔ اس بار انتظار تو خاص تھا، دل میں کئی بار خیال آیا شاید کہ اب مدثرہ تیری کہانی چھپی ہو پھر خیال کو رد کردیتی تھی، میری کہانی کی کیا اوقات ہے ابھی تو کافی انتظار کرنا پڑے گا...... پھر رسالہ آنے سے کچھ دن پہلے خواب میں کسی نے بتایا ''کہ واہ مدثرہ تمہاری کہانی تو چھپ گئی ہے'' پھر مجھے یقین ہوگیا کہ مجھے انتظار جو بہت زیادہ ہوتا ہے اللہ پاک نے میری تسلی کیلئے خواب میں بتلادیا ہے کہانی چھپ گئی ہوگی، پھر جیسے ہی رسالے کو کھولا تو اپنی کہانی ''سہل ہوئی زندگی'' اور حیا کی دستک اور اپنی بنائی ہوئی نظم ''میں حجاب میں ہوں'' دیکھ کے بے حد بے حد خوشی محسوس ہوئی، میرے سسر ابو جی اُس وقت ہمارے پاس آئے ہوئے تھے انہیں بتایا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور مبارکباد دینے لگے۔ اور میرے دل سے آپی حیا صاحبہ جی کیلئے ڈھیروں دعائیں نکلیں۔ اللہ پاک دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین) اللہ آپ کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں نصیب کرے۔ (آمین)

میرے میاں جی نے جب میری کہانی پڑھی تو ان کی آنکھوں سے خوشی سے آنسو آنے لگے۔ پھر بولے: ''مجھے تو بڑا انعام دینا پڑے گا'' کیونکہ ان کی عادت شریفہ ہے کہ میرے ہر اچھے کام پہ میری ضرور حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اللہ پاک مولانا صاحب کی عمر میں سکھ چین میں برکت ڈالے۔ (آمین) روشن چراغ میں کبھی لے کر آئیں گے سرتاج صاحب کو انشاءاللہ۔

اب آتے ہیں اپنے پیارے حیا کی طرف، آپی جان میں نے صحابہؓ کی شان میں اشعار لکھے تھے جو کہ میں نے خود بنائے تھے، آپ نے اُن کے نیچے لکھ دیا: ''انتخاب اہلیہ مولانا محمد اصغر نعمانی''...... میں سمجھ نہیں پائی کیونکہ میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ انتخاب وہ ہوتا ہے جو کسی کی تحریر ہو اور خود کو پسند ہو پھر اپنے نام سے اس کو بھیج دیا جائے انتخاب کے ساتھ، پلیز رہنمائی کیجئے گا۔

حیاوحجاب نمبر میں کہانیاں تو سب ہی ماشاءاللہ شاندار تھیں لیکن جو ٹاپ پہ رہیں وہ ہیں جی محترمہ ''صبا یونس قریشی'' صاحبہ کی تحریر ''بے توفیق الٰہی حیا بھی حجاب بھی'' بہت ہی زیادہ پسند آئی، اللہ کرے زور قلم زیادہ۔ (آمین)...... اس کے علاوہ ''بے پردگی خطرناک چیز ہے'' بنت نجم الدین...... ''حیا کی حیا'' حلیمہ سعیدہ...... ''جہاں محبت ہی محبت تھی'' بنت نجم الدین...... ''انقلاب'' عالیہ شمیم...... ''اعتراض'' بینا رانی......

''دنیا لٹ گئی'' بنت حوا، بہت پسند آئی ہیں باقی مضامین بہت عمدہ تھے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ''میری پسند'' میں بشریٰ بنت مولانا محمد صدیق کی نظم ''کرلیجئے اب عزم حجاب'' بہت اچھی لگی۔

ارے ٹائٹل پہ تبصرہ تو بھول ہی گئی ٹائٹل تو سادگی نفاست اور سکون کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ باقی تبصرہ آئندہ شمارے کے بعد انشاءاللہ تمام قاریات کو سلام اور دعاؤں کی درخواست۔

☆...... محترمہ بہنا!! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! رسالے کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ، اور سرتاج سے انعام وصول کرلیں جلدی سے۔ آپ کی اپنی کاوش کے متعلق انتخاب کا لفظ غلطی سے لکھ دیا گیا جس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ آپ کی مزید قلم آرائیوں کے لئے حیا کا دامن حاضر ہے۔

☆......☆......☆

☆...... ہادیہ حبیب الرحمٰن آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں:...... محترمہ ومکرمہ پیاری آپی جان حیا حریم صاحبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اللہ سے اُمید کرتی ہوں کہ آپ بخیرت ہوں اور نیک کاموں میں مشغول ہوں۔ کافی عرصے کے بعد لکھ رہی ہوں جس کی وجہ میرے ایگزام تھے، مگر حیا کا مطالعہ جاری رہا بہت بہت مبارکباد کے مستحق ہیں حیا کے تمام قارئین وقاریات اور (Specially) حیا حریم آپی اور ماہنامہ حیا کی پوری ٹیم، جنہوں نے اس دور میں ''حیاوحجاب نمبر'' شائع کرکے بیٹیوں کو ان کا مقام سمجھایا اور ایک رئیل بات بتاؤں کہ میرے گھر میں الحمدللہ سب (گاؤن) استعمال کرتے ہیں مگر میں نہیں کرتی تھی، گھر والوں کے کہنے پر بھی نہیں کیا مگر ''حیاوحجاب نمبر'' پڑھ کر میں نے سچے دل سے توبہ کی اور اب میں (گاؤن) پہنتی ہوں، اللہ اس کا اجر آپ کو عطا کرے۔ بہت خوشی ہوئی حیاوحجاب نمبر پڑھ کر اور میری طرح نہ جانے کتنی اور لڑکیوں نے اس حیا کے توسط سے پردہ شروع کیا ہوگا۔ مجھے پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ الفاظ بھی اتنی بڑی طاقت اور تاثیر رکھتے ہیں اور جولائی کا بھی حیا کا مطالعہ کرلیا سب ہی کہانیاں ومضمون زبردست تھے، مگر ''حسین رشتوں کی متلاشی'' ٹاپ کی کہانی تھی، پلیز یہ بغیر کسی رکاوٹ کے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع کرنا، باقی حیا اپنی آب وتاب سے چمک رہا ہے۔ اللہ اسے دن دگنی رات چگنی ترقی دے۔ باقی شیریں آپا کا کوئی نمبر؟؟...... ان کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔

ساجدہ بتول ہماری فنی آپی بنت الیاس نیازی، مریم غازی، صبا باجی...... سب ہی گم ہیں پلیز سب پھر سے حیا میں جلوگر ہوں تاکہ حیا کی محفل میں پھر سے رونق لگ جائے، سب قارئین وقاریات سے درخواست ہے کہ میرے رزلٹ کیلئے بہت بہت دعا کرنا۔ اللہ حافظ۔

☆...... پیاری ہادیہ!! بہت دنوں بعد آمد پر دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید، آپ کی بھی کمی محسوس ہوتی

تھی، پردے کا سفر بہت مبارک ہو، اللہ تعالی آپ کو استقامت نصیب فرمائیں اور اجر دیں۔ ہمیں یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ حیا و حجاب نمبر آپ کے لئے تبدیلی کا باعث بنا۔

دعا ہے کہ آپ دنیا و آخرت کے امتحانوں میں سرخرو ہوں، اور ہاں آئندہ آپ کو اتنی طویل غیر حاضری کی اجازت نہیں ہے۔

☆......☆......☆

Pakistanipoint
Waqar Azeem

حیا و حجاب نمبر کے بہترین لکھاری

ماہنامہ حیا کی خصوصی اشاعت ''حیا و حجاب نمبر'' میں یوں تو تمام بہنوں نے دل و جان سے خوب اور بہترین لکھا، تمام بہنیں ہی حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں، لیکن جن تحریروں نے قارئین کو سب سے زیادہ متاثر کیا، اور انعام کی حقدار قرار پائیں، ان میں......

پہلا انعام 1000 روپے	''ہے توفیق الٰہی حیا بھی حجاب بھی''	صبا یونس قریشی
دوسرا انعام 800 روپے	''ان راہوں میں کہکشاں نہیں''	امامہ عبداللہ۔
تیسرا انعام (۱) 600 روپے	''اوڑھ لے ہر مسلمان بیٹی حجاب''	عائشہ محمد اصغر
تیسرا انعام (۲) 600 روپے	''نازک آبگینے''	بنت عبدالقیوم۔

ان تمام خواتین سے گذارش ہے کہ انعام کی وصولی کے لیے رسالہ کے شروع میں دیے گئے نمبر پر رابطہ کریں۔